قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ نمل)

بوارق الغیب

تالیف

حامی توحید وسنت ماحی شرک وبدعت

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ

کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
فون 543841

قُل لا یعلم من فی السماوات والارض الغیب الا اللہ (قرآن مجید)

ملفوظ رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ... جو تم سے کہے ... غیب جانتے ... اس نے اللہ پر بہتان باندھا

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل

ہر کہ گوید کہ می دانم آں را مدار
جبرئیل ہم نگفتے تا نہ گفتے کردگار

الحمد للہ عالم الغیب کہ حصہ اول از کتاب ... بجواب ...

باسم تاریخی

بوارق الغیب

بجواب کتاب

بغیر اللہ علم الغیب

۱۳ — ھ — ۹۹

مصنف:
حامی توحید و سنت ماحی شرک و بدعت
حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مد ظلہ

ناشر:
کتب خانہ مجیدیہ ملتان شہر
(پاکستان)

ملنے کا پتہ: مولانا عبدالکریم ...

دار العلوم ...

عرضِ ناشر

برصغیر پاک و ہند اور عالم اسلام کی بلند پایہ شخصیت
فخر الاماثل حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کی شخصیت کسی تعارف کی
محتاج نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب "بوارق الغیب" ان کی تصنیف ہے۔ جو کہ مولینا کے مشہور رسالہ
"الفرقان" میں قسط وار ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔ مسئلہ علم غیب پر نہایت
مدلل و انصاف اور متانت کے ساتھ مولانا موصوف نے قلم اٹھایا ہے۔

کتب خانہ مجیدیہ نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے جس کے دو حصے ہیں۔
حصہ اول میں آیات قرآنی مع تشریح و توضیح ترتیب وار درج کی گئی ہیں۔
اور حصہ دوم میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ مع تشریح جمع کی
گئی ہیں۔ یہ کتاب اہل علم کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ انشاء اللہ تعالی
اس کے مطالعہ سے اہل انصاف حضرات کو حقیقت تک رسائی حاصل ہوگی
اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ سبحانہ ہمیں حق و باطل میں امتیاز رکھنے
اور اتباع حق کی توفیق نصیب فرماویں۔

آمین ثم آمین

فقط

بلال احمد شاہد
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

یوں تو ہندوستان میں اہل سنت و اہل بدعت کی جنگ بہت قدیم سے جاری ہے لیکن تیرہویں صدی کے نصف آخر میں بعض فضلائے بدایوں کی تصنیفی کوششوں نے اس کو خاص فروغ دیا۔ اور پھر فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کی تجدیدات و تحریروں نے اس میں اور زیادہ شدت اور ہمہ گیری پیدا کی۔ اور اسی طرح یہ خانہ جنگی برابر ترقی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب ترکوں کی مصیبت نے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور خلافت کی تحریک اٹھی تو کچھ دنوں کے لئے یہ خانہ جنگی سرد پڑ گئی تھی۔

اور الحمد للہ کہ چند سال تک عوام مسلمان تو بہت کچھ ان مباحث سے ناآشنا رہے۔ مگر آخر ۱۳۴۳ھ میں حجاز کا غیر متوقع انقلاب پیش آیا۔ اور حکومت عرب کی باگ شریف حسین کے ہاتھوں سے نکل کر سلطان ابن سعود کے ہاتھوں میں آگئی۔ اور انہوں نے اپنے خیالات و عقائد کے مطابق وہاں اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا۔ تو یہاں کے اہل بدعت کو پھر اپنی مردہ تحریک کے زندہ کرنے کا ایک موقع مل گیا۔ اور بنا علی القبور، تجصیص قبور، عرس، فاتحہ، نذر لغیر اللہ، علم غیب وغیرہ مباحث پر پھر یہاں معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ حجاز میں تو چند ہی روز کے بعد کامل امن وامان ہو گیا۔ مگر ہندوستان میں جو خانہ جنگی اس سلسلہ میں چھڑی تھی اس کے شرارے برابر بلند ہی ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ فریقین کے علمائے کرام کے علاوہ عام اہل قلم اور مدیران اخبار و جرائد نے بھی ان مباحث کی تحقیق اور اثبات و انکار میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور کچھ دنوں کے لئے بہت سے اسلامی اخبارات کے صفحات اسی موضوع کے لئے وقف ہو گئے۔

اسی دور میں بعض اخباری مضامین دیکھ کر "مسئلہ علم غیب" پر ایک مختصر رسالہ لکھنے کا ارادہ ہوا۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ اور میں مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند میں اپنی تعلیم کے آخری درجات پورے کر رہا تھا۔

حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب سے میں نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ مولانا نے فرمایا: کہ اہل سنت کی طرف سے اب تک جو رسالے اس مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔ ان سب میں قدر ضرورت پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور مخالفین نے غلط بحث کر کے بڑے بڑے رسالے لکھ ڈالے ہیں۔ لہٰذا اگر اس موضوع پر کچھ لکھنا ہے تو ہمت کر کے ایک مبسوط رسالہ لکھ دو۔ جس میں اپنے دلائل بھی کافی و شافی ہوں۔ اور مخالفین کے دلائل کا جواب بھی بالاستیعاب ہو۔ کام بڑا تھا۔ اور تھا بھی بحث کا۔ اللہ کا نام لے کر قلم اٹھایا۔ اور اسی طالب علمی کے زمانہ میں اس رسالہ "بوارق الغیب" کی تالیف کی بنیاد ڈال دی۔ مگر اس سال دورۂ حدیث کی مشغولیت کی وجہ سے بہت تھوڑا سا وقت مل سکا۔ تاہم اتنا ہوا کہ جو خالی وقت ملتا۔ میں اس میں دار العلوم کے کتب خانہ میں جا بیٹھتا اور کتابوں سے عبارتیں نقل کر لاتا۔ اسی سال تعلیم کے ختم ہونے کے ساتھ دار العلوم کے قیام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور میں اپنے وطن مستقل چلا آیا۔ یہاں آ کر تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اس کی مصروفیت اور کسی وسیع کتب خانہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اس عرصہ میں "بوارق" کا کام بالکل بند رہا۔

اس کے بعد تقریباً تین سال میرا قیام امروہہ میں رہا۔ وہاں کے مدارس کے کتب خانوں میں دینی کتابوں کا ذخیرہ اگرچہ کچھ کم نہ تھا۔ لیکن تعلیم کی غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے تالیف کے لئے وقت نہیں ملتا تھا۔ اس لئے میں نے اپنا ایک سال صرف اس کام کی تکمیل کے لئے خالی کر لیا۔ اور ادھر ادھر سے کتابیں جمع کر کے بہتر اس کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ چار یا پانچ مہینے کی مسلسل محنت اور جانکاہی نے کام کو قریب ختم کے پہنچا دیا۔ اور میں کتاب کے اکثر حصہ کی ترتیب اور تکمیل سے بھی فارغ ہو گیا۔

سنہ ۱۹۳۱ء ستمبر کا مہینہ تھا کہ ایک مناظرہ کے سلسلہ میں مجھے ضلع گجرات (پنجاب) جانا پڑا۔ اور میری غیبت میں میرے مکان سے کتاب کا پورا مسودہ غائب ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مجھے اس کا کس قدر صدمہ ہوا۔ اور میرے دل پر کیا گذری اس کا تحریر میں آنا دشوار ہے۔ ہمت نے اس قدر شکست کھائی کہ اس کے بعد میں نے بارہا اس کو از سر نو لکھنا چاہا۔ لیکن دل و دماغ نے صاف جواب دے دیا۔ اور میں ایک عرصہ تک قلم نہ اٹھا سکا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اعادہ تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن صاحب کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے اس کو پھر از سر نو لکھنے کا حکم فرمایا۔ میں نے اپنی   ہمت شکنی اور حوصلہ تنگی کا عذر کیا۔ لیکن ممدوح نے ایک نہ سنی۔ اور فرمایا اللہ کے بھروسہ پر لکھنا شروع کر۔ امتثالاً للامر سنہ ۱۳۵۱ھ میں میں نے پھر اس کو لکھنا شروع کیا۔ اور الحمد للہ تعالیٰ کہ اس کے فضل و کرم سے سنہ ۱۳۵۲ھ میں وہ دوبارہ مکمل ہو گئی۔ اس مرتبہ مضامین میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا۔ اور پوری کتاب کا مسودہ فلس کیپ سائز کے قریباً آٹھ سو صفحات پر ختم ہوا۔ اللہ کی شان ہے کہ سنہ ۱۳۴۳ھ میں دار العلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں جب پہلی مرتبہ میں نے اس کو لکھنا شروع کیا تھا۔ تو اسی وقت اس کا نام "بوارق الغیب" تجویز کیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۳۴۴ھ کی بعض مطبوعہ تحریروں میں بھی میں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان تمام حوادث کے بعد سنہ ۱۳۵۲ھ میں جب دوبارہ کتاب تکمیل کو پہنچی اور میں نے بحساب جمل "بوارق الغیب" کے اعداد شمار کئے۔ تو سنہ ۱۳۵۲ھ ہی آئے۔ اس حسن اتفاق پر مسرت ہوئی اور دل نے کہا۔

الاسماء تنزل من السماء۔

تکمیل تالیف کے بعد طباعت کا مرحلہ سامنے آیا اور اندازہ کیا گیا کہ کم از کم ڈیڑھ ہزار روپیہ اس کی طباعت کے لئے چاہئے۔ اس تخمینہ کے بعد اس کی طباعت

اور اسی وقت سے قلمی پرسش ہو گیا۔ اور میں نے سمجھا کہ میری یہ ساری محنت بس میرے ہی پاس رہے گی۔

پچھلے سال کے آخر میں الفرقان کے اجراء کا خیال پیدا ہوا۔ اور محرم ۱۳۵۳ھ سے وہ بحمداللہ شروع کر دیا گیا۔ اور یہ ارادہ کیا گیا کہ "بوارق الغیب" قسط وار اسی میں شائع کی جائے۔ بعض احباب نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اور یہ رائے دی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کو علیحدہ مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ مناسب یہی تھا۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک سال سے بھی کچھ زیادہ وقت گیا۔ اور بالآخر اس کی علیحدہ طباعت کی کوئی صورت نہیں پیدا ہو سکی۔ مجبوراً پھر پہلی ہی تجویز کے مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ سے اس کو "الفرقان" ہی میں بالاقساط شائع کرنا شروع کر دیا گیا۔ اور ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ میں اس کا یہ پہلا حصہ بعونہ تعالیٰ مکمل ہوا۔

رسالے کے ساتھ ساتھ کچھ علیحدہ بھی فرمے طبع کرا لئے گئے تھے۔ اس وقت وہی یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے جا بجا آپ عنوان میں "بوارق الغیب" کی تکرار دیکھیں گے۔ لیکن مضمون بالکل مسلسل ہے۔ آپ عنوان سے قطع نظر کر کے سب مضمون کو مسلسل ملاحظہ فرماتے جائیے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔
محرم ۱۳۵۶ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله المتعزز بالعزة والعظمة والجلال. المتوحد
بأحدية الذات المتفرد بصفات الكمال. المنزه
عن سمات العجز والنقص وامارات الزوال. المتعالي
عن الاشباه والاشكال والامثال. هو الذي يسبح في
الاصوال ويخلق الاثقال. بيده ملكوت السموت
والارض يرزق الارزاق ويقدر الاجال. ويرسل
الصواعق فيصيب بها من يشاء وهم يجادلون في
الله وهو شديد المحال. يدبر الامر ما من شفيع
الا من بعد اذنه عالم الغيب والشهادة الكبير المتعال.
نشهد انه لا اله الا هو. ولا يعلم الغيب الا هو. له
الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير. لا حول ولا
قوة الا بالله. ولا نعبد ولا نستعين الا اياه. له النعمة
وله الفضل وله الثناء الحسن. لا اله الا الله مخلصين
له الدين ولو كره المشركون. ونشهد ان سيدنا و
نبينا وحبيبنا وحبيب ربنا ومولانا محمدا
عبده ورسوله ارسله بالحق الى كافة الناس
بشيرا ونذيرا وداعيا اليه باذنه وسراجا منيرا.
صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليما
كثيرا كثيرا. اللهم انا نسئلك حبك وحب رسولك
وحب عمل يبلغنا الى حبك. اللهم اجعلنا هادين
مهتدين غير ضالين ولا مضلين سلما لاوليائك

عدو الاعداء انك تجيب بحبك من احبك وتنادی
بنداوتك من خالفك۔ اللهم هذا الدعاء وعليك
الاجابة ومنى الجهد وعليك التكلان وانت المستعان۔

تمہید

اب سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق فرمایا تھا۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع الحدیث۔ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

تم لوگ ضرور بالضرور پیروی کرو گے اگلی امتوں (یعنی یہود و نصاریٰ) کی بالشت برابر بالشت اور ہاتھ برابر ہاتھ (یعنی بالکل انہی کے قدم بقدم چلو گے۔)

جس ماحول میں زبان وحی ترجمان سے یہ پیشین گوئی صادر ہوئی تھی۔ اس وقت بظاہر حالات یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کبھی امت محمدیہ میں بھی وہ گمراہیاں راہ پا سکیں گی جن کا شکار یہود و نصاریٰ ہوئے۔ لیکن گردش ایام نے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اس پیشین گوئی کے دونوں رُخ دنیا کے سامنے پیش کر دیئے۔ خیر القرون کے گزرتے ہی امت میں فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے کسی نے تفریط میں یہودیوں کی روش اختیار کی اور کوئی غلو اور افراط میں نصاریٰ کے قدم بقدم چلا۔ پھر جوں جوں عہد رسالت سے دوری ہوتی گئی ان نئے فتنوں نے کی پیداوار بھی بڑھتی گئی۔ اور آج تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے کہیں بہاء اور باب ایران کی جھوٹی نبوت کے چرچے ہیں۔ تو کہیں مسیح پنجاب مرزا قادیانی کی رسالت کے بلند بانگ دعوے۔ اگر ایک طرف عبد اللہ چکڑالوی اور اس کے گماشتے پہلے سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی خصائص اور نفس الامری فضائل سے انکار کر کے آپ کی عصمت اور وجوب اطاعت سے انکار کر رہے ہیں۔ اور معاذ اللہ آپ کو اپنا جیسا خطاکار اور معمولی انسان بتا رہے ہیں تو دوسری طرف بعض گمراہ آپ کو

حصہ (حاشیہ صفحہ ۸ پر دیکھئے)

سند پر نبیوں پر بٹھا کر خدائی اختیارات سونپ رہے ہیں۔ کھلے لفظوں میں آپ کی بشریت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خزائن الٰہی کا مالک و مختار، متصرف فی الاکوان اور عالم الغیب بتلایا جا رہا ہے اور بعض کم بختوں نے تو آپ کو بعینہٖ خدا بنا دیا۔ اور یہاں تک کہہ گزرے کہ:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

اور پھر غضب یہ ہے کہ ان خرافات کو جو سرتا سر تعلیمات اسلام کے مخالف اور منافی ہیں ضروریات دین کا درجہ دے کر ان پر محبت حضرت رسالت کا ٹھپا لگ

---

[1] چکڑالوی صاحب کے نئے چھپے قرآن امرتسری اپنے اشتہار "خالق اور مخلوق کی طاقت میں فرق" بجریدہ یکم نومبر ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں۔ کہ نبی کو اصل سلطنت الٰہیہ میں شریک سمجھنا شرک ہے (معاذ اللہ) اسی طرح اسی فرقہ کے بانی اول عبداللہ چکڑالوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اعتقاد کفر و شرک ہے (معاذ اللہ) اخبار بلاغ امرتسر جو اس گروہ فرقہ کا آرگن ہے اس میں آئے دن حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت اور وجوب طاعت کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جنہیں زور شور سے بیان کیا جاتا ہے کہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام میں یہ یہ کمزوریاں اور یہ یہ نقائص ہیں (معاذ اللہ رب العالمین) ۱۲

[2] مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ برکات الامداد میں لکھتے ہیں کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں۔ صفحہ

ناظرین خاں صاحب کی اس عبارت کو دیکھیں اور اسی کے ساتھ قرآن کریم کی ان تصریحات کا مطالعہ کریں۔

قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ قل لا املک لنفسی

اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نقصان اور نفع کا مالک و مختار نہیں ہوں اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے

چڑھا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور تماشے والوں کو کافر و ملحد و دشمن رسول بتلایا جا رہا ہے۔ گویا انہی باتوں پر محبت نبوی کا مدار ہے۔ اور یہی وہ اصول دین و ارکان اسلام اور مہمات عقائد ہیں جن کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے تھے۔ فیالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا۔

یوں تو ان فتنوں کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں سے ہر ایک فتنہ بجائے خود دین الٰہی میں عظیم الشان رخنہ ہے۔ لیکن بعض حیثیات سے فتنہ علم غیب کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ وہ نہایت خطرناک ہے۔

اس مسئلہ کے ظاہری عنوان میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے کمال کا اعتراف ہے۔ اس لئے عوام مسلمین اپنی والہانہ عقیدت اور غیر آئینی جوشِ محبت کے باعث جلدی اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ناواقفی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے کہ جس کو وہ اعتراف عظمت اور انتہائے عقیدت سمجھتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ معصیت اور بغاوت ہے۔ اور جس کو انہوں نے بارگاہ رسالت کے تقرب کا ذریعہ سمجھا ہے۔ وہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری اور آپ کے دامنِ رحمت سے دوری کا سبب ہے۔

نصاریٰ نے ایسی ہی غیر آئینی محبت کے جذبہ میں اللہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کو صفات خداوندی میں شریک قرار دیا۔ اور سمجھے کہ ہم نے خدا کے مقدس پیغمبر کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور اس کی وجہ سے مسیح اور ان کا خدا ہم سے بہت زیادہ راضی ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۸)

نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ۔ پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کے لئے (بھی) نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو خدا چاہے (وہی ہوتا ہے)۔

لیکن خدا کی آخری کتاب قرآن مجید شاہد ہے کہ ان کی یہی گمراہی جس کی
بنیاد بظاہر جذبہ محبت پر تھی ان کے مبغوض اور مردود ہونے کا باعث بنی۔

اسی طرح غلاۃ روافض نے اسی جوشِ محبت کے ماتحت ائمہ اہل بیت
رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمیع ماکان و ما یکون کا عالم اور اختیارات کلی تکوین کا مالک
مانا[1] اور بعض بدبختوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خدائی کے مرتبہ تک
پہنچا دیا اور اسی کو انہوں نے محبت اہل بیت کا مقتضا اور تعظیم و تکریم کا منتہا سمجھا۔
لیکن اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ان حامیانِ
محبت کو آگ کے بھڑکتے شعلوں میں ڈلوا کر دنیا کو بتلا دیا کہ ہماری جو محبت خدا
کی بغاوت پر مبنی ہو اس کی سزا آگ کے بھڑکتے شعلے ہیں۔

ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔

بہرحال جس طرح محبت عیسوی کے پردہ میں الوہیت مسیح کے عقیدہ نے
نشو و نما پایا اور جیسے کہ حب اہل بیت کے نام پر رفض کو ترقی ہوئی اسی طرح حب
نبوی اور عشق رسالت کا رنگ دے کر مسئلہ علم غیب کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے۔
اور بیچارے عوام محبت کا ظاہری عنوان دیکھ کر ہی اس پر ایمان لا رہے ہیں ایسی
ہی گمراہیوں کے سد باب کے لیے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

---

[1] سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ روافض کے عقائد باطلہ کے بیان میں تحریر فرماتے
ہیں۔ ومن ذلک ان الامام یعلم کل شیء ما کان وما یکون من امر الدنیا والدین
حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار (غنیۃ الطالبین، ص۱۹۹)۔
ترجمہ: اور ان کے عقائد باطلہ میں سے یہ ہے کہ جو کچھ ہو چکا یا آئندہ ہوگا امام اس سب کو
جانتے ہیں خواہ وہ دنیا کے متعلق ہو یا دین کے۔ حتیٰ کہ زمین کی کنکریاں، بارش کے قطروں
اور درختوں کے پتوں کی تعداد بھی جانتے ہیں۔ درحقیقت مناظرین کا عقیدہ علم غیب بھی رافضیت
کے اسی عقیدہ کی صدائے بازگشت ہے۔ ۱۲ مؤلف

لا تطرونی کما اطرت	تم مجھ کو حد سے نہ بڑھا نا جیسا کہ نصاریٰ نے
النصاریٰ عیسیٰ بن مریم الحدیث	عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ کیا۔

ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

لا ترفعونی فوق حقی فان اللہ	تم مجھ کو میرے اصلی مرتبہ سے مت بڑھاؤ۔
تعالیٰ قد اتخذنی عبداً قبل	حق تعالیٰ نے مجھے رسول قرار دینے سے پہلے
ان یتخذنی رسولاً۔	اپنا بندہ بنایا ہے۔

اور ایک موقع پر جب کہ بعض صحابہؓ سے آپ کی شان میں کچھ بے اعتدالی ہو گئی تو ارشاد فرمایا۔

لا یستھوینکم الشیطٰن انا محمد	دیکھو تمہیں شیطان گمراہ نہ کر دے میں محمد
بن عبد اللہ ورسولہ۔ ما	ابن عبد اللہ ہوں۔ خدا کا بندہ ہوں اور اس
احب ان ترفعونی فوق	کا رسول ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ کو میرے اس
منزلتی التی انزلنی اللہ	مرتبہ سے اوپر اٹھا دو جہاں خدا نے مجھ کو رکھا ہے

ایک دفعہ بعض بچیوں نے آپ کی شان پاک میں یہ کلمات کہہ دیئے۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد	اور ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتیں جانتے ہیں۔

تو فوراً آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ص۔ مجمع الفوائد ص ۱۵۔

ملہ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن علی بن الحسین عن ابیہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۱۲۳

ملہ رواہ احمد وعبد بن حمید وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ عنہ کنز العمال ص ۱۲۳ ج ۲۔

دعی هذا و قولی ما کنت تقولین لا یعلم ما فی غد الا الله۔ (ابن ماجه[۱])

یہ نہ کہو بلکہ جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔ آئندہ باتوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات شریف کے متعلق کبھی ایسے الفاظ بھی پسند نہیں فرمائے جن میں افراط کا شائبہ بھی ہو بلکہ اس کے متعلق آپ نے پوری پوری روک تھام فرمائی۔ لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج آپ ہی کے امتی اور آپ ہی کی محبت کے مدعی آپ کی مقرر کردہ حدوں کو توڑ رہے ہیں۔ اور کھلے طور آپ کو عالم الغیب کہہ رہے ہیں اور نصاریٰ کی طرح اسی غلو اور افراط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور قرب خصوصی کا باعث سمجھ رہے ہیں۔ انہیں اسیران جہالت اور گرفتاران ضلالت کے متعلق ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے ارقام فرمایا ہے۔

ولا ریب[۲] انه الجاهلون الاعلی هذا الغلو اعتقاد هم انه یکفر عنهم سیئاتهم و یدخلهم الجنة وکلما غلوا کانوا اقرب الیه فهم اعصی الناس لامره واشدهم مخالفة لسنته فیهم شبه ظاهر من

اور بے شک ان لوگوں کو اس غلو پر اس کے اس خیال نے مجبور کیا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے سامنے کفارہ سیئات بن جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جس قدر بھی وہ حضور کی شان بڑھائیں گے اسی قدر آپ کا تقرب حاصل ہوگا۔ درحقیقت یہ لوگ حضور کے سب سے زیادہ

۱؎ رواہ ابن ماجہ ۱۲

۲؎ ملا علی قاری کی یہ عبارت خاص انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط مانتے ہیں۔ پوری عبارت کئی صفحوں میں ہے جو آئندہ اپنے موقع پر ان شاء اللہ نقل کی جاوے گی۔ ۱۲ منہ۔

النصارى غلوا في المسيح أعظم الغلو فخالفوا شرعه ودينه أعظم المخالفة۔
(موضوعات کبیر ص ۱۱۹، ۱۲۰)

نافرمان ہیں اور آپ کی سنت کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ ان میں نصاریٰ کی ظاہر باہر مشابہت ہے۔ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بڑے غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت اور اُن کے دین کے بالکل خلاف عقیدے قائم کر لئے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی کر رہے ہیں)

بہرحال چونکہ عقیدہ علم غیب کا یہ زہر محبت کے دودھ میں ملا کر امت کے حلق سے اتارا جا رہا ہے۔ اس لئے یہ اُن تمام گمراہ کن اعتقادات سے زیادہ خطرناک اور توجہ کا محتاج ہے، جن پر بحث اور تنقید کا ملمع نہیں کیا گیا۔ پھر اس کی حمایت میں حامیان بدعت اور داعیان ضلالت کے لاتعداد رسالوں نے مطلع کو اور بھی زیادہ تاریک کر دیا ہے۔ اس وقت تک میری نظر سے اس موضوع پر ان لوگوں کے جو رسالے گذر چکے ہیں۔ ان کی تعداد غالباً پچاس ساٹھ سے کم نہ ہوگی۔ ادھر علمائے اہل سنت نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مسئلہ بالکل ظاہر البطلان ہے۔ اس کی طرف بہت کم توجہ فرمائی اور اگر کسی نے لکھا بھی تو قدر ضرورت پر اکتفا کیا۔ اور کبھی اُس کے اطراف و جوانب کے احاطہ کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ جس سے عوام الناس کے مغالطہ کو اور بھی زیادہ تقویت ہوئی۔

اب بعض اکابر ملت کے ایماء سے اس ناچیز نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انصاف اور حق پرستی کی توفیق عطا فرمائے اور اعتساف و تعصب سے بچائے۔

انه على كل شئ قدير وبالاجابة جدير۔ اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه آمین۔

اس کتاب (بوارق الغیب) کی دو جلدیں ہوں گی۔ پہلی جلد میں اہل سنت

کے دلائل ہوں گے اور دوسری جلد میں مخالفین کے دلائل پر تنقید، پہلی جلد میں ایک مقدمہ ہوگا۔ اور تین باب، مقدمہ میں کچھ اہم اور ضروری اقتباسات کے علاوہ موضوع بحث کی تنقیح اور منشاء نزاع کی تعیین کی جائے گی۔ پہلے میں صرف قرآن مجید سے عقیدہ کے خلاف ثبوت پیش کیا جاوے گا اور دوسرے باب میں صرف احادیث نبویہ سے اور تیسرے باب میں صحابہ و تابعین و دیگر سلف صالحین، ائمہ عظام اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مسلک کی تائید پیش کی جائے گی۔ اسی طرح دوسری جلد میں بھی انشاء اللہ تین باب ہوں گے۔ اور ایک خاتمہ ۔ والامر بید اللہ تعالیٰ وھو الموفق۔

مقدمہ

جس شخص نے صرف قرآن عزیز کا سرسری نظر سے مطالعہ ہی کیا ہو گا۔ وہ اس حقیقت سے ناواقف نہ ہو گا۔ کہ جس طرح مقبولین بارگاہِ خداوندی (حضرات انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام) کی شان میں گستاخی اور ان کی عداوت باعثِ شقاوت و ہلاکت ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے بارہ میں غلو اور افراط یعنی ان کو ان کے منصب اصلی سے اٹھا کر صفات خداوندی میں شریک کرنا اور ان کے لئے وہ اوصاف و کمالات ثابت کرنا جو درحقیقت ان کو عطا نہیں فرمائے گئے تھے یہ بھی ضلالت اور گمراہی ہے۔

یہود اگر اس وجہ سے مستحق لعنت ہوئے کہ انہوں نے اللہ کے ایک اولو العزم رسول (حضرت مسیح علیہ السلام) اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ مریم کی شانِ پاک میں گستاخیاں کیں اور ان پر ناپاک بہتان باندھے تو نصاریٰ صرف اس وجہ سے مردود ہوئے کہ انہوں نے اللہ کے اس رسول کو اس کے حقیقی منصب سے اٹھا کر عین خدا یا خدا کا شریک بنا دیا۔ قرآن حکیم نے ان کی اس بے راہ روی پر بہت عتاب آمیز انداز میں کفر کی مہر لگا دی ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح ابن مریم ۔ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے مسیح ابن مریم کو خدا مانا۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ وما من الہ الا الہ واحد۔ وان لم

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے تین خدا مانے حالانکہ ایک اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اگر وہ لوگ

نشانیوں میں سے ایک زبردست نشانی ہے۔ اور ان کو ہم نے بن باپ کے محض اپنے حکم سے پیدا کیا تھا۔ اور ان کو بڑے بڑے معجزے دیئے تھے۔ اور یہود ان کی شان میں گستاخیاں کر کے لعنتی ہو گئے۔

تو دوسری طرف وہ صاف صاف یہ بھی کہتا ہے کہ

مسیح ابن مریم کو خدا یا شریک خدا کہنے والے کافر ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مسیح اور ان کی ماں کو اور جن کو یہ گمراہ شریک خدائی سمجھتے ہیں) ہلاک کرنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ وہ جس طرح ساری کائنات کا مالک ہے۔ اسی طرح مسیح اور مریم کا بھی اور یہ اس کے مملوک و مخلوق ہیں۔

کبھی وہ حضرت مسیح کی عبدیت پر اس طرح صاف صاف تصریح کرتا ہے۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ۔	مسیح کو خدا کے بندے بننے سے ہرگز عار نہیں۔

اور کبھی وہ نصاریٰ کی گمراہی بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ کا حقیقی منصب اس طرح بیان کرتا ہے۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام۔	مسیح ابن مریم بس خدا کے ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں۔ وہ دونوں تو کھانا کھایا کرتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ جو کھانا کھاوے گا وہ کھانے کا اور پھر اس کی وجہ سے تمام ان چیزوں کا محتاج ہوگا۔ جن کی ضرورت کھانے کے مہیا کرنے میں ہوتی ہے۔ وہ زمین کا محتاج ہوگا۔ کہ زمین اس کے لئے غلہ اگائے۔ وہ پانی کا محتاج ہوگا۔ کہ پیداوار ہو سکے۔ وہ ہوا کا محتاج ہوگا کہ غلہ کو تیار کر سکے۔ وہ آگ کا محتاج ہوگا۔ کہ کھانا پک سکے۔ پس جو شخص کھانا کھاتا ہو وہ کبھی الٰہ نہیں ہو سکتا کہ الوہیت کا اجتماع احتیاج کے ساتھ محال ہے۔

بہرحال قرآن کریم نے جس طرح تفریط کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اس نے افراط کے فنا کرنے کے لئے بھی پورا جہاد کیا ہے۔

پس ناآشنایان حقیقت کی یہ کتنی بڑی گمراہی ہے کہ وہ خاصان خدا (انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام) کے بارے میں ہر قسم کی افراط کو کمال اور موجب تقرب سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی حق پرست اس کے خلاف کوئی لفظ منہ سے نکالے اور ان کے غالیانہ عقائد کا رد کرتے ہوئے اُن مقدسین کے حقیقی منصب کو بیان کرے تو یہ کور بخت اس کے اس فعل کو توہین اور تنقیص کہتے ہیں حالانکہ بیان منصب اور توہین میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ قرآن کریم جابجا انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ ان کا حقیقی منصب بھی بیان کرتا ہے۔ اور گمراہ امتوں نے اُن کے بارہ میں غلو کرکے جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ اُن کا بدانجام بھی بتلاتا ہے۔

پس اگر یہ بیان منصب ہی توہین ہے تو کیا (معاذ اللہ) قرآن کریم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو "عبد" "مخلوق و مملوک خداوندی" "آکل طعام" یعنی کھانے پینے والے "انسان" بتلا کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "بشر مثلکم" کہہ کر خدا کے ان باعظمت اور ذی عزت رسولوں کی توہین کرتا ہے؟ معاذ اللہ منہ۔ افسوس یہ گمراہی اس امت میں ہے جس کو قرآن عزیز نے "امت وسط" کہا تھا اور جو دنیا میں اسی غرض سے آئی تھی کہ افراط و تفریط کو مٹا کر سارے عالم کو اعتدال کے راستہ پر لائے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و
تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله (پ ۴)

(۴)

اللہ تعالےٰ نے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف پر انہوں نے امت کو اس فتنۂ افراط سے بچانے کے لئے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور جب کبھی اس مرض کا خطرہ محسوس کیا فوراً احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ اگر خدانخواستہ وہ بھی اس معاملہ میں تساہل اور تغافل سے کام لیتے تو یقیناً آج امت مرحومہ کا وہی حال ہوتا جو دوسری امتوں کا ہو چکا ہے۔

آہ! وہ کیسا نازک وقت تھا کہ آقائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔ فرط حزن اور شدت غم سے بہت سے صحابہؓ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام سرے سے وفات نبوی ہی کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ "جو کوئی کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا" افضل امت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال دیکھا فوراً مسجد نبوی میں تشریف لائے لوگوں کو جمع کیا۔ اور منبر پر کھڑے ہو کر حمد و صلوٰۃ کے بعد اس طرح خطبہ دینا شروع کیا۔

من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی	لوگو! جو تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا ہو اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور وفات پا گئے اور جو خدائے واحد کے پرستار ہیں وہ یقین رکھیں کہ خدا ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور اس کو کبھی فنا نہیں۔ دیکھو! قرآن عزیز صاف صاف کہہ رہا ہے "محمد بھی ایک رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں

اللّٰہ الشّاکرین۔ (بخاری)

یا شہید کر دیئے جائیں تو تم کیا ان کے دین سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟۔ اور جو ان کی

ملت سے پھر کر مرتد ہو جائے تو وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔)

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خطبہ دیا ہے ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

یہ کیا تھا۔ درحقیقت یہ بیان منصب ہی تھا۔ جس کے ذریعے حضرت صدیق اکبر نے بہت سے گرتوں کو تھام لیا۔ اور لوگوں کو جتلا دیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی خدا کی طرح دائمی اور ابدی نہیں بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ بھی وفات پا گئے۔

پس جس طرح حضرت صدیق اکبر کے اس خطبہ کے متعلق اعدا صحابہ کا یہ کہنا کہ (معاذ اللہ) اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپ کے منصب عظیم کی تنقیص ہے۔ ایک کھلی تہمت ہے۔ اسی طرح حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم غیب محیط یا علم جمیع ما کان وما یکون کے انکار اور آپ کی بشریت کے اثبات کی وجہ سے علماء اہل سنت کے متعلق اہل بدعت کا یہ پروپیگنڈہ کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ حضور کی توہین و تنقیص کرتے ہیں۔ ایک کھلی ضلالت بلکہ نہایت ذلیل شرارت ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف اور واقعی کمالات کا انکار بے شک آپ کی تنقیص اور استخفاف کی بے ایمانی ہے۔ اور آپ کی اہانت بلکہ آپ کی شان اقدس میں ادنیٰ گستاخی کفر اور ارتداد ہے۔ لیکن تصریحات کتاب و سنت کے خلاف ارباب ضلالت آپ کی شان میں جو افراط اور غلو کریں۔ اس کا رد اور انکار عین ایمان اور فریضہ اسلام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیشین گوئی ہے۔

یحمل ھذا العلم من کل	ہر قرن کے عادل اور ثقہ لوگ اس علم دین
خلف عدولہ ینفون عنہ	کے حامل ہوں گے جو غالیوں کی تحریفات'
تحریف الغالین وانتحال	اہل باطل کے غلط دعاوی اور جاہلوں کی
المبطلین وتاویل الجاھلین۔	بے جا تاویلات کو اس سے رد کریں گے

(رواہ البیہقی فی المدخل مرسلاً)

پس اہل بدعت کے غالیانہ عقائد کے استیصال کے لیے علماء اہل سنت کی جدوجہد اسی پیشین گوئی کی عملی تفسیر اور اسی ارشاد نبوی کی تعمیل ہے۔ اور یہ ناچیز اس موقع پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اس کا منشا اور مقصد بھی صرف یہی ہے کہ اس بارہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صحیح تعلیمات دنیا کو پہنچا دی جائیں اور ارباب ضلالت نے اس باب میں جو غلو اور افراط کیا ہے اس سے بھی امت کو آگاہ کر دیا جائے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ و ھو حسبی و نعم الوکیل۔

منشاء نزاع کی تعیین

اس مسئلہ کے معروف و مشہور دو عنوان ہیں۔ "علم غیب" اور "علم جمیع ما کان و ما یکون" اور دونوں اپنی جگہ پر مبہم ہیں۔

چنانچہ لفظ "علم غیب" کے تقریباً بیس احتمال خود فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں بیان کئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی معنے ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے بعض کا اعتقاد سب کے نزدیک کفر ہے۔ اور بعض کا سب کے نزدیک واجب اور ضروری' اور بعض کا مختلف فیہ' علی ہذا' "ما کان وما یکون" کے الفاظ بھی اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے دنیا اور آخرت کی تمام کائنات کو شامل ہیں۔ حالانکہ سب مدعیان علم غیب بھی اس عموم کے قائل نہیں'

جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مفصل معروض ہوگا۔

بہرحال یہ دونوں عنوان مبہم ہیں اور بیانِ مراد میں ناکافی! اور ان عنوانوں کے اسی ابہام کی وجہ سے خود مدعیانِ علم غیب کے بیانات میں بھی تعارض اور تناقض ہو گیا۔

۱۔ ان میں سے بہت سے جاہل واعظ تو اپنے وعظوں میں بلا استثناء تمام غیوب کا علم حضور کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ بعض صرف ذات و صفات خداوندی کا استثنا کر دیتے ہیں۔

۳۔ اور بعض تمام ممکنات حاضرہ و غائبہ کے علم محیط کے مدعی ہیں۔

۴۔ اور جو زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار ہیں۔ وہ صرف ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک کا علم محیط مانتے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب جو اس طبقہ میں یقیناً علمی برتری رکھتے ہیں۔ انہوں نے جہاں کہیں اس مسئلہ کی تقریر فرمائی ہے۔ وہاں ان دونوں حدوں کو بصراحت ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ "انباء المصطفیٰ" صـ۲ پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ حق تعالیٰ نے "روزِ اول سے روزِ آخر تک کا سب" ماکان و مایکون" انہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔

نیز، اسی انباء المصطفیٰ صـ۳ پر بھی انہوں نے "ماکان و مایکون" کے ساتھ "الیٰ یوم القیٰمۃ" کی قید لگا دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ماکان و مایکون الیٰ یوم القیٰمۃ جمیع مندرجات لوحِ محفوظ کا علم دیا۔

عـــہ۔ اسی آخری عقیدہ پر بھی عام طور پر ان کا اعتقاد رکھتے ہیں ۱۲ منہ مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی غالباً اسی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ الکلمۃ العلیا صـ۲ ۱۲۔

تجمیع مندرجات لوح محفوظ " درحقیقت " ماکان ومایکون " الیٰ یوم الآخرۃ " ہی کی تفسیر ہے چنانچہ خود فاضل موصوف الدولۃ المکیہ صہ۲۳ پر فرماتے ہیں ۔

وقد بین صحاح الاحادیث ان اللوح مکتوب فیہ کل کائن من اول یوم الی الیوم الآخر بل الی دخول اھل الدارین منازلھم وھو المعبر عنہ بما کان وما یکون۔

اور یہ بات صحیح حدیثوں نے بیان کردی ہے کہ لوح محفوظ میں تمام وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ جو روز اوّل سے روز آخر تک ہونے والی ہیں بلکہ اہل جنت کے داخل جنت اور اہل نار کے داخل نار تک کے واقعات لکھے ہوئے ہیں اور اسی کو ماکان ومایکون سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

نیز اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ۔

وقد علمت ان مقصودنا حاطۃ ماکان ومایکون المثبت فی اللوح المحفوظ وھو شیٔ متناہ۔

تم کو ہمارے پہلے بیان سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہمارا مقصد صرف اس ماکان و مایکون کا احاطہ ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ اور وہ ایک محدود چیز ہے۔

بہرحال ان کا دعویٰ صرف قیامت تک کے علم محیط کا ہے۔ اس کے بعد آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے اور جنت و دوزخ میں ابدالآباد تک جو کچھ ہو گا۔ وہ ان کے اس اصطلاحی ماکان ومایکون سے خارج ہے۔ اور اس کے متعلق ان کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ سب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہے چنانچہ یہی فاضل بریلوی الدولۃ المکیہ صہ۲ پر تصریح فرماتے ہیں۔

ومعلوم ان ماکان ومایکون بالمعنی المذکور المثبت کلہ فردا فردا تفصیلا تاما فی اللوح المحفوظ لیس الا

کہ ماکان ومایکون بمعنی مذکور جو پوری تفصیل کے ساتھ فرداً فرداً لوح محفوظ میں ثبت ہے وہ صرف دنیا ہی ہے کیونکہ آخرت تو قیامت کے بعد ہے۔

بالدنیا فان الآخرۃ بعد الیوم الآخر۔

بعض بریلوی کی ان تمام تصریحات سے ان کا جو مسلک منقح ہوا وہ یہ ہے۔ کہ
" ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر حشر نشر حساب و کتاب وغیرہ کے اختتام
یا بالفاظ دیگر داخلۂ جنت و نار تک کے تمام واقعات جزئیہ و کلیہ و عینیہ و دنیویہ
کا علم تفصیلی محیط حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔ "

اور ظاہر ہے کہ یہ مجموعہ محدود بین الحدین اور محصور بین الحاصرین ہے۔
آفرینش عالم سے پہلے حق تعالیٰ کی ذات اس کی شیون و صفات اور اس کے
غیر متناہی جلوے موجود تھے۔ ان کے متعلق ان حضرات کا یہ دعویٰ نہیں ہے۔
کہ ان سب کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ علیٰ
ہذا قیامت کے بعد جنت و دوزخ باذن اللہ تعالیٰ ابد الآباد تک جو کچھ
آباد رہیں گی نہ جنتی فنا ہوں گے نہ جنت، نہ ناریوں کا خاتمہ ہوگا نہ نار کا۔ پس
وہاں ابد الآباد تک جو کچھ ہوگا۔ اس کے متعلق بھی ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے۔
کہ وہ سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے۔ بلکہ ان کا دعویٰ
جیسا کہ عرض کیا گیا۔ صرف ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک کے
معلومات کا ہے۔

اس کے بعد ایک چیز اور تنقیح طلب رہ جاتی ہے۔ کہ وہ اس علم کا حصول
حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کس وقت مانتے ہیں۔ اس میں
بھی مثبتین علم غیب نے عجیب خبط کیا ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور جس
وقت شکم مادر ہی میں تھے۔ اس وقت ہی آپ کو ما کان و ما یکون کا علم حاصل ہو
چکا تھا۔ چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب "انوار آفتاب
صداقت"* کے صفحہ ۱۲۳ پر ایک مولوی کی روایت یہ نقل کی ہے کہ حضور نے
فرمایا کہ لوح محفوظ پر قلم چلتی تھی۔ اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ میں شکم مادر میں تھا۔ الخ
اور پھر اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ۔

* ص ۱۵ پر دیکھیں

اس سے ظاہر ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا سے
نبوت سے علم غیب حاصل ہے۔ اور معترضان کے روبرو بلکہ تخلیق آدم
سے پہلے ہی علم غیب حاصل تھا۔

اور بعض دیگر حضرات کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علم ما کان وما یکون
کا حصول شب معراج میں مانتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا غالباً یہی
مسلک ہے جیسا کہ الکلمۃ العلیا صہ ۳۴ و صہ ۴۳ کی بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن
مولوی احمد رضا خان صاحب نے یہاں بھی نہایت ہوشیاری اور مناظرانہ دور
اندیشی سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ کو یہ علم ما کان وما یکون
تدریجی طور پر آغاز نبوت سے بذریعہ قرآن پاک وقتاً فوقتاً عطا ہوتا رہا۔ اور جس
روز قرآن عزیز کا نزول ختم ہوا۔ اسی دن اس علم کی تکمیل ہوئی۔ چنانچہ موصوف
انباء المصطفیٰ صہ ۲ پر فرماتے ہیں۔

"اور جب کہ یہ علم رشتہ ما کان وما یکون الیٰ یوم القیامۃ قرآن عظیم کے
"تبیاناً لکل شیء" ہونے ہی کا بعض تفاسیر کہ یہ وصف تمام کلام مجید
کا ہے۔ نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن سے پہلے اگر بعض
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو "لم نقصص علیک"
یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے "لا تعلمہم" ہرگز ان آیات
کے منافی اور احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔"

صفحہ نمبر ۲۴ اس کتاب پر ہندوستان کے مشاہیر علماء اہل سنت کی تقریظات ثبت ہیں چنانچہ
مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اس پر ایک زوردار تقریظ لکھی ہے۔ اسی
لئے ہم نے اس کتاب کا ذکر یوں کر دیا ہے ورنہ خود کتاب کے مصنف اس پایہ کے
کوئی غیر معمولی شخص نہیں ہیں اور ہم اس کتاب میں ہر کس و ناکس کے خیالات سے
تعرض نہیں کر سکتے۔

نیز یہی فاضل الدولۃ المکیہ ص۲۵ پر فرماتے ہیں۔

ان تعلیم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم کان بالقرآن والقرآن نزل نجما نجما ولم یکن ینزل کل وقت فصدق البعض فی الاوقات وفی المعلومات جمیعا۔

کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی تعلیم قرآن کے ذریعے تھی۔ اور قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے وقتاً فوقتاً نازل ہوا ہے اور اس کا نزول ہر وقت نہیں ہوتا تھا۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ حق تعالیٰ نے (آپ کو) بعض علوم غیب بعض اوقات میں عطا فرمائے۔

فاضل موصوف کی ان دونوں کو عبارتوں سے ظاہر ہے۔ کہ وہ اس علم ماکان و مایکون کی تکمیل نزول قرآن سے پہلے نہیں مانتے بلکہ بعد نزول قرآن اس کے مدعی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت کی طرف سے اب تک جو آیات اور احادیث اہل بدعت کے اس عجیب عقیدہ کے خلاف پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا جواب مولوی احمد رضا خان صاحب نے یہی دیا ہے۔ کہ یہ تمام نزول قرآن سے پہلے ہیں۔ اور اس وقت کے لئے ہم بھی اس علم محیط کے مدعی نہیں۔ ملاحظہ ہو "الفیوض الملکیہ حواشی الدولۃ المکیہ" از مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی۔

اس تمام تحقیق و تنقیح سے معلوم ہوا کہ عوام مقتدین اور ان کے جاہل واعظوں کو چھوڑ کر مدعیان علم غیب میں جو حضرات مذہبی اور علمی ذمہ داریاں رکھتے ہیں۔ وہ خود تین قسم کے ہیں۔

۱۔ ایک وہ جو پیدائش سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "ماکان و مایکون" جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جو شب معراج میں اس علم کے حصول کے مدعی ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ جو بعد ختم نزول قرآن حضور کے لئے اس علم کی تکمیل مانتے ہیں۔

چونکہ تیسرا قول فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کا ہے اور وہ اس جماعت کے امام و مقتدیٰ اور مجدد و پیشوا مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم انہی کے مسلک کی طرف زیادہ توجہ کریں گے۔ نیز اسی کے رد و ابطال سے پہلے دو اول قول خود بخود باطل ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں ان کی تردید براہ راست توجہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تاہم چونکہ یہاں مسئلہ کا استیعاب مقصود ہے اس لئے بالکل نظر انداز ان کو بھی نہیں کیا جائے گا۔ واللہ الموفق۔

اس کے بعد ہم مختصر الفاظ میں اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت کا نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

الف:- علم ذاتی اور علم محیط تفصیلی جو بلا استثناء تمام معلومات کو حاوی ہو۔ خواص باری تعالیٰ سے ہے۔ اس میں نہ کوئی رسول شریک ہے نہ غیر رسول اور اس پر فریقین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی «الدولۃ المکیہ» کی نظر ثانی میں فرماتے ہیں۔

العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالےٰ۔	علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔

نیز اسی کی نظر خاص میں ہے۔

لانقول بمساواۃ علم اللہ تعالیٰ ولا بحصول لہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضا الا البعض۔	ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں۔ نہ کہ جمیع خالص الاعتقاد ص ۳۳۔

بہرحال علم ذاتی اور علم محیط کلی تفصیلی کا کسی مخلوق کے لئے حاصل نہ ہونا مسلم فریقین ہے۔

ب حق تعالیٰ کی عطا سے بذریعہ وحی یا الہام عالم شہادت کی طرح عالم غیب کی بھی بہت سی چیزیں حق تعالیٰ کے مقرب بندوں کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور جماعت انبیاء میں بھی خاص کر سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس کمال میں سب سے زیادہ بلند ہے اور آپ ہی حق تعالیٰ کے بعد "فوق کل ذی علم علیم" کے مصداق ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف وکرم۔

لیکن یہ عقیدہ رکھنا بھی صحیح نہیں کہ آپ کو

"تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرما دیا گیا" الکلمۃ العلیا ص ۳ ۔

اور یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

"تمام ما کان وما یکون الیٰ یوم القیامۃ کا علم حاصل تھا اور ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر جنت و نار کے داخلے تک کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہیں۔ (انباء المصطفیٰ ص ۳ ملخصاً)

کیونکہ بعض ما کان وما یکون کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہونا نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اس سے اختلاف کرنا محبت نہیں بلکہ بغاوت اور ضلالت ہے۔

اہل سنت کے اس عقیدہ کا جزو اول جو ثبوتی ہے وہ تو کسی دلیل کا محتاج نہیں اور نہ کسی مسلمان کو اس سے انکار ہے۔ لہٰذا یہاں ہماری بحث صرف جزو سلبی پر ہوگی۔ اور اسی پر ہم اپنی کتاب کے اس حصہ میں تین بابوں کے ماتحت دلائل پیش کریں گے۔

والمسئول من اللہ تعالیٰ توفیق الصدق والصواب۔

باب اوّل

قرآنی دلائل و براہین

قرآن مجید خدا کا وہ مکمل اور آخری پیغام ہے جو قیامت تک کے لئے بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی کا کفیل بن کر آیا ہے۔ اس کے نازل کرنے والے حکیم و خبیر نے خود اسی کے دیباچہ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ — یہ کتاب مقدس، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، متقیوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

ایک دوسری جگہ اس کا مقصد نزول یہ بتایا گیا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ — یہ مقدس کتاب ہے اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

ایک اور موقع پر اس کی تنزیل کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ — اے رسول ہم نے تم پر اپنی یہ کتاب اسی لئے نازل کی ہے کہ تم ان حقائق کو کھول دو جن میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ہماری یہ کتاب تو سراپا ہدایت اور رحمت ہے ماننے والی قوم کے لئے۔

پس اب قرآن ہی وہ کلام ربانی اور صحیفہ آسمانی ہے جو ہمارے تمام اختلافات و نزاعات کا ناطق فیصلہ دے سکتا ہے اور اسی پر اب اہل زمین کی نجات کا مدار ہے اور وہی ہدایت کا مخزن اور مرکز ہے۔ اس کے لانے والے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا ہے۔

من ابتغی الهدی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم۔ (الحدیث)	جس نے قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور ہدایت تلاش کی وہ گمراہ ہو جائے گا۔ قرآن خدا کا مضبوط اور مستحکم عہد ہے اس میں حکمت والی نصیحت ہے اور وہی صراط مستقیم اور راہ نجات ہے۔

پس اگر آج امت مسلمہ کے کسی فرد کو کسی مسئلہ میں تردد ہو تو چاہیے کہ سب سے پہلے اس کا حل قرآن پاک سے تلاش کیا جائے۔ پھر اگر خدا کی اس مقدس کتاب سے ہمارے سوال کا جواب مل جائے۔ (خواہ وہ اشارۃً و کنایۃً ہی کیوں نہ ہو) تو اسی پہ ایمان و اعتقاد کی بنیاد رکھ دی جائے۔ کہ اس کا جو فیصلہ ہے وہ خالق ارض و سما کا فیصلہ ہے اور اس سے سرتابی انسان کی انتہائی شقاوت ہے۔

انہ لقول فصل و ما ھو بالھزل۔	وہ قول فاصل اور فارق بین الحق والباطل ہے۔ وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔

بہر حال انسان کی سعادت یہی ہے کہ وہ اپنے اعتقادات اور نظریات کو قرآن کے ماتحت کر دے اور اس کے ہر ہر اشارے پر جان سے قربان ہونے کے لئے تیار رہے۔ نہ یہ کہ اس کو اپنا محکوم بنائے اور اس کی تصریحات کو اپنے اعتقادات کے موافق بنانے کے لئے اس میں ملحدانہ تحریفیں اور رکیک تاویلیں کرے۔ کہ یہ اہل ہوی اور مغضوبین کا دستور ہے۔

پس اگر ہمارا ایمان سالم ہے تو ہمارے لئے قرآن حکیم کا ایک ہلکا اشارہ بھی کافی ہونا چاہیئے۔ لیکن اللہ علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے کہ کون چیز زیادہ اہم ہے؟ اور کون سا مسئلہ توضیح و تشریح کا زیادہ محتاج ہے۔؟ وہ جانتا تھا کہ کسی وقت امت میں "علم غیب" کا یہ فتنہ بھی اٹھے گا۔ اس لئے اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس کے متعلق نہایت صاف اور واضح تصریحات فرمائیں اور اس بارہ میں بیان و تبیان کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اگر اہل بدعت کے

رسائل اور ان کے صریح اقوال و دعاوی ہمارے سامنے نہ ہوتے تو سمجھنا ہم کو یہ یقین آنا بھی مشکل تھا۔ کہ کوئی شخص قرآن پر ایمان رکھنے اور اس کو خدائی کتاب اور الہامی صحیفہ ماننے کے بعد ایسا اعتقاد بھی رکھ سکتا ہے۔ ؎

ہرگز ہم باور نمی آید ز روئے اعتقاد ایں ہمہ با لغت و دین پیمبر داشتن

لیکن جس طرح معتزلہ اور مرجیہ خوارج اور روافض نے ایمان بالقرآن کے ادعا کے ساتھ قرآن سے بغاوت کی اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ایک گروہ نے تصریحات قرآن سے بے پروا ہو کر اپنے اوہام و ظنون کا اتباع کیا۔ اور اپنے دل کو سمجھانے کے لیے نصوص قرآنیہ میں معنوی تحریفیں بھی کر لیں۔ اور ان کو اپنے حسب منشا معانی پر ڈھال بھی لیا۔ لیکن درحقیقت اُن کا یہ فریب خود اپنے نفسوں کے ساتھ ہے۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔ جن لوگوں نے دانستہ قرآن حکیم سے بغاوت کی ان کا معاملہ تو ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ لیکن جو بھولے بھالے مسلمان ان ملحدین کے دام فریب میں آ گئے ہیں۔ اور اپنی ناواقفی کی وجہ سے اس غیبی عقیدہ کو موافق تعلیم اسلام سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے سامنے ہم اس مسئلہ کا ناطق فیصلہ پہلے قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں۔ (بعد ازاں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ احادیث نبویہ و آثار صحابہ و اقوال سلف سے بھی اس مسئلہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی جائے گی۔)

اگرچہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایمان والوں کی تسلی اور تشفی کے لئے قرآن عزیز کی ایک آیت بلکہ اس کا ایک ہلکا سا اشارہ ہی کافی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں مسئلہ کا استیعاب اور پورے طور سے اہل باطل پر اتمام حجت مقصود ہے۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم اس مسئلہ کے متعلق قرآن کریم سے اتنا وافر ثبوت پیش کریں گے۔ کہ اس سے پہلے کسی ایسے اختلافی مسئلہ کا ایسا ثبوت پیش نہ کیا گیا ہوگا۔

واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

ایک شبہ کا جواب

ممکن ہے یہاں کسی سادہ لوح کو یہ شبہ ہو کہ مدعیان علم غیب بھی قرآنی
آیات ہی پیش کرتے ہیں اور ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں یہی قرآنی
تعلیم ہے۔ پھر یہ کس طرح معلوم ہو کہ فریقین میں کس کا کہنا صحیح اور کس کا غلط ہے۔ اس
لئے ہم پہلے ہی عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ سے
قرآن پاک اہل باطل کا بھی تختۂ مشق رہا ہے۔ معتزلہ اور خوارج نے بھی اپنے
معتقدات کے ثبوت میں قرآنی آیات پیش کیں اور نواصب اور روافض نے بھی
اسی قرآن کی آیتوں سے استشہاد کیا اور آج قادیانی اور چکڑالوی بھی اسی سے
استدلال کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن ہم کامل وثوق اور پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں
کہ اگر فہم صحیح اور نظر انصاف ہو تو قرآن مجید میں اہل باطل کے مزعومات کے
لئے کوئی گنجائش نہیں وہ (ہندوؤں کے مجموعۂ الحقائق ویدوں کی طرح) ساکت و
صامت نہیں بلکہ وہ ناطق کتاب ہے اس کی شان ہے۔ لا یاتیہ الباطل من
بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ لیکن ان
اس شقاوت اور بدبختی کا کوئی علاج نہیں کہ کوئی ناخدا ترس اس کے معانی میں
کتر بیونت کر کے اس سے اپنا غلط دعویٰ ثابت کرنا چاہے اور بیچارے عوام کو
دھوکہ دینے کے لئے کہہ دے کہ ھذا من عند اللہ (یہ خدا کا حکم ہے)
لیکن پھر بھی تلاش اور جستجو کرنے والے کے لئے حق و باطل اور صحیح و سقم
میں امتیاز کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ خدا رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف متقدمین پر
جو اس قرآن کو خطرناک ہاتھوں سے بچانے کے لئے ایسے اصول بھی ضبط فرما گئے ہیں
جن سے معلوم ہو سکے کہ قرآن کی تفسیر کون سی قابل قبول ہے۔ اور کون سی
قابل رد۔

یوں تو اس موضوع پر مستقل اور مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہاں ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث علامہ عماد الدین ابن کثیر دمشقی کے ایک کلام کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

فان قال قائل فما احسن طرق التفسير فالجواب ان اصح الطرق في ذلك ان يفسر القرآن بالقرآن فما اجمل في مكان فانه قد بسط في موضع آخر فان اعياك ذلك فعليك بالسنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له ....

وحينئذ اذا لم نجد التفسير في القرآن ولا في السنة رجعنا في ذلك الى اقوال الصحابة فانهم ادرى بذلك لما شاهدوا من القرائن والاحوال التي اختصوا بها و لما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح والعمل الصالح لاسيما علمائهم وكبرائهم كالائمة الاربعة الخلفاء الراشدين والائمة المهتدين المهديين وعبد الله بن مسعود رضي الله عنهم ....

ومنهم الحبر البحر عبد الله بن عباس ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وترجمان القرآن ببركة دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم له حيث قال اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل ۔الخ ۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۳۔

علامہ موصوف کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے تلاش کی جائے کیونکہ اس کلام الٰہی میں اگر ایک مسئلہ کو کسی جگہ اجمال کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو اکثر دوسری جگہ اس کی تفصیل بھی کردی گئی ہے

(چنانچہ بعض علماء متقدمین ومتاخرین نے تفسیر القرآن بالقرآن کے موضوع پر مستقل اور ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ خود حافظ ابن کثیر کا بھی یہ دستور ہے کہ وہ پہلے آیات قرآنی کی شرح دوسری آیات سے کرتے ہیں۔ اور اسی چیز نے بھی ان کی تفسیر کو دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں زیادہ ممتاز کر دیا ہے۔)

(۲) اگر کسی آیت کی تفسیر ہم خود قرآن سے نہ نکال سکیں تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئیے۔ کیونکہ وہ قرآن کی تشریح اور توضیح کرتی ہے اور قرآن مجید میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ — آپ کتاب اللہ اور امور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ — ہم نے آپ پر قرآن کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے واسطے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی ہدایت کیلئے نازل کی گئی ہے۔

بہرحال قرآن کریم میں اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا گیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی کے معلم اور مبین ہیں۔ پس اگر کسی آیت کی تفسیر خود آپ سے ثابت ہو جائے۔ تو وہ ضرور واجب القبول ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض ہم اس کوشش میں بھی ناکام رہیں۔ اور کسی آیت کی تفسیر ہم کو نہ قرآن میں ملے نہ احادیث نبویہ میں تو پھر ہم کو اقوال صحابہ دیکھنے چاہئیں۔ لیکن تیسرے درجہ میں وہ تفسیر قابل وثوق اور قابل اعتماد ہوگی۔ جو کسی صحابی سے ثابت ہو جائے۔ بالخصوص وہ صحابہ کرام جو قرآن فہمی میں خصوصیت رکھتے تھے۔ جیسے کہ حضرات خلفاء راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود وعبداللہ ابن عباس وابی بن کعب ومعاذ ابن جبل وسالم وزید ابن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس اگر ان حضرات سے کسی آیت کی تفسیر ثابت ہو جائے

ر تو وہ بھی حضورؐ کی تفسیر کے بعد قابل اعتماد ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے قرآن مجید کو سیکھا، سبقاً سبقاً رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا اور جن کی آنکھوں میں قرآن مجید کا نزول ہوا اور ان حضرات کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اور یہ حضرات ان وقائع سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے جن کے بارہ میں قرآن مجید نازل ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ان کو حق تعالیٰ نے دین اور احکام دین کے سمجھنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ انہیں کے ذریعہ سے اقطار عالم میں دین اسلام کی تبلیغ ہونے والی تھی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جماعت کے متعلق کس قدر جامع کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔

كانوا افضل هذه الامة	یہ حضرات امت کے افضل ترین افراد
ابرها قلوبا واعمقها علما	تھے۔ ان کے دل نہایت پاکیزہ ان کا
واقلها تكلفا اختارهم الله	علم نہایت گہرا، تکلف اور بناوٹ سے
لصحبة نبيه ولاقامة	بہت دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو
دينه فاعرفوا لهم	اپنے نبی اکرمؐ کی صحبت اور اپنے دین
فضلهم واتبعوهم على	کی خدمت کے لئے پسند کیا تھا۔ پس ان
اثرهم وتمسكوا بما استطعتم	کی فضیلت پہچانو، اور ان کے نقش قدم
من اخلاقهم وسيرهم	پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق
فانهم كانوا على الهدى	اور ان کی طرز زندگی کو اختیار کرو، کیونکہ
المستقيم۔	وہ راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن تھے

بہرحال تفسیر کے درجوں میں وہ تفسیر معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو اور یہ تینوں درجے جمہور امت کے متفق علیہ ہیں۔ ان کے بعد حضرات تابعین کی تفسیر کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا ہے۔ جس کا فیصلہ حافظ ابن کثیرؒ نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔

اما اذا اجمعوا على الشئ فلا يرتاب في كونه حجة فان اختلفوا

فاذا اختلفوا فلا يكون قول بعضهم حجة على قول بعض ولا على
من بعدهم ويرجع في ذلك الى لغة القرآن و
السنة او عموم لغة العرب واقوال الصحابة في ذلك۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مفسرین تابعین کسی آیت کی تفسیر میں متحد اور متفق ہو جائیں تو وہ تفسیر درست اور قابل قبول ہے۔ ورنہ قواعد عربیت اور دیگر دلائل سے کسی ایک قول کو ترجیح دی جاوے۔ اس کے بعد پانچواں درجہ ان ائمہ کی تفاسیر کا ہے جنہوں نے اسی میدان کی سیاحت میں اپنی عمریں ختم کر دیں۔ اور مذکورہ بالا چاروں اصول کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی تفسیریں لکھیں۔ پس اگر یہ حضرات کسی تفسیر پر متفق ہو جاویں تو صحابہ و تابعین کی تفاسیر کے بعد وہ بھی قابل قبول ہوگی۔ اور بصورت اختلاف دلائل سے کسی ایک کو ترجیح دی جاوے گی۔ اس قسم کی تفسیروں میں تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر لباب التاویل (خازن) تفسیر مدارک، تفسیر الواحدی، تفسیر کبیر، تفسیر سراج منیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین، تفسیر جامع البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر نیشاپوری۔

آیات کی تفاسیر میں جو احادیث یا اقوال صحابہ و تابعین نقل کئے جائیں گے۔ وہ اکثر و بیشتر در منثور، کنز العمال، مسند احمد، فتح الباری، یا دیگر کتب متداولہ حدیث و شروح حدیث سے ماخوذ ہوں گے۔

ماحصل کلام یہ کہ

طالبان تحقیق کے لئے قرآن پاک کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کے یہ پانچ اصول ہیں۔ جن کی صحت اور مقبولیت کسی دلیل کی بھی محتاج نہیں۔ اور آیات قرآنیہ سے ہمارا استدلال بھی انہی اصول کے ماتحت ہوگا۔ ہم جس بات کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کریں گے۔ اس کی تفسیر بھی اپنی طرف سے نہیں کریں گے بلکہ

اسی کام کے لئے بھی حتی الامکان قرآن حکیم اور احادیث نبی کریم و ارشادات صحابہ و تابعین و اقوال ائمہ مفسرین بھی نقل کریں گے۔ بہرحال ہماری حیثیت صرف ناقل اور ترجمان کی اور ہم محض مؤلف ہوں گے نہ کہ مصنف۔ سہ

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ استاد ازل گفت ہمی گو یم

اس کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مسئلہ علم غیب کے متعلق قرآن مجید کے قاطع فیصلے اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

پہلی آیت

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ۔
(سورۂ طٰہٰ رکوع ۱)

قرآن مجید کے پہلے مترجم حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ـــــــ

بدرستیکہ قیامت آیندہ است میخواہم کہ پنہاں دارم آں وقت را تا جزا دہند ہر تنے را بانچہ می کند ـــــــ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن میں فرماتے ہیں ـــــــ

ہر آئینہ قیامت آمدنی است میخواہم کہ پنہاں دارم وقت آں را تا جزا دادہ شود ہر شخصے بمقابلہ آنچہ می کند۔ ـــــــ

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں ـــــــ

قیامت مقرر آنی ہے۔ میں چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلا ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے ـــــــ

حضرات علمائے معتبرین کے یہ وہ تراجم ہیں جو دنیائے اسلام میں اعتماد اور مقبولیت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ان سب ترجموں کا حاصل یہ ہے کہ قانون جزا و سزا کے بروئے کار آنے کے لئے قیامت ایک وقت ضرور آنی ہے اور ہم اس کے وقت خاص کو مخفی ہی رکھنا چاہتے ہیں

اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کو تمام بندوں سے مخفی رکھا جائے اور کسی کو اطلاع نہ دی جائے۔

پھر قرآن مجید میں تقریباً پندرہ سولہ مقامات پر مختلف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ قیامت کے وقت کا علم حق سبحانہ وتعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ پس وہ تمام آیتیں اس آیت کریمہ کی مفسر ہیں اور اسی لئے عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر نے (جو حتی الوسع تفسیر القرآن بالقرآن کا مکمل التزام رکھتے ہیں) اس آیت کی تفسیر میں ان میں سے بعض آیات درج بھی کی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم ان تمام آیات کریمہ کو متعدد مستقل طور پر استدلال میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں درج کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ناظرین یہ بات اپنے خیال میں رکھیں کہ آئندہ نمبروں میں علم قیامت کے متعلق جس قدر آیات پیش کی جائیں گی وہ سب ایک دوسرے کیلئے مفسر ہوں گی۔ علیٰ ہذا جو احادیث ان آیات کریمہ کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ اُن کو بھی ہم ان تمام آیات کے پیش کرنے کے بعد اخیر ہی میں درج کریں گے۔ سر دست آیت مذکورۃ الصدر کے متعلق حضرات صحابہ و تابعین وائمہ مفسرین کے تفسیری اقوال ملاحظہ ہوں۔

عن ابن عباس. تفسیر ابن جریر صفحہ ۹۵ ج ۱۶ ورواہ ایضاً سعید بن منصور وعبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ در منثور صفحہ ۲۹۴ ج ۴۔

بہرحال ان تینوں جلیل القدر صحابیوں کے نزدیک جنہوں نے علم قرآن براہ راست صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ:

حق تعالیٰ قیامت کے وقت کو بے حد مخفی رکھنا چاہتا ہے حتیٰ کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کو اپنے سے بھی مخفی رکھتا پھر بھلا وہ اس کی اطلاع کسی مخلوق کو کیوں دینے لگا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ممکن ہے کہ کسی سطحی النظر شخص کو اس جگہ یہ شبہ ہو کہ کسی شے کا حق تعالیٰ سے مخفی رہنا محال ہے تو پھر اس آیت کی تفسیر میں اکاد اخفیہا من نفسی کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس موقع پر امام المفسرین حافظ محدث ابو جعفر بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو امام موصوف نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہذا۔

اما وجہ صحۃ القول فی ذلک فہو ان اللہ تعالیٰ ذکرہ خاطب بالقرآن العرب علی ما یعرفونہ من کلامہم وجری بہ خطابہم بینہم فلما کان معروفاً فی کلامہم ان یقول احدہم اذا اراد المبالغۃ فی الخبر عن اخفائہ شیئاً ہو لہ مسر قد کدت ان اخفی ہذا الامر عن نفسی من شدۃ استسراری

به ولو قدرت اخفيه من نفسي. فخاطبهم على
حسب ما قد جرى به استعمالهم في ذلك من الكلام
بينهم وما قد عرفوه في منطقهم. تفسير ابن جرير ص۹۹ ج۱۶

امام سعدیؒ کے اس جواب کا حاصل صرف یہ ہے کہ
چونکہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی چیز کو زیادہ مخفی رکھنا چاہتے تھے تو
مبالغہ کے طور پر کہا کرتے تھے۔ قد كدت ان اخفي هذا الامر عن نفسي
قریب ہے کہ میں چھپالوں اس بات کو اپنے نفس سے بھی۔
پس چونکہ قرآن بھی انہی کی زبان اور انہی کے محاورات میں نازل ہوا اس لئے
انہی کے محاورے کے مطابق شدت ارادۂ اخفاء کو یہاں اس عنوان سے تعبیر کر
دیا گیا ہے اور حاصل آیۃ کریمہ کا صرف یہ ہے کہ۔
"حق تعالیٰ نے اپنے سوا کسی دوسرے کو قیامت کا وقت بتلانا نہیں چاہا"
اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعہ پر اسی آیت
کی تفسیر میں صرف یہ الفاظ بھی فرمائے ہیں۔

۵۔ ان الساعة اتية اكاد اخفيها. يقول لا اطلع عليها احدا غيري۔	یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے سوا کسی کو اس (قیامت کے وقت) کی اطلاع نہ دوں گا۔

رواه ابن جرير بسنده عن علي بن طلحة عن ابن عباس (تفسير ابن جرير ص۹۸ ج۱۶
واخرجه ايضا ابن ابي حاتم كما في الدر المنثور ص۲۹۳ ج۴ وابن كثير ص۱۴۹ ج۳)
نیز حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی اسی آیت کی تفسیر
میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔
۶۔ ان الساعة اتية اكاد اخفيها. قال لا تاتيكم الا بغتة۔ (یعنی آیت
کا مطلب یہ ہے کہ) قیامت تم پر اچانک اور بے خبری ہی میں قائم ہو جائے گی۔ (رواه
ابن جرير بسنده عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه. تفسير ابن جرير ص۹۸ ج۱۶)

مجیئا یقطع العذر	یہ کہ تیغی ہو۔ جس کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔
(تفسیر ابن جریر طبری ص ج ۲۵)	

اور اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و حضرت عبداللہ بن عباسؓ و مجاہد و ابوصالح و سدی و قتادہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد قرآن کریم سے ان کی تائید پیش کرکے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وھذا کقولہ تعالی لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون. وقال تعالی ثقلت فی السموت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ. ای ثقل علمھا علی اھل السموت والارض. (تفسیر ابن کثیر ص ج ۴)	یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے کہ زمین و آسمان کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا سوائے اللہ کے۔ اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اسی قیامت کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر اچانک ہی آئے گی یعنی اس کا علم بھاری ہے آسمانوں اور زمین کی بسنے والی مخلوق پر۔

گویا حافظ علیہ الرحمۃ نے کتاب مبین کی روشنی میں متعین کرکے بتلا دیا کہ آیت کی صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے۔ جو اوپر صحابہ کرام و تابعین عظام سے منقول ہوئی اور قرآن عزیز بھی اسی کا مؤید ہے۔

اور امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں اسی تفسیر کو اکثر مفسرین کا قول قرار دے کر ترجیح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

واكثر المفسرين قالوا معناه اكاد اخفيها من نفسي وكذالك هو في مصحف ابي بن كعب وفي مصحف عبد الله بن مسعود. اكاد اخفيها من نفسي فكيف يعلمها مخلوق. وفي بعض القراءة فكيف اظهرها لكم وذكر ذالك على عادة العرب اذا بالغوا في كتمان الشيء يقولون كتمت سري من نفسي اي اخفيته غاية الاخفاء والله تعالى لا يخفى عليه شيء۔ (تفسير معالم التنزيل بر حاشيه خازن مصري ص۲۱۵ ج ۴)

اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اکاد اخفیہا من نفسی سے کی ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں تو یہ آیت اسی طرح یعنی من نفسی کے لفظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے اور حضرت ابن مسعود کی مصحف میں اس کے ساتھ فکیف یعلمہا مخلوق کے الفاظ بھی ہیں۔ اور ایک قرات میں فکیف اظہرہا لکم ہے۔ اور یہ چیز اہل عرب کی عادت کے مطابق ذکر کی گئی ہے وہ جب کسی چیز کا زیادہ اخفا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں نے تمہارے راز کو اپنے دل سے بھی چھپا لیا ہے۔ یعنی اس کو بہت زیادہ پوشیدہ رکھا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اور علامہ علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ خازن نے بھی اپنی تفسیر لباب التاویل میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ارقام فرماتے ہیں۔

ان الساعة اتية اكاد اخفيها. قال اكثر المفسرين اكاد اخفيها من نفسي فكيف يعلمها مخلوق وكيف اظهرها لكم وذكر ذالك

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ قریب ہے کہ میں اس کو اپنے سے بھی چھپا لوں۔ پھر کسی مخلوق کو تو اس کا علم کیونکر ہو سکتا ہے اور کیونکر میں تم کو بتلاؤں

على عادة العرب اذا بالغوا في الكتمان للشيء يقولون كتمت سرك في نفسي اي اخفيته غاية الاخفاء والله تعالى لا يخفى عليه شيء۔
(تفسیر خازن صفحہ ۲۱۵ ج ۴)

لگا ہوں، یہ بات اہل عرب کے محاورہ کے مطابق کہی گئی ہے، جب وہ کسی بات کو بہت زیادہ چھپانا چاہتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے راز کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھا ہے یعنی بے حد چھپایا ہے ورنہ حق تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔

اور خطیب شربینی کی تفسیر السراج المنیر میں بھی اس موقع پر بعینہٖ یہی خازن کی عبارت مرقوم ہے۔ (سراج منیر مطبوعہ ہند صفحہ ۴۱۲ ج ۲، ۳۰)

اور علامہ معین بن صفی اپنی مختصر مگر نہایت جامع اور معتبر تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں۔

اكاد اخفيها من نفسي اي وقتها فهو مبالغة في الاخفاء۔

قریب ہے کہ میں (قیامت) کی اس گھڑی کو چھپا ڈالوں اپنے نفس سے بھی یہ مبالغہ ہے در (تعبیر) اخفاء میں۔

(تفسیر جامع البیان صفحہ ۲۶۹)

یہاں تک جس قدر صحابہ و تابعین و دیگر ائمہ مفسرین کے اسمائے گرامی آئے ہیں وہ سب حضرات سورہ طٰہٰ کی اس آیت کی تفسیر "اکاد اخفیها من نفسی" سے کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ مبالغہ فی الاخفاء کی ایک بلیغ ترین تعبیر ہے اور ان تمام حضرات کے نزدیک آیت کا مفہوم یہی ہے کہ:

حق تعالیٰ قیامت کی گھڑی کو بہت زیادہ مخفی رکھنا چاہتا ہے، یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی اس کو پوشیدہ رکھتا، پھر بھلا کسی دوسرے کو تو کیوں اس کا علم دینے لگا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں اور وہ بھی بجائے خود ہیں۔ مگر چونکہ شہرت اور قوت کے لحاظ سے وہ اس پائے کے نہیں، اس لئے یہاں ہم

صرف اجمالاً ان کا ذکر کرتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک قول یہ ہے کہ "اکاد" ارید کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ اس کو پوشیدہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور کسی کو بتلانا نہیں چاہتا۔

اخفش نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (کما فی المعالم صفحہ ۲۱۵ ج ۴۔ والمدارک صفحہ ۳۹ ج ۳) اور ابو مسلم اصفہانی کا قول بھی یہی ہے۔ (کما فی السراج المنیر صفحہ ۴۵۲ ج ۲ والکبیر صفحہ ۱۵ ج ۶) اور بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے (بیضاوی صفحہ ۳۲ ج ۲) اور علامہ معین بن صفی نے بھی اس قول کو بطور احتمال کے نقل کیا ہے۔ (جامع البیان صفحہ ۲۵۹)

اور حضرت حسن بصری سے نقل کیا جاتا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

ان اکاد من اللہ واجب فمعنی قولہ تعالیٰ اکاد اخفیہا ای انا اخفیہا عن الخلق۔ (سراج منیر صفحہ ۴۵۲ وکبیر صفحہ ۱۵ ج ۶)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کی بنا پر بھی آیت کا مفاد یہی ہوگا کہ قیامت کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے مخفی رکھا ہے۔

بعض مفسرین نے "اکاد" کو صلہ مانا ہے۔ ان کے نزدیک بھی آیت کا مفاد یہی ہے (حکاہ البغوی فی المعالم صفحہ ۲۱۵ والنسفی فی المدارک صفحہ ۳۹ والخطیب الشربینی فی سراج المنیر صفحہ ۴۵۲ والفخر الرازی فی الکبیر صفحہ ۱۵ من غیر ان یعزوہ الی شخص معین۔

نیز ایک تفسیر اس آیت کی یہ بھی کی گئی ہے۔ (اکاد اخفیہا) ای اقرب ان اخفیہا فلا اقول ہی اٰتیۃ لفرط ارادتی استتارہا (حکاہ البیضاوی فی تفسیرہ صفحہ ۳۲ والنسفی فی المدارک صفحہ ۳۹ والمعین بن صفی فی جامع البیان صفحہ ۲۵۹) اس تفسیر کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کہ میں قیامت کو اس قدر راز میں رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مصالح کا اقتضا نہ ہوتا تو میں اس کے آنے کی بھی خبر نہ دیتا۔

اور "اکاد اخفیہا" کی ایک تفسیر "اکاد اظہرھا" سے بھی کی گئی ہے (ملاحظہ البیضاوی صفحہ ج ۲ و الرازی صفحہ ج ۶ و الحسین بن صفی صفحہ ۲۵۹) اور اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ "قیامت قریب آنے والی ہے۔ میں عنقریب ہی اس کو ظاہر کروں گا۔ یعنی وہ جلد ہی آ جائے گی" اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ دوسرے موقعہ پر فرمایا گیا ہے۔ "اقتربت الساعۃ" "قیامت قریب آ گئی" یا فرمایا گیا ہے۔ "اقترب للناس حسابہم" "لوگوں کے حساب کتاب کا وقت قریب آ گیا۔"

مگر یہ آخری تفسیر بہت ہی مرجوح ہے۔ کیونکہ اخفاء کے معروف معنی پوشیدہ رکھنے کے ہی ہیں۔ اور اظہار کے معنی میں اس کا استعمال محاورات عرب سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ پس یہ آخری قول نہایت کمزور بلکہ بقول امام ابن جریر طبری بالکل ہی بے بنیاد ہے۔ مگر تاہم ہمارے مدعا کے مخالف نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہے۔

لیکن بہر حال سب سے پہلی اس تفسیر کی بنا پر جو اکابر صحابہ و تابعین و آئمہ مفسرین کی اختیار کردہ ہے اور اس کے بعد والی چاروں تفسیروں کی رو سے آیت کا مفاد یہی ہے کہ۔

حق تعالیٰ قیامت کی خاص گھڑی کا علم اپنے سوا کسی کو ہرگز نہیں دینا چاہتا اور نہ دے گا۔

پس اس آیت میں نہ ذاتی اور عطائی کی تاویل ہی چل سکتی ہے۔ اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد قیامت کے وقت کا علم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا تھا۔ بلکہ ایسا کہنا اس آیت کریمہ کی تکذیب ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ و من ذالک۔

ملاحظہ ۔۔۔ پر ملاحظہ فرمایئے۔

بقیہ شرح صفحہ نمبر ۴۹ :- سے علی ان الهمزۃ للسلب ۱۲۔

سے ۔ اس موقعہ پر امام موصوف کا کلام یہ ہے۔

ان المعروف من معنی الاخفاء فی کلام العرب الستر یقال

قد اخفیت الشیٔ اذا سترته وان الذین وجهوا معنا ٥

الی الاظهار اعتمدوا علی بیت لامرء القیس ابن عابد الکندی

حدثت عن معمر بن المثنی انه قال انشدنیه ابو الخطاب

عن اهله فی بلده - فان تدفنوا الداء لا تخفه - وان

تبعثوا الحرب لا نقعد - بضم النون من لا تخفه و

معناه تظهره فکان اعتماده فی توجیه الاخفاء

الی الاظهار علی ما ذکر ومن سماعه هذا البیت علی ما

وصفت من ضم النون من تخفه وقد انشدنی

الثقة عن الفراء - فان تدفنوا الداء لا تخفه - بفتح

النون من تخفه خفیة اخفیه وهو اولی بالصواب

لانه المعروف من کلام العرب انتهی بقدر الحاجة۔

تفسیر طبری ص ۹۹ ج ۹ - ۱۲

آیت (۲)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ فارسی زبان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

سوال مے کنند ترا از قیامت کہ کے باشد استقرار او بگو جز ایں نیست کہ علم قیامت نزدیک پروردگار من است۔ پدید نیارد او را وقت او مگر خدا۔ گراں شدہ است در آسمانہا و زمین نیاید بشما مگر ناگہاں سوال مے کنند ترا از قیامت گویا تو کاوش کنندہ از آں۔ بگو جز ایں نیست کہ دانش او نزدیک خدا است ولیکن بیشتر مردماں نمی دانند۔ (فتح الرحمٰن ترجمہ قرآن از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کس وقت ہے تو کہہ اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی کے پاس۔ وہی کھول دکھاوے گا اس کو اس کے وقت۔ بھاری بات ہے آسمان و زمین میں۔ تم پر آوے گی تو بے خبر آوے گی۔ تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اس کی تلاش میں ہے۔ تو کہہ اس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس۔ لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

(ترجمہ از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

درمنثور میں بحوالہ ابن اسحاق و ابن جریر و ابو الشیخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعض یہود (حمل بن ابی قشیر و سموئل بن زید) نے ازراہِ شرارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز اسی درمنثور میں بحوالہ ابن جریر حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ یہی سوال قریش مکہ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (درمنثور ص۱۵۰ ج۳)

بہرحال سوال خواہ کسی کی جانب سے ہو۔ لیکن اتنا متفق علیہ ہے کہ قیامت کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ وہ کب آئے گی۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں بصراحت و وضاحت اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ اور بس اسی کو معلوم ہے کہ قیامت کب ہوگی۔

اگرچہ اس آیت سے یہ مضمون اور اس سے ہمارے مدعا کا ثبوت بالکل ظاہر ہے اور کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں۔ مگر چونکہ ہم یہ التزام کر چکے ہیں کہ آیات کی تفسیر میں ہم صرف اسلاف مفسرین کے ارشادات ہی پیش کریں گے۔ اس لئے یہاں بھی ہم انہیں کے کلمات نقل کرتے ہیں۔

امام الحدیث والتفسیر ابن جریر طبری اسی آیت کے ذیل میں حبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

قال ابن عباس لما سأل الناس	کہ جب لوگوں نے حضور سے قیامت کے
محمدا عن الساعة سألوه	متعلق سوال کیا تو اس طرح سوال کیا
سؤال قوم كانهم يرون	گویا کہ حضور ان کے ساتھ بہت مہربان
ان محمدا صلى الله عليه وسلم	ہیں۔ پس خدا کی طرف سے آپ پر وحی ہوئی
حفي بهم فاوحى اليه انما	کہ قیامت کا علم بس خدا ہی کو ہے اس نے

علمها عنده فاستأثر بعلمها فلم يطلع عليها ملكا ولا رسولا۔

اپنے ہی لئے اس کے علم کو خاص کر لیا ہے پس اسی واسطے نہ کسی فرشتے کو اس کی اطلاع دی ہے نہ کسی رسول کو۔

تفسیر ابن جریر ص ج ۹

واخرجه ایضا ابن اسحاق و ابو الشیخ کما فی الدر المنثور ص ۱۳ ج ۳ وذکره ایضا الامام علی بن محمد الخازن ص ۲۵۰ ج ۲

اور یہی امام ابن جریر اسی آیت کے ذیل میں اپنی سند سے حضرت قتادہ تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ۔

قال (انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو) یقول علمها عند الله هو یجلیها لوقتها لا یعلم ذالک الا الله (تفسیر ابن جریر ص ۹۴ ج ۹)

(انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو) کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(واخرجه ایضا ابن ابی حاتم کما فی الدر المنثور ص ۱۵۰ ج ۳)

نیز یہی امام موصوف اسی آیت کے ذیل میں امام تفسیر سدی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ۔

(قوله تعالی ثقلت فی السموات والارض) یقول خفیت فی السموات والارض فلم یعلم قیامها حتی تقوم ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۹)

اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ ثقلت فی السموات والارض۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت زمین و آسمان میں مخفی ہے (یعنی نہ اس کو زمینی مخلوق جانے نہ آسمانی) اسی لئے ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین میں سے بھی کسی کو اس کی خبر نہیں۔

واخرجه ابو الشیخ ایضا کما فی الدر المنثور ص ۱۵۰ ج ۳ و ذکره الرازی ایضا فی الکبیر ص ۳۳۱ ج ۴

تحقیق رسی ہو، تابعین کے ان تفسیری کلمات کے بعد دیگر ائمہ مفسرین کی تصریحات بھی ملاحظہ ہوں۔ امام ابوجعفر ابن جریر طبری اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما قوله قل انما علمها عند ربي لا يجليها لوقتها الا هو فانه امر من الله تعالى نبيه محمدا ان يجيب سائليه عن الساعة بانه لا يعلم وقت قيامها الا الله الذي يعلم الغيب وانه لا يظهرها لوقتها ولا يعلمها غيره جل ذكره۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ آپ سے قیامت کے وقت کا سوال کرنے والے ہیں، اُن کو آپ یہ جواب دیں کہ اس کے وقت وقوع کا علم خدا عالم الغیب کے سوا کسی کو نہیں اور وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، دوسروں کو اس کی کچھ خبر نہیں۔

پھر آیت کریمہ کے آخری حصہ کی تفسیر فرماتے ہوئے اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اسی مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہیں کہ۔

اما قوله قل انما علمها عند الله فان معناه قل يا محمد لسائليك عن وقت الساعة وحين مجيئها لا علم لي بذلك ولا يعلم به الا الله الذي يعلم غيب السموات والارض ولكن اكثر الناس لا يعلمون ان ذلك لا يعلمه الا الله بل يحسبون ان علم ذلك يوجد عند بعض خلقه۔

حق تعالیٰ کے اس فرمان "قل انما علمها عند الله" کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ وقت قیامت کے متعلق سوال کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ مجھ کو اس کا علم نہیں اور اس کو اس خدائے علیم و خبیر کے سوا کوئی نہیں جانتا جو زمین و آسمان کے تمام غیوب کو جانتا ہے لیکن بہت سے لوگ اس بات سے ناواقف ہیں اس کا علم صرف خدا ہی کو ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اس کا علم

تفسیر ابن کثیر صفحہ ۹۰ — بعض مخلوق کو بھی قیامت کے وقت خاص کی خبر ہے۔

یہ جاہل اور نادان جماعت جو نزول قرآن کے وقت کفار قریش یا یہود میں تھی۔ بدقسمتی سے آج تو دنیائے اسلام میں موجود ہے اور وہ صرف گمان بلکہ یقین رکھتی ہے کہ اللہ کی بعض مخلوقات کو بھی قیامت کا علم ہے۔ اور جو مسلمان ان کی اس جہالت میں شریک اور اس ضلالت میں ہمنوا نہیں اس کو وہ کافر اور بے دین سمجھتی ہے۔ فیا للعجب۔

عماد المفسرین امام المحدثین حافظ ابن کثیر دمشقی اس آیت کریمہ کی تفسیر احادیث و آثار سے فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اور کس قدر زور سے فرماتے ہیں کہ۔

فهذا النبي الامي سيد الرسل	پس یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم
وخاتمهم صلوات الله عليه	النبیین ہیں جو نبی الرحمۃ نبی التوبہ اور نبی
وسلامه نبي الرحمة ونبي	الملحمۃ ہیں اور جو تمام کے سب سے آخری
التوبة ونبي الملحمة والعاقب	اور پچھلے نبی ہیں۔ جن کے قدموں پر لوگوں
والمقفي والحاشر الذي يحشر	کا حشر ہوگا وہ باوجود ان خصائص اور
الناس على قدميه مع قوله	فضائل عظیمہ کے اور باوجود اس قرب
فيما ثبت عنه في الصحيح	قیامت کے کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں
من حديث انس وسهل بن	کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں
سعد رضي الله عنهما بعثت	جیسے کہ یہ انگشت شہادت اور اس کے
انا والساعة كهاتين وقرن	قریب والی انگلی جیسا کہ صحیح بخاری
بين اصبعيه السبابة والتي	وغیرہ میں حضرت انس و سہل بن سعد سے
تليها ومع هذا قد امره الله ان يرد	مروی ہے بایں ہمہ حق تعالیٰ آپ
علم وقت الساعة اليه	کو حکم دیتا ہے کہ قیامت کے وقت کے
اذا سئل عنها فقال قل انما	بارے میں جب آپ سے سوال کیا جائے

علمها عند الله ولكن	تو بہتر آپ اس کو خدا ہی کے حوالے کریں
اکثر الناس لا یعلمون ۔	جب نے فرمایا ۔ قل انما علمها عند الله ولکن
(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۷۰ جلد ۲)	اکثر الناس لا یعلمون ۔

اور علامہ علی بن محمد خازن مذکورہ بالا شان نزول نقل فرمانے کے بعد آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں ۔

(یسئلونک عن الساعۃ) ای عن	لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال
خبر القیامۃ (ایان مرسٰها)	کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی ۔ اے محمد
ای متی وقوعها (قل) ای	صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے
قل لهم یا محمد (انما	کہ اس کا علم بس میرے پروردگار کے پاس
علمها عند ربی) ای لا یعلم	ہے ۔ یعنی اس کے وقت خاص کو سوائے
الوقت الذی تقوم فیه	خدا کے کوئی نہیں جانتا خدا نے اس کے
الا الله استاثر الله بعلمها فلم	علم کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے ۔ اسی
یطلع علیه احدا (لا یجلیها	لئے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے
لوقتها الا هو ثقلت فی	بس خدا ہی بروقت اس پردہ کو ہٹائے گا
السموٰت والارض) یعنی ثقل	(یعنی جب اس کا وقت آئے گا اس کو ظاہر
امرها وخفی علمها علی اهل	کرے گا) وہ بھاری ہے ۔ آسمانوں میں
السموٰت والارض ۔ فکل	اور زمین میں یعنی اس کا معاملہ گراں ہے ۔
شئ خفی فهو ثقیل وشدید ۔	اور اس کا علم مخفی ہے آسمان و زمین کی
(لا تاتیکم الا بغتة) یعنی	تمام مخلوقات سے (اور ہر مخفی چیز گراں
فجاءة علی حین غفلة من	اور سخت ہوتی ہے) وہ قیامت تم پر
الخلق (یسئلونک کانک	اچانک یعنی بے خبری کی حالت میں آ جائے گی ۔
حفی عنها) قل یعنی یا محمد	یہ لوگ آپ سے قیامت کا اس طرح
(انما علمها عند الله) یعنی	سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ ان کے ساتھ

استأثر الله بعلمها فلا يعلم متى الساعة إلا الله عز وجل (ولكن أكثر الناس لا يعلمون) يعني لا يعلمون أن علمها عند الله وأنه استأثر بعلم ذلك حتى لا يسئلوا عنه۔

(تفسیر خازن ص۱۲۸ ج۲)

بڑے مہربان ہیں۔ اے محمدؐ آپ اُن سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے یعنی اللہ نے اس کے علم کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے پس اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کب آئے گی۔ ولیکن بہت سے لوگ اس سے ناواقف ہیں یعنی وہ نہیں جانتے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے اور اس نے اپنے ہی لئے اس کو خاص کر لیا ہے۔ تاکہ وہ اس کے متعلق سوال نہ کریں۔

اور یہی قریب قریب امام بغوی نے معالم التنزیل میں ارقام فرمایا ہے (تفسیر معالم التنزیل ص۲۲۵ ج۲) اور خطیب شربینی شانِ نزول ذکر فرمانے کے بعد آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

يسئلونك عن الساعة أيان مرساها (قل) يا محمد (إنما علمها عند ربي) أي لا يعلم الوقت الذي تقوم فيه الساعة إلا الله تعالى استأثر الله تعالى بعلمها فلم يطلع عليه أحدا من خلقه ولهذا لما سأل جبرئيل عليه السلام رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال متى الساعة فقال عليه الصلوة

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ اے محمدؐ۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے پروردگار کے پاس ہے یعنی اس کے سوا کوئی اس وقت مخصوص کو نہیں جانتا جس میں قیامت آئے گی اس نے اپنے ہی لئے اس کو خاص کر رکھا ہے۔ اسی لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بتلائیے قیامت کب ہوگی۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ

والسلام ما المسئول عنها باعلم من السائل۔ (تفسیر سراج منیر صـ۳۴۳ ج ۱)

اس بارے میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں ورنہ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ ضرور بتلا دیتے اور جس طرح کہ اسی مجلس کے باقی سوالات کا آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو صاف صاف جواب دے دیا تھا اس سوال کا بھی صاف جواب دے دیتے کہ فلاں وقت ہوگی۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ماقبل سے ربط اور شان نزول بیان فرمانے کے بعد آیت کریمہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی ای لا یعلم الوقت الذی فیہ یحصل قیام القیٰمۃ الا اللہ سبحانہ ونظیرہ قولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وقولہ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا ولما سأل جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال متی الساعۃ؟ فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ما المسئول عنھا بعلم من السائل

(تفسیر کبیر صـ۳۲۹ ج ۴)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ان سے فرما دیجئے۔ کہ جس خاص گھڑی میں قیامت قائم ہوگی۔ اس کا علم حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور اسی کی مثل ان آیات کا مضمون ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا۔ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا۔ اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کے متعلق میرا علم تم سے زیادہ نہیں ہے۔

اور علامہ نسفی حنفی اپنی مختصر مگر معتبر تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عربی	اردو
(یسئلونك عن الساعة ایان	یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت
مرسٰها قل انما علمها عند	کا یعنی اس کے وقوع کے وقت کا۔ آپ
ربی) ای علم وقت ارسائها	کہہ دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس
عنده قد استاثر به لم	ہے اس کو اس نے اپنے ہی لئے خاص کر
یخبر به احدا من ملك	لیا ہے۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو اس کی
مقرب ونبی مرسل لیکون	اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو تاکہ
ذالك ادعی الی الطاعة و	یہ چیز طاعت کے لئے زیادہ داعی اور
ازجر عن المعصیة کما اخفی	معصیات سے زیادہ مانع ہے جیسا کہ اسی
الاجل الخاص وهو وقت	مصلحت سے خدا نے ہر شخص کی موت کے
الموت لذالك (لایجلیها	وقت کو بھی مخفی رکھا ہے تاکہ ہر وقت وہ
لوقتها الا هو) لایظهر امرها	ڈرتا رہے اور کسی وقت بے خوف و خطر
ولایکشف خفاء علمها الا هو	نہ ہو۔ بہرحال قیامت کا علم بس خدا ہی
وحده (ثقلت فی السموٰت	کو ہے کوئی نہیں ظاہر کرے گا اس کے معاملہ
والارض) ای کل من اهلها	کو اور نہیں کھولے گا اس کے خفا کو بجز
من الملائکة والثقلین	وہی خدا بھاری ہے وہ آسمانوں میں اور
اهمه شان الساعة ویتمنی	زمین میں یعنی قیامت کے معاملے نے زمین
ان یتجلی له علمها ویشق	و آسمان کی تمام مخلوق یعنی ملائکہ اور جن وانس
علیه خفاؤها وثقل علیه او	غرض سب ہی کو حیرت سے متفکر کر رکھا ہے۔
ثقلت فیها لان اهلها یخافون	اور ہر ایک اس کا متمنی ہے کہ کسی طرح اس
شدائدها واهوالها (لا	کو اس کا وقت معلوم ہو جائے اور اس کا مخفی
تاتیکم الا بغتة یسئلونك	رہنا ہر ایک پر شاق اور گراں ہے یا یہ کہ
کانك حفی عنها) کانك عالم	وہ قیامت خود ہی بھاری ہے زمین و آسمان

بها بعد تعين انما علمها
عند الله ولكن
اكثر الناس لا يعلمون ؎
انه المختص بالعلم بها۔
(تفسير مدارک التنزيل ص ۴۲ ج ۲)

میں اس لئے کائنات سماوی و ارضی اس کی
مخفیوں اور ہولناکیوں سے خائف ہے۔ وہ
قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے
گی۔ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں
اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ نے اس
کو معلوم ہی کر لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے
ولیکن بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اس کے علم کے ساتھ خدا ہی
مختص ہے۔

اور قاضی بیضاویؒ اپنی تفسیر انوار التنزیل میں فرماتے ہیں۔

يسئلونك عن الساعة ايان
مرسٰها متٰى ارساؤها
قل انما علمها عند ربي
استأثر به لم يطلع
عليه ملكا مقربا ولا نبيا
مرسلا۔ لا يجليها لوقتها
الا هو۔ المعنى ان الخفاء
بها مستمر على غيره الى
وقت وقوعها۔ ثقلت في
السمٰوٰت والارض عظمت
على اهلها كانه اشارة الى
الحكمة في اخفائها۔
لا تاتيكم الا بغتة يسئلونك
كانك حفي عنها۔ عالم بها

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال
کرتے ہیں کہ کب اس کا وقوع ہوگا۔ آپ
فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے رب ہی کو
ہے اس نے اس کو اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے
نہ کسی مقرب فرشتے کو اس کی اطلاع دی ہے
نہ کسی نبی مرسل کو وہی اس کو اس کے وقت
پر ظاہر کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
اللہ کے سوا دوسروں پر اس کا پوشیدہ
رہنا اس کے آنے کے وقت تک مستمر ہے
کہ وہ آسمانوں اور زمین پر گراں ہے یعنی زمین
و آسمان کی ساری کائنات پر وہ بہت بھاری
اور شاق ہے۔ شاید اس کے اخفا کی
حکمت (مذکورہ بالا) کی طرف اشارہ ہے
بہرحال وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئیگی۔

قل انما علمها عند الله و لکن اکثر الناس لا یعلمون انه العالم بها او انه المختص بالعلم بها۔

تفسیر بیضاوی ص [illegible]

یہ لوگ آپ سے اس کے متعلق ایسے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس سے خبردار ہو چکے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ صرف خدا ہی اس کا جاننے والا ہے اور وہ اسی کے ساتھ خاص ہے۔

اور تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔

یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها یظهرها لوقتها اللام بمعنی فی (الا هو ثقلت) عظمت (فی السمٰوٰت والارض) علی اهلها لهولها (لا تاتیکم الا بغتة) یسئلونک کانک حفی مبالغ فی السوال عنها حتی علمتها (قل انما علمها عند الله) تاکید ولکن اکثر الناس لا یعلمون ان علمها عنده تعالیٰ۔

(جلالین ص [illegible])

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس میرے رب ہی کو ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔ بھاری ہے وہ آسمانوں اور زمین میں یعنی قیامت اپنی ہولناکی کی وجہ سے اہل ارض وسما پر بہت شاق ہے اور وہ تم پر اچانک اور بے خبری ہی میں آئے گی وہ لوگ آپ سے ایسے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کے بہت ہی متلاشی ہیں اور آپ نے تحقیق و تفتیش کر کے گویا اس کو معلوم ہی کر لیا ہے آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے (مضمون سابق کی تاکید مزید ہے) لیکن بہت سے ناآشنایان حقیقت اس بات کو نہیں جانتے کہ قیامت کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔

اور علامہ معین بن صفی اسی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

(یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها) متی یکون وقوع وقت اثباتها (قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو) ای لا یظهر امرها فی وقتها الا هو ای الخفاء به مستمر الی وقت الوقوع (ثقلت فی السمٰوٰت والارض. لا تاتیکم الا بغتة. یسئلونك كانك حفی عنها) عالم بها من حفی عن الشئ بالغ فی السؤال عنه والمبالغة فی السؤال مستلزمة للعلم اطلق الحفی واريد العالم او كانك بالغت فی السؤال عنها حتی علمتها او عنها متعلق بیسئلونك ای یسئلونك عنها كانك شفیق بهم من الحفاوة بمعنی الشفقة فان قریشا قالوا یا محمد بیننا وبینك قرابة فاسر الینا متی الساعة و

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب اس کا وقوع ہوگا۔ یعنی کس وقت وہ قائم کی جائے گی آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم میرے پروردگار ہی کو ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر خود ہی۔ یعنی قیامت کے وقت خاص کی پوشیدگی اس کے آنے تک مستمر رہے گی۔ وہ بھاری ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہ تم پر اچانک ہی آئے گی یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اس طرح کہ گویا آپ اس کا یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم رکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کا اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ چنانچہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ کہ ہم آپ کے عزیز قریب ہیں لہٰذا ہم کو تو بتلا دیجئے کہ قیامت کب آئے گی۔ بہرحال آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ کسی دوسرے کو اس کی کچھ اطلاع ہی نہیں۔

كانه خفي موقع الحال اي
مشتبها لانه بحال الخفي
(قل انما علمها عند الله) لا
يعلم عليه احد كرر تاكيدا
(ولكن اكثر الناس لا يعلمون)
ان علمها مختص بالله تعالى۔

مزید تاکید کے لئے اس جواب کو
مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بہت
سے لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم
بس خدا ہی سے مختص ہے۔
(ملخصاً)
(تفسیر جامع البیان صـ۱۴۳)

اور علامہ ابو السعودؒ (قل انما علمها عند ربی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

معنى كونه عنده تعالى
خاصة انه تعالى قد
استاثر به بحيث لم يخبر
به احدا من ملك مقرب
ونبي مرسل (صـ۵۲۲ ج ۲)

علم قیامت کے صرف خدا ہی کے پاس
ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے
ہی واسطے اس کو خاص کر رکھا ہے اس
طور پر کہ کسی ملک مقرب اور نبی مرسل
کو بھی اس کی خبر نہیں دی ہے۔

پھر (لا یجلیها لوقتها الا هو) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ۔

لا يكشف عنها ولا يظهر امرها الذي
تسئلونني عنه الا هو بالذات
من غير ان يشعر به احد من
المخلوقين فيتوسط في
اظهارها لهم لكن لا بان
يخبرهم بوقتها قبل مجيئها
كما هو المسئول بل بان يقيمها
فيشاهدوها عيانا كما يفصح
عنه التجلية المنبئة عن
الكشف التام المزيل للابهام

حق تعالیٰ بذاتِ خود قیامت کے معاملہ کو
ظاہر کریگا۔ اس طرح پر کہ جب اس کا
وقت مقرر آجائے گا تو اس کو قائم کر کے
مشاہدہ کرادے گا تو اسی وقت مخلوقات کو
معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہی وقت موعود ہے
ایسا نہیں ہو گا کہ اس کے قائم ہونے سے
پہلے حق تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو اس
کی اطلاع دے دیں اور پھر وہ دوسروں کو
بتلا دے جیسا کہ ان سوال کرنے والوں کا
مقصد تھا) بہر حال عام مخلوق کو قیامت کے وقت

بالحکمۃ، وقولہ لوقتہا قید للتجلیۃ بعد ورود الاستثناء علیہ لا قبلہ کانہ قیل لا یجلیہا الا ہو فی وقتہا لا انہ قدم علی الاستثنا للتنبیہ من اول الامر علی ان تجلیتہا لیست بطریق الاخبار بوقتہا بل باظہار عینہا فی وقتہا الذی یسئلون عنہ۔ (ص ۱۳۳ ج ۹)

کہ ظہور اسی وقت ہوگا جب وہ آجائے گی و یہ قید بعد استثناء ہوگا نہ بذریعہ اخبار۔ اور یہ بات لا یجلیہا کے تقدم سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ تجلیہ تکشف نہ ہو کر رہ جاتا ہے جس کے بعد کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اور یہ چیز شروع ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور لوقتہا کی تقدیم سے بھی اسی پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ یہ انکشاف بذریعہ اخبار نہیں ہوگا۔ بلکہ عین وقت پر بذریعہ مشاہدہ ہی ہوگا۔ (ملخص)

پھر آیت کے آخری حصہ یسئلونک کانک حفی عنہا الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والمعنی کانک فرح بالسؤال عنہا تحبہ ثم انک کارہ لہ لما انہ تعرض لحرم الغیب الذی استاثر اللہ عز وجل بعلمہ قل انما علمہا عند اللہ۔ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ای لا یعلمون ما ذکر من اختصاص علمہا بہ تعالی فبعضہم ینکرونہا راسا فلا یعلمون شیئا مما ذکر قطعا وبعضہم یعلمون انہا واقعۃ البتۃ ویزعمون انک واقف

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ کو اس سوال سے خوشی ہوتی ہے۔ اور گویا آپ چاہتے ہیں کہ یہ سوال کیا جائے حالانکہ آپ کو یہ سوال سخت ناگوار ہے کیونکہ یہ اللہ عز و جل کے اس غیب کے پردہ کو چھیڑنا ہے جس کو اس نے اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے آپ صاف فرما دیجئے کہ اس کا علم میرے رب ہی کو ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے یعنی ان کو اس کی خبر نہیں کہ یہ علم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے چنانچہ ان میں سے بعض جاہل تو سرے سے

علی وقتها فیسئلونک عنها لجهلهم۔ (تفسیر ابوسعود صفحہ نمبر ۳۴۳ و ۳۴۴ ج ۴)

قیامت ہی کے منکر ہیں اور بعض جاہل وہ ہیں جو یہ تو جانتے ہیں کہ قیامت آئے گی مگر اس کے ساتھ از راہ جہالت یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ آپ کو اس کے وقت خاص کا پتہ ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ سے اس کے متعلق ہی سوال کرتے ہیں۔ ملخصاً۔

افسوس اس جاہل و ناداں گروہ کی نسل آج مدعیان اسلام میں بھی موجود ہے جو صرف وہم و گمان ہی نہیں بلکہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ دعویٰ کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً قیامت کے وقت خاص کا علم تھا۔

آیت کریمہ کے متعلق صحابہ و تابعین کے ارشادات اور دیگر ائمہ مفسرین کی تصریحات ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے جس کے بعد آیت کو اپنے مدعا پر منطبق کرنے کے لیے ہم کسی تقریر کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے لیکن یہاں ارباب بصیرت کے لئے یہ چیز ضرور قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ ہم نے اس آیت کو ایک دلیل شمار کیا ہے۔ مگر فی الحقیقت اسی ایک آیت میں ہماری چند مستقل دلیلیں ہیں اور اس آیت کا ہر ہر جزء ہمارے دعوے کا روشن ثبوت ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آیت کا پہلا جزء۔ یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰها قل انما علمها عند اللہ۔ ایک مستقل دلیل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی۔ آپ فرما دیجیے۔ کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

دوسرا جزء۔ لا یجلیها لوقتها الا هو۔ ایک مستقل دلیل ہے جس کا مطلب حسب تصریحات مفسرین (علامہ ابو السعودؒ، علامہ معین بن صفیؒ، قاضی بیضاویؒ) یہ ہے کہ خدا خود ہی اس کو یعنی قیامت کو اس کے آنے کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ اور اس کے آنے سے پہلے یہ خفا مستمر رہے گا۔

علی ہذا تیسرا جزء۔ ثقلت فی السموٰت والارض۔ ایک مستقل دلیل ہے چنانچہ

اکثر مفسرین نے "ثقلت" کی تفسیر "خفیت" سے ہی کی ہے۔ کما مر سابقاً۔

اسی طرح چوتھا جزء۔ لا تاتیکم الا بغتۃ۔ بھی مستقل دلیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت اچانک ہی آئے گی۔ یعنی مخلوق کو پہلے سے اس کی اطلاع نہ ہوگی۔

ایسے ہی پانچواں جزء۔ یسئلونک کانک حفی عنہا۔ ایک مستقل دلیل ہے جب کہ حفی عنہا۔ کی تفسیر عالم بہا۔ سے کی جائے جیسے کہ بہت سے مفسرین نے کی ہے۔

اور چھٹا جزء۔ قل انما علمہا عند ربی۔ بھی ایک مستقل دلیل ہے جس میں علم قیامت کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا نہایت صفائی سے اعلان کیا گیا ہے۔

بہرحال اس ایک آیت میں چھ دفعہ مختلف انداز اور مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ کہ قیامت کے وقت کا علم حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور کسی آسمانی یا زمینی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں۔ پس اس کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ کی کسی مخلوق کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کو بھی قیامت کے وقت خاص کا علم ہے۔ تو یقیناً وہ قرآن سے جنگ اور حق جل جلالہ سے بغاوت کرتے ہیں۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

آیت (۳)

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۔ سورہ احزاب ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔

سوال مے کنند مردماں از قیامت ۔ بگو جز ایں نیست کہ معرفت آں نزدیک خدا است وچہ چیز خبر داد ترا ۔ شاید کہ قیامت موجود شود در زمانِ نزدیک (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا ہے ۔

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو ۔ تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو ۔ (انتہیٰ الترجمہ)

چونکہ اس آیت کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی آیت کا ہے اس لئے اس کے متعلق حضرات مفسرین کی عبارات نقل کرتے ہیں ہم زیادہ اختصار سے کام لیں گے ۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں ۔

يقول تعالى مخبرا لرسوله صلوات الله وسلامه عليه انه لا علم له بالساعة وان سأله الناس عن ذلك و ارشده ان يرد علمها الى الله عز وجل كما قال تعالى في سورة الاعراف وهي مكية و

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو بتلایا ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں ہے ۔ اگرچہ لوگ پوچھا کریں اور آپ کو ہدایت کی ہے کہ اس کے علم کو خدا ہی کے سپرد کریں جیسا کہ سورۂ اعراف (کی مذکورہ بالا آیت) میں بھی یہی حکم دیا ہے اور وہ آیت مکی ہے

هذه الحديثة فاستتر الصانع في رد علمها إلى الذي يقيمها لكن أخبر أنها قريبة بقوله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۵ ج ۸)

اور یہ معنی ہے۔ پس علم قیامت کو اس کے قائم کرنے والے ہی کے حوالے کرنا مستتر رہا۔ البتہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا۔ فرما کر آپ کو یہ بتلا دیا گیا کہ فی الجملہ وہ قریب ہی ہے۔

اور امام علی بن محمد خازن تفسیر "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں۔

ان المشركين كانوا يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت قيام الساعة استهزاء على سبيل الهزء وكان اليهود يسألونه امتحانا لأن الله عمى عليهم علم وقتها في التوراة فأمر الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم أن يجيبهم بقوله (قل إنما علمها عند الله) يعني أن الله تعالى قد استأثر به ولم يطلع عليه نبيا ولا ملكا۔

(تفسیر خازن ص ۲۲۳ ج ۵)

مشرکین تو ازراہ تمسخر عجلت خواہی کے طور پر قیامت کے وقت کے متعلق حضور سے سوال کرتے تھے اور یہودی امتحان کے طور پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں قیامت کے علم کو پوشیدہ رکھا تھا۔ پس اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سب کو جواب دیں کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے۔ یعنی اس نے اپنے ہی لئے اس کو خاص کر لیا ہے۔ اور کسی نبی یا فرشتے کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

اور امام محی الدین بغوی "معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(یسئلک الناس عن الساعة قل انما علمها عند الله وما یدریک) ای ای شیئ یعلمک امر الساعة ومتی یکون قیامها ای انت لا تعرفه۔ (معالم برحاشیہ خازن ص۲۲۸ ج۵)

لوگ آپ سے قیامت کی بابت سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے۔ اور کس نے آپ کو بتایا ہے۔ یعنی کس نے آپ کو قیامت کے معاملہ کی خبر دی ہے کہ وہ کب واقع ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے کیونکہ آپ کو بتلایا ہی نہیں گیا ہے۔

اور خطیب شربینی کی تفسیر "سراج منیر" میں بھی اسی موقع پر یہی الفاظ ہیں۔

(سراج منیر ص۲۴۲ ج۳)

اور امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لا یتبین لکم فان الله اخفاها لحکمة۔ (تفسیر کبیر ص۵۳۶ ج۶)

آپ فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے تم کو اس کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص حکمت کی وجہ سے مخفی رکھا ہے۔

اور قاضی بیضاوی "انوار التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لم یطلع علیها ملکا ولا نبیا۔ (بیضاوی ص۱۵۱ ج۲)

آپ فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم بس خدا ہی کو ہے اس نے نہ کسی فرشتے کو اس کی اطلاع دی ہے نہ کسی نبی کو۔

اور علامہ معین بن صفیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند الله) لم یطلع علیه احد۔ (جامع البیان ص۳۵۹)

آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے۔ اس نے کسی کو اس کی خبر نہیں دی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل انما علمها عند اللہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا) انت لا تعلمہا۔	آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ اور آپ اس کو کیونکر جانیں یعنی آپ اس کو نہیں جانتے۔

(جلالین ص۳۵۸)

اور علامہ ابوالسعودؒ۔ قل انما علمہا عند اللہ۔ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

یعنی ان اللہ تعالیٰ قد استاثر بہ ولم یطلع علیہ نبیا ولا ملکا۔	یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا علم قیامت کو اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے اور کسی فرشتے اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

(تفسیر ابوالسعود ص۲۵۲ ج ۲)

اور یعنی یہی الفاظ اس موقع پر علامہ نسفیؒ کے ہیں۔ تفسیر مدارک ص۲۴ ج ۲۔

نیز۔ ان ہر دو مفسرین (علامہ ابوالسعود و علامہ نسفیؒ) نے اس موقع پر یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن عزیز سے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں بھی علم قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔

مگر معلوم اہل بدعت پر اب کون سی وحی نازل ہوئی ہے جس نے ان کو بتلایا کہ یہ علم حق تعالیٰ نے دوسروں کو بھی عطا فرمایا ہے۔

ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ۔

آیت (۴)

ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین۔ قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین۔ سورۂ ملک ع ۲

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

می گویند کافران کے باشد ایں وعدہ اگر راست گوئید۔ بگو جز ایں نیست کہ علم نزدیک خدا ست و جز ایں نیست کہ من بیم کنندہ آشکارم

(فتح الرحمٰن از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ اسی آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔

(از امام التراجم از حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ)

اس آیت سے پہلی آیت میں حشر نشر (قیامت) کا ذکر ہے اسی کے متعلق کافروں کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ یہ قیامت جس کا بار بار ہم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ بتلایا جائے کہ کب آئے گی۔ حسب سابق یہاں بھی اسی کا یہی جواب دیا گیا کہ اس کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے۔ اگرچہ آیت کا مضمون بجائے خود واضح ہے مگر ہم اپنے التزام کے بموجب چند ائمہ مفسرین کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔

عمدۃ المفسرین حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

(قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین) ای لا یعلم وقت ذالک علی التعیین الا اللہ عز وجل لکنہ امرنی ان اخبرکم ان ھذا کائن و واقع لا محالۃ فاحذروہ۔

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۰۵)

اور آپ فرما دیجئے کہ اس (وعدۂ قیامت) کا علم خدا ہی کے پاس ہے اور میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں اس کے معین اور مقررہ وقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس قیامت کی خبر دے دوں کہ وہ ضرور آنے والی ہے لہٰذا اس سے ڈرتے رہو۔

اور علامہ حسین ابن مسعود فرماتے ہیں۔

(قل انما العلم) ای علم وقت | آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم یعنی حشر کے وقت

الحشر) عند الله لا يعلمه الا هو۔

خاص کا علم بس خدا ہی کو ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

جامع البیان ص۴۶۳

اور علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں

(قل انما العلم عند الله) ای العلم بوقت مجیء الساعة عنده عز وجل لا یطلع علیه غیره۔
(تفسیر ابو السعود ص۳۰۲ ج۸)

آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے یعنی قیامت کے آنے کے وقت خاص کا علم بس اللہ عزوجل ہی کو ہے اس کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں۔

اور بعینہ یہی الفاظ اس موقع پر قاضی بیضاوی کے ہیں۔ تفسیر بیضاوی ص۴۲۴ ج۲۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المراد ان العلم بالوقوع غیر العلم بوقت الوقوع فالعلم الاول حاصل عندی وهو کاف فی الانذار والتحذیر اما العلم الثانی فلیس الا لله ولا حاجة فی کونی نذیرا مبینا الیه۔
(تفسیر کبیر ص۱۸۱ ج۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے نفس وقوع کا علم اور چیز ہے اور اس کے وقت خاص کا علم علیحدہ چیز ہے پس پہلا علم یعنی اتنا علم کہ قیامت ضرور ایک دن آئے گی۔ یہ تو مجھ کو حاصل ہے اور انذار و تخویف کیلئے وہی کافی ہے اور دوسرا علم یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے اور میرے نذیر مبین ہونے کیلئے اس کی ضرورت بھی نہیں۔

آیت (۵)

يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ . قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (پ ۱۱ یونس ع ۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

و میگویند کے باشد این وعدہ اگر ہستید راست گو۔ بگو نمی توانم برائے خود زیانے ونہ سودے مگر آنچہ خواستہ است خدا۔ (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے۔

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے بُرے کا نہ بھلے کا، مگر جو چاہے اللہ۔ (موضح القرآن)

یہاں بھی قیامت کے وقت خاص کے متعلق سوال ہوا تھا جس کے جواب میں کوئی وقت نہیں بتایا گیا۔ بلکہ مزید ترقی کر کے یہ جواب دیا گیا کہ (تم قیامت کے وقت کو پوچھتے ہو جس کا تعلق تمام مخلوق سے ہے) میں تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا وہ بھی خدا ہی کے زیر مشیت ہے۔ گویا نہایت لطیف اشارہ کر دیا گیا کہ تمہارا یہ سوال نہایت بے محل ہے اور قیامت کا علم جس اللہ ہی کو ہے اس توجیہ کے بعد سوال و جواب میں مطابقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

بہرحال اس آیت کا مآل بھی تقریباً وہی ہے جو اس سے پہلی آیت کا تھا۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والمعنى ان انزال العذاب على   مطلب یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنا
الاعداء واظهار النصر   اور دوستوں کو مدد دینا اور قیامت کے

لاف لیلاً و علمہ قیام الساعۃ لا یقدر علیہ الا اللہ فتعیین الوقت الی اللہ سبحانہ و تعالیٰ بحسب مشیئتہ ۔	قائم ہونے کا علم ان پر خدا کے سوا کوئی قادر نہیں پس وقت کی تعیین اسی کے قبضہ میں ہے ۔ موافق اس کی مشیت کے ۔

(خازن صفحہ ۱۵ ج ۳)

اور عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ۔

(قل لا املک لنفسی ضراً و لا نفعاً الا ما شاء اللہ) ای لا اقول الا ما علمنی و لا اقدر علی شیٔ مما استاثرتہ الا ان یطلعنی علیہ فانا عبدہ و رسولہ الیکم وقد اخبرتکم بمجیٔ الساعۃ وانہا کائنۃ ولم یطلعنی علی وقتہا ۔	(جواب کا مطلب یہ ہے کہ تم سے میں نہیں کہتا مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم فرمایا ہے اور جو چیزیں حق تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمائی ہیں میں ان پر قادر نہیں ہوں مگر یہ کہ وہ مجھے اس کی اطلاع دیدے ۔ میں تو اس کا بندہ ہوں ۔ اور اس کا رسول ہوں بھیجا ہوا تمہاری طرف اور میں نے تم کو قیامت کے آنے کی خبر دے دی ہے اور بالیقین وہ آنے والی ہے اور اس خدا نے مجھے اس کے وقت معین کی اطلاع نہیں دی ہے ۔
(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۹ ج ۵)	

چونکہ اس آیت کا مضمون وہی ہے جو چوتھی آیت کا تھا ۔ اس لئے اس سے زیادہ توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں ۔

آیت (۶)

وَيَقُولُونَ مَتىٰ هُوَ قُلْ عَسىٰ اَنْ يَّكُونَ قَرِيبًا ۔ سورۂ بنی اسرائیل ع ۵ ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

وخواہند گفت کے باشد آں بگو کہ شاید نزدیک باشد (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور کہیں گے کب ہے وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہوگا۔ (امام التراجم)

یہاں بھی وقتِ قیامت کے سوال کے جواب میں صرف اس کا قرب زمانی بیان فرمایا گیا کوئی خاص وقت نہیں بتلایا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے وقتِ مخصوص کا علم کسی کو دینا حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں چنانچہ امام فخرالدین رازی اسی نکتہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ونعلم انه تعالیٰ بین فی القرآن انه لا یطلع احدا من الخلق علی وقته المعین فقال ان الله عنده علم الساعة وقال انما علمها عند ربی۔ وقال ان الساعة آتیة اکاد اخفیها فلا جرم قال تعالیٰ قل عسیٰ ان یکون قریبا۔ (تفسیر کبیر صـ۴۲۹ ج ۵)

معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف طور سے بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی مخلوق میں سے کسی کو بھی قیامت کے وقت معین کی اطلاع نہیں دے گا چنانچہ فرماتا ہے کہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ اور فرماتا ہے انما علمها عند ربی اور فرماتا ہے ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیها اسی لئے فرمایا کہ شاید وہ قیامت قریب ہی ہو یعنی چونکہ اس کے وقتِ خاص کی اطلاع دینا منظور نہیں اس لئے اس کا صرف قریب ہونا ظاہر فرمایا۔

اور امام رازی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت کو خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر میں بھی نقل کیا ہے۔ (سراج منیر صفحہ ۳۱۰ ج ۲)

چونکہ یہ آیت بھی پہلی دونوں آیتوں کے ہم مضمون ہے اس لئے اس کے متعلق بھی کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

آیت (۷)

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ. (سورہ انبیاء ع ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

بگو جز ایں نیست کہ وحی فرستادہ میشود بسوئے من کہ معبود شما خدائے یکی است پس آیا گردن نہندہ ہستید پس اگر اعراض کنند پس بگو خبر دادہ ام شما را بر وجہیکہ ہمہ برابر باشد و نمیدانم کہ نزدیک ست یا دور ست آنچہ وعدہ دادہ میشوید۔ (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔

(موضح القرآن)

اس آیت سے کچھ پہلے بعث بعد الموت (قیامت) کا ذکر فرمایا گیا ہے[۱]۔ اس کے بعد حضورؐ کی شان رسالت اور آپ کا سراپا رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے[۲]۔ بعد ازاں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو توحید کامل کی دعوت دیجئے اور اگر وہ بدنصیب آپ سے روگردانی

---

۱ وهو قوله تعالى. كما بدأنا أول خلق نعيده. وعدا علينا انا كنا فاعلين۔

۲ وهو قوله تعالى. وما أرسلناك الا رحمة للعالمين۔ ۱۲

کریں تو تم ادھر پڑو کہ میں نے قیامت اور عذاب سے تم کو خبردار کر دیا ہے اور یہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ابھی قریب کب ہے یا ابھی دور ہے۔

شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ قیامت کے قریب ہونے کی خبر تو خود قرآن مجید میں متعدد جگہ دی گئی ہے[1] نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بھی اس کے قرب کی اطلاع دی ہے۔ پھر اس آیت میں قرب و بعد کے علم کی نفی کیسے کی گئی سو اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ قرب اور بعد اضافی چیزیں ہیں جن آیات و احادیث میں قیامت کا قریب ہونا بتلایا گیا ہے۔ اُن کی مُراد یہ ہے کہ آغاز دنیا سے جتنا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک گذر چکا ہے قیامت کے آنے میں اس سے کم عرصہ باقی ہے (علاوہ ازیں یہ کہ اہل عرب ہر مستقبل میں آنے والی چیز کو بھی قریب کہہ دیتے ہیں۔ ما ابعد ما فات وما اقرب ما هو آت)

اور جن نصوص میں اس کے قرب و بعد کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کے زمانہ کی صحیح مقدار معلوم نہیں بہرحال حسب تصریحات مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس آیت کریمہ میں بھی قیامت یا عذاب کے وقت معین کا معلوم نہ ہونا ہی بیان فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی المعروف بہ خازن اسی کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وان ادری اقریب ام بعید ما توعدون۔ یعنی یوم القیامۃ لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔
(خازن صفحہ ۲۶۳ ج ۴)

اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

---

[1] کما قال تعالیٰ۔ اقترب للناس حسابھم۔ وقال۔ اقتربت الساعۃ۔ وقال عسیٰ ان یکون قریبا۔ الی غیر ذالک من الآیات ۱۲۔

اور بعض مفسرین نے ۔ ما توعدون ۔ کی تفسیر میں غزوہ و قیامت کے عذاب و نیز
اور غلبۂ اہل اسلام کو بھی ذکر کیا ہے ۔

چنانچہ علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں ۔

ای لا ادری متی یکون یوم القیامۃ لان اللہ تعالیٰ لم یطلعنی علیہ ۔ او لا ادری متی یحل بکم العذاب ان لم تؤمنوا ۔	یعنی مجھے معلوم نہیں کہ کب ہوگا قیامت کا دن کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اطلاع نہیں دی ۔ یا یہ کہ مجھے خبر نہیں کہ تمہارے ایمان نہ لانے کی صورت میں کب تم پر عذاب نازل ہوگا ۔

(مدارک ص ۱۱۷ ج ۴)

اور تفسیر جلالین میں ہے ۔

(وان) ما (ادری اقریب ام بعید ما توعدون) من العذاب او القیامۃ المشتملۃ علیہ وانما یعلمہ اللہ تعالیٰ ۔ (جلالین ص ۲۷۷)	یعنی میں نہیں جانتا کہ قریب ہی ہے یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔ یعنی عذاب یا وقوع قیامت جو اس عذاب پر مشتمل ہے ۔ اور اس کی خبر بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔

اور علامہ معین بن صفی نے بھی ۔ ما توعدون ۔ کی تفسیر میں علی سبیل الترديد عذاب اور قیامت دونوں کو ذکر کیا ہے (جامع البیان ص ۲۷۷)

اور خطیب شربینی نے ان دونوں احتمالوں کے ساتھ تفسیر الثانی غلبۂ مسلمین کو بھی ذکر کیا ہے ۔ ان کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں ۔

(وان) ای وما (ادری اقریب) جدا بحیث یکون قربہ علی ما یتعارفونہ (ام بعید ما توعدون) من غلبۃ	اور میں نہیں جانتا کہ آیا زیادہ قریب ہے یعنی اتنے قریب جس کو عرف عام میں قریب کہا جاتا ہے یا دور ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی تم پر مسلمانوں کا غالب

المسلمین علیکم او عذاب
الله او القیامة المشتملة
علیه، وان ذالک کائن لا
محالة ولابد ان یلحقکم
بذالک الذلة والصغار
وان کنت لا ادری متی یکون
ذالک لان الله تعالیٰ لم
یعلمنی علمه ولم یطلعنی
علیه وانما یعلمه الله تعالیٰ۔

ہونا یا اللہ کا عذاب یا وہ قیامت جو عذاب
پر مشتمل ہوگی اور یقیناً یہ وعدہ ضرور وقوع
میں آنے والا ہے۔ اور لا محالہ تم کو اس کی وجہ
سے ذلت و خواری لاحق ہونی ہے۔ اگرچہ
میں یہ نہیں جانتا کہ کب ہوگی۔ کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ علم عطا نہیں
فرمایا اور اس کی اطلاع نہیں دی
اور اس کو بس اللہ تعالیٰ خود ہی
جانتا ہے۔

(تفسیر سراج منیر ص۳۲۲ ج۲)

اور علامہ ابوالسعود اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تفسیر میں صرف قیامت اور غلبہ مسلمین کو ذکر فرمایا ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ص۳۲۲ ج۶ و تفسیر بیضاوی ص۵۸ ج۲)

بہرحال خواہ ما توعدون کی تفسیر قیامت سے کی جائے خواہ عذاب، خواہ غلبہ مسلمین سے۔ بہر تقدیر آیت کا مفاد حصہ ثبوت واضح ہے اور چونکہ تینوں احتمالوں میں کوئی تنافی نہیں، اس لئے تینوں چیزیں ہی مراد لی جا سکتی ہیں۔ اور اگر ایک ہی احتمال پر اختصار کیا جائے تو پھر قیامت ہی مراد لی جائے گی۔ کیونکہ سیاق اسی کی تائید کر رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے کسی مفسر نے قیامت کے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور ہم نے بھی اسی واسطے آیات متعلقہ علم قیامت کے ذیل اس کو درج کیا ہے۔

آیت (۸)

قُلْ إِنْ أَدْرِیٓ أَقَرِیبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ یَجْعَلُ لَهُ رَبِّیٓ أَمَدًا (سورۃ جن ع۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمے میں فرماتے ہیں۔

بگو نمیدانم آیا نزدیک ست آنچہ وعدہ دادہ میشود شما را یا مقرر کند برائے او پروردگار من میعاد را ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے۔ یا کر دے اس کو میرا رب ایک مدت کی مدد۔ (اعلام تراجم)

چونکہ یہ آیت۔ آیت سابقہ کے بالکل ہم مضمون ہے۔ اس لئے اس کی تفسیر میں ہم صرف ایک جامع عبارت امام المفسرین حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں امام موصوف ارقام فرماتے ہیں۔

يقول تعالى آمرا رسوله صلى الله عليه وسلم ان يقول للناس انه لا علم له بوقت الساعة ولا يدري اقريب وقتها ام بعيد. قل ان ادري اقريب ما توعدون ام يجعل له ربي امدا اي مدة طويلة. وقد كان صلى الله عليه وسلم يسئل عن وقت الساعة فلا يجيب عنها ولما تبدى له جبرئيل في صورة اعرابي كان فيما سأله ان قال يا محمد فاخبرني عن الساعة فقال ما

حق تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہوئے کہ آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ مجھ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں ارشاد فرماتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے خبر نہیں کہ آیا قریب ہی ہے وہ شے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یا میرا خدا اس کے لئے کوئی طویل مدت مقرر کرے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا جاتا تھا تو آپ اس کا جواب نہیں دیتے تھے اور جب حضرت جبرئیل ایک بدوی کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوالات کئے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اے محمد مجھ کو بتلایئے کہ قیامت

المسئول عنہا باعلم من السائل۔
(تفسیر ابن کثیر ص۹۹ ج ۱۰)

کب ہوگی تو حضور نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس بارہ میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں یعنی اس کی کسی کو خبر نہیں۔

آیتِ سابقہ کی طرح اس آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قیامت کا نفس قریب اور بعید بھی نامعلوم ہے حالانکہ دوسری آیات اور بہت سی احادیث میں اس کے قریب ہونے کی اطلاع موجود ہے۔ اس اشکال کا مفصل جواب ہم آیتِ سابقہ کے ذیل میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اس کو امام رازیؒ کے مختصر الفاظ میں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام موصوف آیت کی تفسیر سے فارغ ہونے کے بعد فرماتے ہیں۔

فان قیل الیس انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ بعثت انا والساعۃ کہاتین۔ وکان عالما بقرب وقوع القیمۃ فکیف قال ھٰھنا لا ادری اقریب ام بعید۔ الجیب بان المراد بقرب وقوعہ ھو ان مابقی من الدنیا اقل مما انقضی فھٰذا القدر من القرب معلوم فاما معرفۃ مقدار القرب فغیر معلوم۔
(تفسیر کبیر ص۲۲۳ ج ۸)

پس اگر شبہ کیا جائے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ میری بعثت اور قیامت میں اتنا قریب ہے جتنا انگشت شہادت اور اس کے قریب والی انگلی میں تو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو قرب قیامت کا علم تھا پھر یہاں کیسے فرمایا کہ مجھے اس کے قرب و بعد کی خبر نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے قریب ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کی باقی ماندہ عمر اس گزشتہ عمر سے کم ہے بس اتنا قرب تو معلوم ہے۔ لیکن اس قرب کی ٹھیک مقدار معلوم نہیں ہے۔

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقع پر خطیب شربینیؒ کے بھی ہیں (تفسیر سراج منیر ص۴۰۰ ج ۴)

آیت (۹)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۔ (انعام ع ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ۔

او ست آنکہ بیا فرید شمارا از گل باز مقرر کرد وقت مرگ را و مدتے معین ہست نزدیک او باز شما شک مے کنید ۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ اور ایک وعدہ ٹھہر رہا ہے اس کے پاس پھر تم شک لاتے ہو ۔ (انعام الرحیم)

اس آیت میں انسان کے لئے دو اجلوں کا بیان ہے اور ان کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں ۔ راجح تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے انسان کی موت مراد ہے ۔ اور دوسری اجل سے اجل قیامت اور اس کی تعیین بس حق تعالیٰ کے پاس ہے ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ پر فائدہ لکھتے ہیں ۔

سو ایک اجل ہے ہر شخص کی وہ نہیں جانتا پر فرشتے جانتے ہیں ۔ اور ایک اجل ہے سب خلق کی سو کوئی نہیں جانتا ۔

(فوائد موضح قرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر جلالین میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے ۔ (جلالین صفحہ)

اور علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی اسی قول کو لیا ہے ۔ اگرچہ احتمال کے طور پر دوسرے اقوال بھی ذکر کئے ہیں ۔ (مدارک صفحہ ۳ ج ۲)

اور علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے احتمالات کے ساتھ اس کو

بھی ذکر کیا ہے۔ عبارت علامہ موصوف کی یہ ہے۔

وقیل الاجل هو الوقت	اور کہا گیا ہے۔ کہ اجل کے معنی وقت
المقدر فاجل کل انسان	مقدر کے ہیں پس ہر انسان کی اجل
مقدر معلوم عند الله لا	مقدر خدا کو معلوم ہے۔ نہ اس میں زیادتی
یزید ولا ینقص والاجل	ہوتی ہے نہ کمی۔ اور دوسری اجل قیامت
الثانی هو اجل القیامة وهو	کی ہے۔ اور وہ بھی خدا کو معلوم ہے۔
ایضاً مقدر معلوم عند الله	اس کو بجز خداوند تعالیٰ کے کوئی
لا یعلمه الا الله تعالیٰ۔	نہیں جانتا۔

بہرحال بنا بر قول راجح اجل ثانی سے اجل قیامت مراد ہے اور "مسمّی عندہ" کے لفظ سے اس کے علم کی حق تعالیٰ سے تخصیص جتلانی منظور ہے۔ واللہ اعلم

آیت (۱۰)

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ. (سورہ نمل ع ۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

بگو نمیداند ہر کہ در آسمانہا و زمین است غیب را مگر خدا و نمی دانند کہ کے برانگیختہ شوند۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی۔ مگر اللہ۔ اور ان کو خبر نہیں کہ کب جلائے جاویں گے۔

(ا) امام الفراجم:

محی السنہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شانِ نزول کے متعلق فرماتے ہیں۔

نزلت فی المشرکین سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وقت قیام الساعۃ۔ (معالم التنزیل صفحہ ۱۲۸ ج ۵)

یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا۔

یہی شان نزول تفسیر جلالین صفحہ ۳۲۲ اور تفسیر مدارک صفحہ ۱۷۴ اور جامع البیان صفحہ ۳۳۲ میں بھی مذکور ہے۔

اور علامہ علی بن محمد خازن اسی شان نزول کو نقل فرمانے کے بعد آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

والمعنی ان اللہ ھو الذی یعلم الغیب وحدہ ویعلم متی تقوم الساعۃ۔ وما یشعرون ایان یبعثون یعنی ان من فی السمٰوٰت وھم الملائکۃ ومن فی الارض وھم بنو آدم لا یعلمون متی یبعثون۔ واللہ تعالیٰ تفرد بعلم ذالک۔ (تفسیر خازن صفحہ ۱۲۸ ج ۵)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ بس ایک ہی خدا غیب کا علم رکھتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اور نہیں جانتا کو کہ کب وہ دوبارہ زندہ کیے جاویں گے۔ یعنی جو مخلوق کہ آسمانوں میں ہے یعنی فرشتے، اور جو مخلوق کہ زمین میں ہے یعنی بنی آدم۔ ان کو معلوم نہیں کہ کب وہ اٹھائے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے علم کے ساتھ متفرد ہے۔

اور عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

یقول تعالیٰ امرا لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقول معلما لجمیع الخلق انہ لا یعلم احد من اھل السمٰوٰت

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو بتلا دیں کہ آسمان و زمین کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی خدا کے سوا غیب

والارض الغيب الا الله ـ و
قوله تعالى . الا الله . استثناء
منقطع اى لا يعلم احد ذالك
الا الله عز وجل فانه المتفرد
بذالك وحده لا شريك له
كما قال تعالى وعنده مفاتح
الغيب لا يعلمها الا هو الآية
وقال تعالى ان الله عنده علم
الساعة الى آخر السورة والآيات
فى هذا كثيرة وقوله تعالى ـ
وما يشعرون ايان يبعثون .
اى وما يشعر الخلائق
الساكنون فى السموت والارض
بوقت الساعة كما قال تعالى
ثقلت فى السموت والارض
لا تاتيكم الا بغتة . اى ثقل
علمها على اهل السموت والارض
وقال ابن ابى حاتم حدثنا
ابى قال حدثنا على بن الجعد
قال حدثنا ابو جعفر الرازى
عن داؤد بن ابى هند عن
الشعبى عن مسروق عن عائشة
قالت من زعم انه يعلم

کا علم نہیں رکھتا ۔ اور الا اللہ استثناء
منقطع ہے ۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے
سوا کسی کو بھی غیب کا علم نہیں وہ اس
کے ساتھ متفرد ہے اس میں اس کا کوئی
شریک نہیں ۔ جیسا کہ وہ دوسری جگہ
بھی فرماتا ہے ۔ وعنده مفاتح الغيب
لا يعلمها الا هو الآية ۔ اور فرماتا ہے ۔
ان الله عنده علم الساعة ۔ الآيات ۔
اور اس بارے میں بہت سی آیتیں
قرآن پاک میں ہیں اور ۔ وما يشعرون
ايان يبعثون ۔ کا مطلب یہ ہے کہ
زمین و آسمان کی بسنے والی مخلوقات
کو قیامت کے وقت کا پتہ نہیں جیسا
کہ دوسری جگہ بھی فرمایا ہے ۔ ثقلت
فى السموت والارض لا تاتيكم الا
بغتة ۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ آسمان
و زمین والوں پر قیامت کا علم بہت
گراں ہے اور ابن ابی حاتم ۔ بسند مذکور ۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کرتے ہیں کہ ۔ جو شخص گمان
کرے کہ حضور کل آئندہ ہونے والی
باتوں کو جانتے تھے تو اس نے اللہ
تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا کیونکہ

يعني النبي صلى الله عليه وسلم ما يكون في غد فقد أعظم على الله الفرية لأن الله تعالى يقول قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله.

وہ تو فرماتا ہے۔ لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی غیب سے باخبر نہیں۔

اس کے بعد علامہ محمود آلوسی آیت سے بعد والی آیت ۔ بل ادارک علمهم فی الآخرۃ ۔ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقرئ آخر ویت ۔ بل ادارک علمهم ای تساوی علمهم فی ذلک کما فی الصحیح لمسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لجبرئيل وقد سأل عن وقت الساعة ۔ ما المسئول عنها بأعلم من السائل اي تساوی فی العجز عن درك ذلك علم المسئول والسائل ۔
(تفسیر ابن کثیر ص۲۲۹ ج ۲)

دوسری قرأت میں بجائے بل ادارک کے بل ادرک پڑھا ہے اس بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اہل ارض و سما کا علم قیامت کے معاملہ میں برابر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضور نے وقت قیامت کے سوال کے جواب میں حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ مسئول (یعنی میں) سائل (یعنی تم) سے اس بارہ میں زیادہ علم نہیں رکھتا مطلب یہ تھا کہ اس علم کی تحصیل سے عاجز رہنے میں سائل و مسئول برابر ہیں۔

آیت (۱۱)

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۔ (حٰم سجدہ ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں
بسوئے خدا حوالہ کردہ میشود معرفت قیامت و بیروں نمی آید اثمار

میوہ از غلافہائے خود و در شکم بر نمی گیرد ہیچ زنے و نمی نہد بار شکم را
مگر بدانست خدا۔ (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلاف سے اور گابھ نہیں رہتا کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے جس کی اس کو خبر نہیں۔

(اہم التراجم)

اس آیت کے ابتدائی حصے میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت (جس میں نظام عالم درہم برہم کر کے از سر نو ایک دوسرا انتظام تیار کیا جائے گا) اس کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے اور دوسرے حصے میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس عالم کے تکوینی حوادث مثلاً عالم نباتات و عالم حیوانات کے روزمرہ کے انقلابات کا تفصیلی اور محیط علم بھی حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

كأن سائلا قال متى يكون ذالك	یوں سمجھو کہ گویا سائل نے سوال کیا کہ یہ
اليوم فقال تعالى انه لا سبيل	روز قیامت کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ
للخلق الى معرفة ذالك اليوم	نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مخلوق کیلئے
ولا يعلمه الا الله تعالى فقال۔	اس کے علم کی کوئی سبیل نہیں اور اس کو
اليه يرد علم الساعة۔ وهذه	خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ فرما
الكلمة تفيد الحصر اى	دیا۔ الیہ یرد علم الساعۃ۔ اور یہ کلمہ
لا يعلم وقت الساعة بعينه الا	مفید حصر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قیامت
الله وكما ان هذا العلم ليس	کے وقت معین کو خدا کے سوا کوئی نہیں
الا عند الله سبحانه وتعالى	جانتا اور جس طرح کہ یہ علم قیامت خدا کے
فكذالك العلم بحدوث	سوا کسی کو نہیں۔ ایسے ہی آئندہ جو امور اپنے
الحوادث المستقبلة في	اوقات معینہ میں ہونے والے ہیں۔ ان

وقتها المعينة فليس الا عند الله سبحانه وتعالى ثم ذكر من امثلة هذا الباب مثالين احدهما قوله وما تخرج من ثمرة من اكمامها والثاني قوله وما تحمل من انثى ولا تضع الا بعلمه۔

(تفسیر کبیر ص ۲۵ ج ۔)

سب کا علم اگر وہ کس طور پر کب واقع اور کیوں کر ہوں گے۔ نیز خدا ہی سے مخصوص ہے۔ پھر خدا نے اس باب کی مثالوں میں سے یہاں صرف دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ ایک پھلوں کے اپنے قدرتی غلافوں سے ظاہر ہونے کی۔ اور دوسری حمل اور وضع حمل کی۔

اور خطیب شربینی علیہ الرحمۃ نے بھی اس موقع پر یہی التزام فرمایا ہے۔

(سراج منیر ص ۵۲۳ ج ۳)

اور الیہ یرد علم الساعۃ۔ کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد خازن فرماتے ہیں۔

یعنی اذا سئل عنها سائل قیل له لا یعلم وقت قیام الساعة الا الله (تفسیر خازن ص ۹۰ ج ۴)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب کوئی سائل قیامت کے وقت کا سوال کرے تو اس سے کہہ دیا جائے کہ قیامت کے وقت خاص کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور نیز علامہ بغوی نے (معالم التنزیل ص ۹۲ ج ۴) اور علامہ نسفی نے (تفسیر مدارک ص ۱۲۵ ج ۴ پ ۲۵) اور قاضی بیضاوی نے (تفسیر بیضاوی ص ۲۳۳ ج ۲ پ ۲۵) اور علامہ ابو السعود نے (تفسیر ابی السعود ص ۱۹ ج ۸ پ ۲۵) اس آیت کی تفسیر میں یہی التزام فرمایا ہے۔

اور علامہ معین بن صفی التزام فرماتے ہیں۔

الیه یرد علم الساعة۔ لا یعلمها الا الله۔

(تفسیر جامع البیان ص ۴۹۵)

قیامت کا علم خدا ہی پر حوالہ کیا جاتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

اور علامہ جلال الدین محلی تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

إليه يرد علم الساعة متى يكون لا يعلمه غيره۔	یعنی قیامت کی طرف جو اشارہ کیا جاتا ہے قیامت کب ہوگی۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔
تفسیر جلالین صـ۳۲۳	

اور امام التفسیر والحدیث حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں۔

(إليه يرد علم الساعة) أي لا يعلم ذلك أحد سواه كما قال محمد صلى الله عليه وسلم وهو سيد البشر لجبريل عليه الصلوة والسلام وهو من سادات الملائكة حين سأله عن الساعة فقال ما المسئول عنها بأعلم من السائل وكما قال عز وجل إلى ربك منتهاها وقال جل جلاله لا يجليها لوقتها إلا هو۔	(إليه يرد علم الساعة) کا مطلب ہے کہ اس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سید البشر ہیں حضرت جبریل سے جو سرداران ملائکہ میں سے ہیں۔ وقت قیامت کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ مسئول کا علم اس سے بڑھ کر نہیں یعنی سائل سے زیادہ نہیں۔ اور جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ الی ربک منتهاها اور دوسری جگہ فرمایا۔ لا یجلیها لوقتها الا هو۔

(تفسیر ابن کثیر صـ۹۶ ج ۴)

مفسر علیہ الرحمۃ کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اس آیت کریمہ میں علم قیامت کا مخصوص بخداوند تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری آیات اور احادیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

آیت (۱۲)

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (سورۃ زخرف ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ونزدیک اوست علم قیامت وبسوے او رجوع کردہ شوید۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور اسی پاس ہے خبر قیامت کی اور اسی تک پھر جاؤ گے۔ (امام القرآن)

علامہ آلوسی مفتی بغداد علیہ الرحمہ اپنی بے نظیر تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

وعندہ علم الساعۃ ۔ فی تقدیم الخبر اشارۃ الی استئثارہ تعالیٰ بمثل ذالک۔

(روح المعانی ص [illegible] ج ۸)

خبر مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ نے علم قیامت کو اپنے ہی واسطے خاص کرلیا ہے۔

اور خطیب بغدادی علیہ الرحمہ کے اس موقع پر یہ الفاظ ہیں۔

(وعندہ) وحدہ (علم الساعۃ)

(سراج منیر ص [illegible] ج ۳)

اور بس ایک خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

اور ملا معین بن صفی فرماتے ہیں۔

(وعندہ) لا عند غیرہ (علم الساعۃ) (جامع البیان ص [illegible])

اور خدا ہی کے پاس ہے قیامت کا علم نہ اس کے غیر کے پاس۔

آیت (۱۳)

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ۝ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا۔ (سورۂ نازعات)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

می پرسند ترا از قیامت کہ کے باشد قیام آن۔ در چہ مرتبہ ای تو از علم
آن بسوئے پروردگار تست منتہائے علم آن۔ جز این نیست کہ
تو ترسانندہ کسے را کہ می ترسد از وے۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہے ٹھہراؤ اس کا۔ تو کس بات میں
ہے اس کے ذکر سے۔ تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اس کی۔ تو تو ڈر
سنانے کو ہے اس کو جو اس سے ڈرتا ہے۔ (الہام الرحمٰن)

اس آیت کے شانِ نزول میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يسأل عن الساعة فنزلت فيم انت من ذكراها۔ (رواه ابن مردويه۔ در منثور ص [illegible] ج ۶)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے وقت کو دریافت فرماتے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فیم انت من ذکراہا۔ کہ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يسأل عن الساعة حتى انزل عليه فيم انت من ذكراها الى ربك منتهاها فلم يسأل عنها۔ اخرجه البزار وابن المنذر والحاكم وصححه وابن مردويه۔ در منثور ص [illegible] ج ۶۔	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر قیامت کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ فیم انت من ذکراہا الی ربک منتہاہا۔ پھر آپ نے کبھی دریافت نہیں فرمایا۔

اور اس کو سعید بن منصور اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت عروہ تابعی سے مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔ (درمنثور)

نیز طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعة حتی نزلت فیم انت من ذکرٰھا الی ربک منتھٰھا فکف عنھا۔	فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا بکثرت تذکرہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کو ترک فرما دیا۔

اخرجہ عبد بن حمید والنسائی وابن جریر والطبرانی وابن مردویہ عن طارق بن شہاب (درمنثور ص ۳۱۳ ج ۶)

ناظرین بوضاحت ہی سمجھ سکتے ہیں لیکن ان روایات کی تشریح کے طور پر اتنا وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ یہ آیات نبوت کے ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ اور چونکہ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے وقت نزول کا علم مخصوصیات باری تعالیٰ میں سے ہے اس لئے کفار مکہ کے سوال سے متاثر ہو کر آپ بار بار اس کو دریافت فرماتے تھے اور آپ کو اس کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس سے کیا تعلق؟ اس کا علم بس اللہ پر ختم ہے۔ اور آپ کا کام تو بس ان لوگوں کو قیامت کا خوف دلانا ہے جو اس سے خائف ہوں۔ اور اس کے لئے تعیین وقت کی ضرورت نہیں، تو آپ نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔ لیکن کفار کی جانب سے ازراہ شرارت پھر بھی سوال ہوتا رہا۔ جس کا جواب بار بار قرآن مجید میں دیا گیا۔ اس کے بعد آیت کی تفسیر میں دیگر مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں۔

امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فیم انت من ذکرٰھا الی ربک منتھٰھا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

أي ليس علمها إليك ولا إلى أحد من الخلق بل مردها ومرجعها إلى الله عز وجل فهو الذي يعلم وقتها على التعيين و لهذا لما سأل جبريل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت الساعة قال ما المسئول عنها بأعلم من السائل .

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۵۵ ج ۱۰)

یعنی اس (قیامت کے وقت خاص) کا علم نہ آپ کو ہے نہ کسی اور مخلوق کو بلکہ اس کا مدار اور مرجع بس خدا ہی ہے۔ بس وہی اس کے وقت معین کو جانتا ہے۔ اور اسی واسطے جب جناب جبرئیل نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں یعنی جس طرح آپ اس کو نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا ۔

اور علامہ علی بن محمد خازن "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں۔

يسئلونك أي يا محمد عن الساعة أيان مرساها أي متى ظهورها وقيامها فيم أنت من ذكراها أي لست في شيء من علمها وذكرها حتى تهتم لها وتذكر وقتها إلى ربك منتهاها أي منتهى علمها لا يعلم متى تقوم الساعة إلا هو .

(تفسیر خازن صفحہ ۱۶۳ ج ۷)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب ہوگا اس کا ظہور؟ یعنی وہ کب ظاہر اور قائم ہوگی۔ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر سے یعنی آپ کو اس کے علم و ذکر سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں تک کہ آپ اس کا اہتمام کریں اور اس کے وقت کا خیال کریں۔ آپ کے رب ہی تک ہے اس کی انتہا۔ یعنی اس کا علم بس خدا تک ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔

اور امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر معالم التنزیل میں

فرماتے ہیں۔

یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰها۔ متی ظهورها وقیامها فیم انت من ذکراها۔ لست فی شیء من علمها وذکرها ای لا تعلمها۔ (معالم التنزیل ص۴۲۳ ج ۴)	لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا ٹھہراؤ۔ یعنی وہ کب قائم ہوگی۔ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر سے۔ آپ کو اس کے علم اور ذکر سے کوئی تعلق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔

اور خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ۔ الی ربک منتهٰها کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں۔

الی ربک منتهٰها۔ ای منتهی علمها لم یؤت علمها احدًا من خلقه کقوله تعالیٰ انما علمها عند ربی وقوله تعالیٰ ان الله عنده علم الساعة۔ (تفسیر سراج منیر ص۴۸۳ ج ۴)	کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقت کا علم خدا پر ختم ہے اس نے اپنی کسی ایک مخلوق کو بھی اس کا علم عطا نہیں فرمایا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ انما علمها عند ربی۔ اور فرمایا۔ ان الله عنده علم الساعة۔

اور بعینہٖ یہی الفاظ اس موقع پر امام رازی علیہ الرحمۃ کے ہیں (تفسیر کبیر ص۴۸ ج ۸)

اور علامہ نسفیؒ کی عبارت اس موقع پر یہ ہے۔

الی ربک منتهٰها منتهی علمها۔ متی تکون لا یعلمها غیره۔ (تفسیر مدارک ص۳۲۲ ج ۴)	تیرے رب ہی کی طرف ہے اس کی انتہا۔ یعنی قیامت کے وقت کا علم کہ وہ کب ہوگی خدا پر ہی منتہی ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

اور علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وقتها ای وقت الساعة مما استأثر الله بعلمه۔	قیامت کا وقت ان چیزوں میں سے جن کے علم کو خدا نے اپنے ہی واسطے خاص

(تفسیر بیضاوی صـ۳۲ ج ۲) — کر لیا ہے۔

اور علامہ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها فیم انت من ذکرٰها ای فی ای شیء من ان تذکر لهم وقتها وتعلمهم به حتی یسئلونك بیانها لان ذالك فرع علمك وبه وانی لك ذالك وهی مما استاثر بعلمه علام الغیوب الی ربك منتهاها الیه تعالی یرجع منتهی علمها ای علمها بکنهها وتفاصیل امرها ووقت وقوعها لا الی احد غیره۔

(تفسیر ابوالسعود صـ ج ۸)

یہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ کب ہوگا اس کا ٹھہراؤ کس چیز میں ہیں آپ اس کے ذکر کرنے سے یعنی آپ کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور آپ کا یہ منصب ہی نہیں کہ آپ ان کو قیامت کا وقت بتلائیں یہاں تک کہ وہ آپ سے اس کے بیان کرنے کا سوال کریں کیونکہ یہ تو جب ہو سکتا ہے جبکہ آپ کو خود اس کا علم ہو۔ اور وہ بھلا آپ کو کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ تو ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ علام الغیوب نے اپنی ذات پاک کے لئے خاص کر لیا ہے۔ آپ کے پروردگار کی طرف ہی اس کی انتہا ہے۔ یعنی اس کی کنہ کا علم اور اس کی تمام تفصیلات کا علم اور اس کے وقت خاص کا علم خدا ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ نہ اس کے غیر کی طرف۔

اور علامہ جلال الدین محلی علیہ الرحمۃ تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

ای لیس عندك علمها حتی تذکرها۔ الی ربك منتهٰها

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے کہ آپ ان سوال

ای منتھٰی علمہا لا یعلمہ غیرہ۔	کرنے والوں کو بتلا سکیں خدا ہی کی طرف اس کی انتہا ہے یعنی اس کا علم بس خدا ہی پر ختم ہے اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔
(تفسیر جلالین ص۴۹۲)	

اور علامہ معین بن صفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

الیٰ ربک منتہاھا ای منتہا علمہا الی اللہ وحدہ۔	یعنی جس کا علم بس اکیلے خدا ہی پر ختم ہے۔
(تفسیر جامع البیان ص۴۹۲)	

آیت (۱۴)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (انعام ع ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ونزدیک اوست کلید ہائے غیب نمیداند آنہارا مگر او۔

(فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

(الہام الرحمٰن)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں حضرات مفسرینؒ کے چند اقوال ہیں بعض حضرات نے اس سے وہ عذاب و ثواب مراد لیا ہے جو انسانی ادراکات کی دسترس سے باہر ہے پس ان کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عذاب و ثواب کی تفصیلات بس خدا ہی کے علم میں ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

بعض حضرات نے اس سے زمین و آسمان کے مخفی خزانے مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے اس سے علم تقدیر مراد لیا ہے۔ اور بعض نے لوگوں کی عمروں کی تفصیل اور

ان کی سعادت وشقاوت اور خاتمہ کا حال مراد لیا ہے اور اسی کے موافق انہوں نے آیت کی تفسیر کی ہے۔ یہ تمام اقوال تفسیر معالم التنزیل وخازن وغیرہ میں مذکور ہیں۔

لیکن ان سب سے زیادہ راجح اور جامع تفسیر مفاتح الغیب کی وہ ہے جو خود صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ۔ رواہ البخاری عن ابن عمرؓ فی تفسیر سورۃ الرعد

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مفاتح الغیب یہ پانچ چیزیں ہیں۔ جن کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا واقعات رونما ہوں گے اور سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بچہ دانیوں میں کیا ہے۔ نر یا مادہ، اور اس کے سوا کسی کو خبر نہیں۔ کہ بارش کب ہوگی اور کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔ غرض مفاتح الغیب سے یہی پانچوں مخفی چیزیں مراد ہیں اور خدا کے سوا کسی کو بھی ان کا پورا علم نہیں۔

واخرجہ ایضاً احمد ومسلم والفریابی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والو الشیخ وابن مردویہ وخشیش ابن اصرم فی الاستقامۃ کما فی الدر المنثور صفحہ ۱۳ ج ۳ و صفحہ ۱۶۹ ج ۵۔

نیز سید المفسرین حبر الامۃ ترجمان القرآن سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی مفاتح الغیب کی تفسیر انہی پانچوں چیزوں سے کی ہے۔ چنانچہ ابن جریر اور ابن المنذر نے اپنی تفسیروں میں حضرت ممدوح سے روایت

کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

قال هن خمس ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث الى قوله عليم خبير (در منثور صفحہ ۱۵ ج ۳)

مفاتح الغیب۔ وہی پانچ چیزیں ہیں جن کا مخصوص بخدا ہونا۔ سورۂ لقمان کی آخری آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ میں بتلایا گیا ہے اور وہ وہی ہیں جو ذیل مذکور ہوئیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید حضرت مجاہد نے بھی۔ مفاتح الغیب۔ کی تفسیر انہی امور خمسہ سے کی ہے چنانچہ سورۂ لقمان کی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وهي مفاتح الغيب التي قال الله تعالى وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو۔ (رواه ابن جرير وابن ابی حاتم تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۴۰ ج ۸)

کہ یہ پانچوں چیزیں وہی مفاتح الغیب ہیں جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مفاتح الغیب کا علم بس خدا ہی کو ہے اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

بہرحال مفاتح الغیب کی یہ تفسیر چونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ اس لئے دوسری تمام تفسیروں سے راجح اور قوی ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ان سب کو جامع اور حاوی بھی ہے۔ کیونکہ ان پانچوں چیزوں میں اصولی طور پر اکثر وہ تکوینی غیوب داخل ہیں۔ جن کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ غیوب متعلقہ بالعباد کا تعلق یا مبدء سے ہوگا۔ یا معاش سے۔ یا معاد سے۔ اور وہ سب ان پانچوں چیزوں میں آ گئے۔

چنانچہ۔ ينزل الغيث ويعلم ما فى الارحام۔ سے معلوم ہوا کہ کائنات کے مبادی کا پورا علم بس خدا ہی کو ہے۔ بجز لاتدری نفس ماذا تکسب غدا۔ نے بتلایا کہ انسان کو اپنی معاش کا بھی پورا علم نہیں بجز لاتدری نفس بای ارض

موت نے بتلایا کہ انسان کو اپنی شخصی معاد کے متعلق بھی پورے معلومات حاصل نہیں
نہیں اور ۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ نے بتلایا کہ قیامت جو تمام عالم کی
مجموعی معاد ہے اس کے وقت کی بھی خدا کے سوا کسی کو خبر نہیں ۔ پس تکوینی غیوب
خواہ ان کا تعلق مبدء سے ہو یا معاش سے یا معاد سے ۔ وہ سب اصولی طور پر ان
پانچ چیزوں میں داخل ہیں ۔ لہٰذا دوسرے مفسرین نے مفاتح الغیب کی تفسیر میں
جن بعض مخصوص مغیبات مثلاً عذاب و ثواب ، التقدیر ، خزائن غیب وغیرہ کا ذکر
کیا ہے وہ سب بھی اس میں آ گئے ۔

بہرحال مفاتح الغیب کی یہ تفسیر جو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور
آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن عباس اور ان کے لائق شاگرد حضرت مجاہد
سے ثابت ہوئی دوسری تمام تفاسیر کو جامع اور ان سب پر حاوی ہے ۔ پس
دوسری تمام تفاسیر اس کی مخالف نہیں بلکہ اسی مفہوم کی ناکافی اور غیر جامع تعبیریں
ہیں ۔ اور اب اس راجح اور جامع تفسیر کی بنا پر آیت متذکرہ بالا وعندہ
مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو ۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا ہی کے علم میں ہیں ۔ یہ
پانچوں چیزیں ۔ یعنی قیامت کا وقت ۔ نزول باران کا وقت اور اس کی کیفیت و
کمیت وغیرہ اور ما فی الارحام اور اس کی تفصیلی حالت ۔ اور زمانۂ مستقبل میں پیش
آنے والے امور ، اور ہر شخص کی موت کا مقام ۔

بہرحال اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت بھی علم قیامت کے مخصوص بحق تعالیٰ
ہونے پر دال ہے ۔ وھو المقصود ھہنا ۔

ان پانچوں علموں کی تفصیلی بحث اور ان کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے کا مطلب
اور رضا خانی تاویلات و تحریفات کے جوابات اگلی آیت کے ذیل میں ملاحظہ ہوں ۔

آیت (۱۵)

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(لقمان ع ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ہر آئینہ خدا نزدیک اوست علم قیامت و فرود مے فرستد باراں را و میداند آنچہ در شکم حاملہا باشد و نمیداند ہیچ شخصے کہ چہ کار خواہد کرد فردا۔ و نمی داند ہیچ شخصے کہ بکدام زمین خواہد مرد۔ ہر آئینہ خدا دانا خبردار است۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

اللہ جو ہے اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر۔ اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو ہے ماں کے پیٹ میں۔ اور کوئی جی نہیں جانتا کیا کرے گا کل۔ اور کوئی جی نہیں جانتا کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ ہے سب جانتا خبردار۔ (امام التراجم)

اس آیت کی شانِ نزول میں فریابی و ابن جریر و ابن ابی حاتم حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ۔

جاء رجل من اهل البادية	دیہات کا رہنا والا ایک شخص حضور کی
فقال ان امرأتي حبلى فاخبرني	خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے
ماتلد وبلادنا مجدبة	عرض کیا کہ میری عورت حاملہ ہے بتلایئے
فاخبرني متى ينزل الغيث	کہ وہ کیا جنے گی؟ اور ہمارے علاقہ کے

وقد علمت متی ولدت فلمّا خبرنی متی اموت ؟ فانزل اللّٰہ ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ ۔ الآیۃ ۔
(در منثور صفحہ ۱۶۹ ج ۵ وابن کثیر صفحہ ۴۵۵ ج ۳)

شہر قحط زدہ ہیں ۔ بتلایئے کہ وہاں بارش کب ہوگی ؟ اور یہ تو مجھے علم ہے کہ میں کب پیدا ہوا تھا آپ مجھے بتلا دیجئے کہ میں کب مرونگا؟ پس اس سائل کے ان سوالات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا کہ ان باتوں کی خبر بس اللہ ہی کو ہے ۔

اور یہی شان نزول ابن المنذرؒ نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس میں ایک چوتھا سوال یہ بھی مذکور ہے کہ ۔ قد علمت ما کسبت الیوم فماذا اکسب غدًا ۔ یعنی آج جو کچھ میں نے کیا ۔ وہ تو مجھے معلوم ہے ۔ پس کل آئندہ میں کیا کروں گا رہ بھی آپ مجھے بتلا دیجئے ؟)

نیز یہی شان نزول امام بغوی نے معالم التنزیل صفحہ ۱۸۳ ج ۵ پر اور علامہ علی بن محمد خازن نے تفسیر لباب التاویل پر صفحہ ۱۸۳ پر ۔ اور خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر صفحہ ۱۹۹ ج ۳ پر ذکر فرمایا ہے ۔

آیت سابقہ کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو حدیث نقل کی گئی ہے ۔ اگرچہ اسی سے اس آیت کی بھی کافی تشریح ہو جاتی ہے ۔ لیکن چونکہ مولوی احمد رضا خان صاحب اور اُن کی ذریات نے اس آیت کریمہ میں بہت پر پیچ تاویلات کی ہیں ۔ اور نیز یہ آیت چونکہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے ۔ اس لئے ہم اس کی تفسیر میں کسی قدر تفصیل سے کلام کرنا مناسب سمجھتے ہیں ۔ اور اسی کے ذیل میں بعونہٖ تعالیٰ ہم کو یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ رضا خانی حضرات نے اس آیت کریمہ اور دیگر آیات مذکورہ متعلقہ علم قیامت و علم امور خمس میں جو تاویلات کی ہیں ۔ وہ در حقیقت ملحدانہ تحریفات ہیں ۔ جن کی کلام الٰہی میں کوئی گنجائش نہیں ۔ بلکہ خود قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں ان کی کافی شافی تردید موجود ہے ۔ واللہ الموفق وھو المستعان ۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر احادیث کریمہ سے

عن بريدة رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خمس لا يعلمهن الا الله ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس باي ارض تموت. ان الله عليم خبير.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ پانچ چیزیں ہیں کہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے بے شک خدا ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی اپنے علم کے مطابق اتارتا ہے بارش کو اور وہی جانتا ہے اس کو جو رحم میں ہے اور کسی نفس کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور کسی کو خبر نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ان چیزوں کا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور بزار اور ابن مردویہ اور رویانی اور ضیاء مقدسی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (در منثور ص۱۶۹ ج ۵)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ صححه ابن حبان والحاكم. ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (فتح الباری ص۲۹۵ ج ۱۹)

اور امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر حضرت امام احمد کی سند سے اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔ هذا الحديث صحيح الاسناد۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (ابن کثیر ص۲۳ ج ۸)

نیز یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اخرجه ابن جریر فی تفسیرہ درمنثور ص۱۶۹ ج ۵)

عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه ان اعرابیا وقف علی النبی صلی الله علیه وسلم یوم بدر علی ناقة له عشراء فقال یا محمد ما فی بطن ناقتی هذه فقال له رجل من الانصار دع عنك رسول الله صلی الله علیه وسلم وهلم الیّ حتی اخبرك وقعت انت علیها وفی بطنها ولد منك فاعرض عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال ان الله یحب کل حیی کریم متکرم ویبغض کل لئیم متفحش ثم اقبل علی الاعرابی فقال خمس لا یعلمهن الا الله ان الله عنده علم الساعة - الآیة -
اخرجه ابن مردویه -
(درمنثور ص۱۶۹ ج ۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی غزوۂ بدر کے دن اپنی دس مہینے کی حاملہ ناقہ پر سوار ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد بتلایئے میری اس ناقہ کے پیٹ میں کیا ہے پس ایک انصاری صحابی نے غضبناک ہو کر اس سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر میرے پاس آتا کہ میں تجھے بتلا دوں۔ تو نے اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صاحب حیا، صاحب وقار کو جو گندی باتوں کو ناپسند کرتا ہو دوست رکھتا ہے۔ اور ہر بے حیا بدزبانی کرنے والے کو مبغوض رکھتا ہے۔ پھر حضور اقدس اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس کے بعد آپ نے سورۂ لقمان کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔

واضح رہے کہ اس روایت میں انصاری صحابی کا جو جواب مذکور ہے۔ وہ

درحقیقت اس اعرابی کے سوال کا جواب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بیجا سوال پہ زجر ہے اور اس کی مثالیں ہر زبان میں بکثرت مل سکتی ہیں[۱]۔ پس بعض رضا خانی مولوی صاحبان کا اس روایت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن انصاری صحابی کو "ما فی الارحام" کا علم تھا۔ اور درحقیقت اس اونٹنی کے پیٹ میں اس یہودی ہی کا بچہ تھا انتہائی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

عن ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ قال حدثنی رجل من بنی عامر انہ قال یا رسول اللہ ھل بقی من العلم شئ لا تعلمہ قال قد علمنی اللہ عز وجل خیرا وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عز وجل الخمس۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام الآیۃ۔

حضرت ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ مجھ سے بنی عامر کے ایک شخص نے حدیث بیان کی کہ میں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ کیا علم میں سے کوئی ایسی چیز بھی باقی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اللہ عز وجل نے مجھے اچھائی کی خوب تعلیم دی ہے۔ اور بے شک علوم میں سے وہ بھی ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی پانچ باتیں جو سورۃ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں ان کا پورا علم خدا ہی کو ہے کسی دوسرے کو نہیں۔

---

[۱] اردو محاورات میں بھی اس کی مثالیں بہت شائع ذائع ہیں۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے بے موقع سوال کرتا ہے کہ رات کیا کھایا تھا؟ تو دوسرا غصہ سے جواب دیتا ہے۔ تمہارا سر کھایا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے اصل سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے سوال پر خفگی کا اظہار ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُن انصاری صحابی نے بھی اس اعرابی سے جو کچھ کہا تھا وہ خفگی کا ہی اظہار تھا۔ اس کے سوال کا جواب دینا مقصود ہی نہ تھا۔ اور کسی صحابی سے یہ توقع کیا جا سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اہم سوال ہو رہا ہو اور وہ خود پیش قدمی کر کے اس کا جواب دینے لگیں۔

اس حدیث کو سعید بن منصور نے مستخرج میں اور امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ (درمنثور ص[illegible] ج ۵)
اور حافظ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے اس کو مع سند کے نقل کر کے لکھا ہے۔
ہذا اسناد صحیح۔ ابن کثیر ص[illegible] ج ۳)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اوتیت مفاتیح کل شئ الا الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو ہر چیز کے خزانوں یا ہر چیز کی کنجیوں کا علم دے دیا گیا ہے سوائے ان پانچ چیزوں کے جو سورۃ لقمان کی اس آیت میں مذکور ہیں (کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا)

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (درمنثور ص[illegible] ج ۵)
اور حافظ ابن کثیر نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص[illegible] ج ۳)
واضح رہے کہ اس روایت میں جو "کل" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اس سے کل حقیقی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علوم خمس کو نکال دینے کے بعد بھی کل علوم غیر متناہی رہتے ہیں۔ جن کا حصول ہر مخلوق کے لیے بالاتفاق محال عقلی وشرعی ہے۔ اور اس بارہ میں خود فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کی تصریحات بھی ناظرین کتاب ہذا کے مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آئندہ بہت سی آیات و احادیث ہم ایسی بھی درج کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ امور خمسہ کے علاوہ بھی بعض چیزیں ایسی باقی ہیں۔ جن کا علم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا گیا۔ پس لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ اس کل سے مراد صرف معتد بہ کثیر ہے۔ اور اس معنی میں کل کا استعمال کلام عرب خاص کر کتاب و سنت میں شائع و ذائع ہے۔ قرآن حکیم میں بعض معتوب اور مغضوب قوموں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ۔

فتحنا علیھم ابواب کل شئ ۔ ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے۔
حالانکہ ان پر نبوت، ولایت، رضائے الٰہی، تقویٰ، پرہیزگاری وغیرہ امورِ خیر کا
ایک دروازہ بھی نہیں کھولا گیا تھا۔ بلکہ دنیوی نعمتیں بھی ان کو سب حاصل نہیں تھیں۔
مثلاً عیش و راحت کے سلسلہ میں آج جو نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں وہ ان سے محروم
تھے۔ اس لئے آیت کا مطلب سب کے نزدیک یہی ہے کہ ان کو بہت کافی مقدار میں
دنیوی نعمتیں دی گئی تھیں۔ بہرحال اس آیت میں اور اس جیسی بہت سی آیتوں میں کل
سے صرف مقدار کثیر ہی مراد ہے۔

امام ترمذی نے لفظ کل کے اسی اطلاق کے متعلق امام المحدث والفقہ سیدنا
حضرت عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

جائز فی کلام العرب اذا صام اکثر الشھر ان یقال صام الشھر کلہ ۔ الخ (ترمذی شریف صفحہ ۹۲)	کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ جب کوئی مہینہ کے اکثر حصے میں روزے رکھے تو کہہ دیا جائے کہ اس نے سارے مہینے کے روزے رکھے۔

اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس اطلاق کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ
فتاویٰ رضویہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

کبھی کل سے اکثر مراد ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۲۳ سطر ۱۰)
چونکہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں لفظ کل کے متعلق مفصل بحث کرنی ہے
اس لئے یہاں اسی قدر مختصر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پس جب کہ حدیث کے لفظ "کل شئ" سے مقدار کثیر مراد لی گئی تو حدیث کا
مطلب یہ ہوا کہ۔

حق تعالیٰ نے مجھے علوم و معارف کے بہت سے خزانے عطا فرمائے۔ لیکن
ان امورِ خمسہ۔ یعنی قیامت، نزولِ باراں، ما فی الارحام، آئندہ ہونے والے
واقعات۔ ہر شخص کی موت کے مقام۔ کا علم مجھے نہیں عطا فرمایا۔ اور ان کو اس کے

سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس تقدیر پر حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث کا مطلب قریب قریب وہی ہو جاتا ہے جو اس سے پہلی حدیث کا ہے۔ واللہ اعلم۔

عن سلمة بن الاكوع رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء اذ جاء رجل على فرس فقال من انت؟ قال انا رسول الله. قال متى الساعة؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله. قال ما في بطن فرسي؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله. قال فمتى تمطر؟ قال غيب وما يعلم الغيب الا الله.
(اخرجه ابن مردويه)
(درمنثور ج ۵)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ خیمہ میں رونق افروز تھے ایک شخص گھوڑی پر سوار آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ ارشاد فرمایا غیب کی بات ہے اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ بتلائیے میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ ارشاد فرمایا غیب ہے۔ اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ مینہ کب بارش ہوگی؟ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی غیب ہے اور اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بھی مختلف طرق اور متعدد صحابہ کرامؓ سے حدیث جبرئیل مروی ہے۔ جس کا اجمالی ذکر بعض آیات سابقہ کے ذیل میں بھی ضمناً آچکا ہے۔ اس کے آخری حصہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سوال یہ کیا کہ ۔۔ متى الساعة " (قیامت کب آئے گی؟) تو اس کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا۔ ما المسئول عنها باعلم من السائل (یعنی اس بارہ میں مسئول کا یعنی میرا علم

سائل سے یعنی تم سے زیادہ نہیں خلاصہ یہ کہ اس کا علم جس طرح تم کو نہیں اسی طرح مجھے بھی نہیں۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ۔

فی خمس لا یعلمہن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام۔ الآیۃ۔

یہ علم قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں اور حضور نے بطور استشہاد یہ پوری آیت تلاوت فرمائی۔

(صحیح بخاری شریف کتاب الایمان)

یہ حدیث پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت سے مروی ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۲) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۳) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۴) سیدنا حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ (۵) سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۶) سیدنا حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ (۷) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (فتح الباری ص ۱۱۴ ج ۱) (۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری (۹) حضرت عبدالرحمن بن غنم (کنز العمال ج ۱)

ان تمام طرق کی پوری تفصیل اور ان کے متعلق ضروری مباحث تو ہم ان شاء اللہ باب دوم میں ذکر کریں گے۔ یہاں تو ہم صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت میں حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے جواب کے الفاظ اس موقع پر اور بھی زور دار ہیں۔ اور وہ یہ کہ جب حضرت جبرئیل نے سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا۔

سبحان اللہ خمس من الغیب لا یعلمہن الا اللہ۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔ الآیۃ۔

(فتح الباری ص ۱۲۳ ج ۱)

گویا حضور کو اس سوال سے بہت زیادہ تعجب ہوا اور آپ نے فرمایا۔ پاکی ہے اللہ کی ذات کو قیامت وغیرہ پانچ چیزیں تو وہ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔

اور قریب قریب یہی الفاظ حضرت ابو عامر اشعری کی روایت کے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عامر اشعری کی ان دونوں حدیثوں کو امام احمد نے اپنے مسند میں روایت فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں کی اسناد کے متعلق لکھا ہے۔ "اسنادھما حسن" ان دونوں کی سند حسن ہے۔

(فتح الباری ص ۱۹ ج ۱)

اگرچہ ابھی بہت سی ایسی حدیثیں باقی ہیں۔ جن سے اس آیت کے مضمون پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور گویا وہ اس آیت کی تفسیریں ہیں۔ لیکن یہاں اس وقت ہم انہی نصوص صریحہ احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک صاحب بصیرت انہی پر غور کرنے کے بعد آیت کریمہ کے تمام گوشوں کو سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد اگرچہ ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ہم اپنے التزام کے مطابق صحابہ کرامؓ و تابعین عظام اور مفسرین اعلام کے ارشادات بھی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر ارشادات صحابہؓ و تابعینؒ سے

امیر المؤمنین امام المسلمین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لم یعم علی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم الا الخمس من سرائر الغیب ھٰذہ الآیۃ فی اٰخر لقمان الی اٰخر السورۃ	تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسرار غیب سے بس یہی پانچ چیزیں مخفی رہیں۔ جو سورۃ لقمان کی اس آخری آیت میں مذکور ہیں۔

(اخرجہ ابن مردویہ در منثور ص ۱۶۹ ج ۵)

اور فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اوتی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علم کل شیء سوی ھٰذہ	تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔ سوائے ان پانچ چیزوں کے اور

الخمس۔ ان کا علم کسی کو بھی عطا نہیں ہوا۔)

(رواہ الامام احمد فتح الباری صفحہ ج ۱)

(وا خرجہ ایضا ابو یعلی وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ در منثور صفحہ ج ۵)

واضح رہے کہ سیدنا حضرت علی اور سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ان دونوں ارشادوں کا مطلب رہی ہے جیسا کہ ہم ابن عمرؓ کی حدیث نمبر (۴) کے ذیل میں مدلل عرض کر چکے ہیں، یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان پانچوں چیزوں کے علاوہ بہت سے بلکہ بے شمار علوم و معارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے۔

(فتدبر و لا تغفل)

اور حبر امت سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى انه يعلم شيئا من هذه فقد كفر بالقرآن لانه خالفه۔

یہ پانچوں چیزیں وہ ہیں کہ نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی برگزیدہ نبی۔ پس جو کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے کرے تو اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا کیونکہ اس کی کھلی مخالفت کی۔

(تفسیر خازن صفحہ ج ۵)

اور حضرت قتادہ تابعی رضی اللہ عنہ اسی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خمس من الغيب استأثر بهن الله فلم يطلع عليهن ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا ان الله عنده علم الساعة فلا يدري احد من الناس

پانچ چیزیں غیب میں سے وہ ہیں جن کو خدا نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے پس کسی مقرب فرشتے اور کسی فرستادہ نبی کو بھی ان کی اطلاع نہیں دی ہے بے شک قیامت کا علم بس خدا ہی کو ہے پس کوئی بھی انسان

متى تقوم الساعة في اى	میں سے نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی
سنة او في اى شهر او ليل	کس سنہ اور کس مہینے میں۔ رات میں یا دن
ونهار وينزل الغيث فلا	میں۔ اور وہی نازل کرتا ہے بارش کو۔ پس
يعلم احد متى ينزل الغيث	کسی کو خبر نہیں کہ کب بارش ہوگی رات کو یا دن
ليلا او نهارا ويعلم ما في	کو۔ اور وہی جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہے
الارحام فلا يعلم احد	پس کسی کو بھی علم نہیں کہ رحموں میں کیا ہے نر
ما في الارحام اذكر ام انثى	ہے یا مادہ۔ سرخ ہے یا سیاہ۔ اور پھر وہ ہے
احمر او اسود وما هو وما	کیا؟ اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا۔
تدري نفس ماذا تكسب	اچھا کرے گا یا برا۔ اور اے آدم کے فرزند
غدا اخيرا او شر و لا	تو نہیں جانتا شاید کہ کل تو مرنے والا ہو۔ اور
تدري يا ابن ادم متى تموت	شاید کہ کل تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو۔ اور کوئی
لعلك الميت غدا لعلك	نفس خبردار نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت
المصاب غدا وما تدري	آئے گی۔ یعنی کسی انسان کو پتہ نہیں کہ زمین کے
نفس باى ارض تموت اى	کس حصہ میں اس کا مرقد ہوگا۔ آیا
ليس احد من الناس يدري	دریا میں یا خشکی میں، نرم زمین میں
اين مضجعه من الارض افي	یا پہاڑ میں (بس خدا ہی ان باتوں کا
بحر ام بر او سهل او جبل۔	جاننے والا اور خبردار ہے۔)

(رواه ابن جرير وابن ابي حاتم در منثور صـــ ج ۵)

وايضا ذكره ابن كثير في تفسيره صـــ ج ۸ والخطيب الشربيني في السراج المنير صـــ ج ۴

آیت مذکورہ کی تفسیر حضرت امام ابو حنیفہ کے ایک ارشاد سے

تفسیر مدارک التنزیل میں اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں مذکور ہے کہ

ورأى المنصور في منامه صورة — خلیفہ منصور عباسی نے ملک الموت کو خواب

ملك الموت وسأله عن مدة عمره فاشار باصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة اشهر وبخمسة ايام فقال ابو حنيفة رضي الله عنه هو اشارة الى هذه الآية فان هذه العلوم الخمس لا يعلمها الا الله تعالى۔
(مدارک التنزیل ص ۲۱۹ ج ۳)

میں دیکھا اور اپنی مدت عمر کے متعلق ان سے سوال کیا۔ پس انہوں نے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا۔ پس تعبیر دینے والوں نے اس کی مختلف تعبیریں دیں۔ کسی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری عمر صرف پانچ برس کی اور ہے۔ کسی نے کہا پانچ مہینے کسی نے کہا پانچ دن۔ پس حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورۃ لقمان کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ بات ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی روشنی میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان امور خمسہ کا علم خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔
واللہ اعلم

ائمہ مفسرین کے اقوال سے آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ علی بن محمد خازن نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں اس آیت کریمہ کی تفسیر قریب قریب وہی کی ہے جو صفحہ گذشتہ میں حضرت قتادہ سے منقول ہوئی اس لئے ہم اس کی عبارت درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرین کرام تفسیر خازن ص ۱۸۳ ج ۵ پیہ دو اصل عبارت ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اور تفسیر جلالین میں آیت ہذا کی تفسیر بدیں الفاظ کی گئی ہے۔

ان الله عنده علم الساعة متى تقوم وينزل الغيث

بے شک اللہ ہی کو ہے علم قیامت کا کہ کب قائم ہوگی اور وہی نازل کرتا ہے

بوقت يعلمه (ويعلم ما في الارحام) ذكر ام انثى ولا يعلمه واحد من الثلاثة غير الله تعالى (وما تدري نفس ماذا تكسب غدا) من خير او شر ويعلمه الله (وما تدري نفس بأي ارض تموت) ويعلمه الله (ان الله عليم خبير) بكل شئ عليم بباطنه كظاهره۔

(تفسیر جلالین ص۳۴۶)

بارش کو اس کے وقت معلوم ہوا اور وہی جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہے کہ آیا لڑکا ہے یا مادہ اور ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا بھلائی یا برائی اور خدا اس کو جانتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کہاں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اس کے ظاہر کی طرح اس کے باطن سے بھی خبردار ہے۔

اور علامہ نسفیؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر قریب یہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مدارک ص۲۸۹ ج۳

نیز علامہ ابوالسعود اور قاضی بیضاوی کا کلام بھی اس موقع پر اسی کے ہم معنیٰ ہے

(ابوالسعود ص۳۰ ج ۷ و بیضاوی ص۱۵۹ ج ۲)

امام رازی علیہ الرحمۃ کے کلام کا ماحصل اس موقعہ پر یہ ہے کہ:

اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بس انہی پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ کیونکہ اس ذرہ بے مقدار کا علم بھی بس اللہ ہی کو ہے۔ جو مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ریت کے کسی ٹیلے میں تھا اور بعد میں ہوا نے اس کو بار ہا مشرق سے مغرب کی طرف منتقل کیا۔

(تفسیر کبیر ص۵۰۳ ج ۶)

اس کے بعد امام ممدوح نے اس تخصیص بالذکر کی وجہ بھی بتلائی ہے مگر چونکہ اس سے ہماری غرض متعلق نہیں اس لئے یہاں اس کو نقل نہیں کیا جاتا۔

آیاتِ مذکورۃ الصدر میں رضاخانی تاویلات

یہاں تک جو چندرہ آیات درج کی گئی ہیں ان میں سے پہلی تیرہ آیتوں میں تو صرف وقت قیامت کے علم کا مخصوص بحق تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور آخری دو میں کل مفاتح الغیب یعنی وقت قیامت، نزول باراں، مافی الارحام، واقعات مستقبلہ اور ہر شخص کے مقام موت کے علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اگرچہ احادیث نبویہ اور ارشاداتِ صحابہ و تابعین، و تصریحاتِ ائمہ مفسرین کی روشنی میں ہم ان آیات کی توضیح و تشریح اور استدلال کی تقریر پوری تفصیل سے کر چکے ہیں اور ایک صاحب علم و انصاف کے لئے اس کے ملاحظہ کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی لیکن اتماماً للحجہ ہم ان تاویلات کی حقیقت بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ان آیات کے متعلق فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب یا اُن کے اتباع و اذناب نے اب تک پیش کی ہیں۔ اصولی طور پر ان کی تاویلیں صرف تین ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس قسم کی آیات میں غیر اللہ سے عموماً یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ نہ علم عطائی کی۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم عطا فرما دیئے گئے تھے (گویا یہ آیات حکماً منسوخ ہیں۔)

(۳) تیسرے یہ کہ جن آیات میں علم ساعت وغیرہ کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو اُن کا علم نہیں بلکہ اُن کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔ رہا دوسروں کو اس کا علم ہونا نہ ہونا اس سے وہ آیات ساکت ہیں۔

یہ تینوں تاویلیں مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنے رسائل علم غیب بالخصوص "الفیوض الملکیہ علی الدولۃ المکیہ" میں کسی قدر تفصیل سے لکھی ہیں۔ پھر انہی کی تقلید میں مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی "الکلمۃ العلیا" میں انہی تاویلات سے کام لیا ہے۔

نیز دوسرے رضا خانی مصنفین اور مناظرین بھی بس یہی کہا کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ
تاویلات اتنی رکیک اور ایسی سفیہانہ ہیں کہ کسی ذی علم کی طرف سے اُن کا پیش کیا جانا اُس
کی عالمانہ حیثیت کے لیے نہایت بد نما داغ ہے۔ ناظرین کرام تمام مذکورۃ الصدر آیات
کو مع اُن احادیث کریمہ اور ارشادات صحابہ و تابعین و تصریحات ائمہ مفسرین کے جو
اُن آیات کی تفسیر و تشریح کے سلسلے میں سابقاً مذکور ہوئیں، ایک نظر پھر ملاحظہ فرمائیں۔
اور غور کریں کہ ان تاویلات کے لیے وہاں کوئی معمولی سی بھی گنجائش ہے۔

مثلاً پہلی آیت "ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا" جس کا مطلب اور مضمون
حسب تصریحات اکابر صحابہ و تابعین و ائمہ مفسرین یہ ہے کہ۔

"حق تعالیٰ وقت قیامت کو بہت زیادہ مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ اور وہ اس
کی اطلاع اپنے سوا کسی کو نہیں دینا چاہتا"

ظاہر ہے کہ اس آیت میں مذکورہ بالا تینوں تاویلوں میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں نہ
یہاں ذاتی اور عطائی کی بحث ہی چل سکتی ہے اور نہ یہی احتمال ہے کہ اس آیت کے نزول کے
بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت قیامت کا علم دے دیا گیا ہوگا کیونکہ اس
آیت میں ارادۂ الٰہیہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہم اس کا علم کسی کو دینا نہیں چاہتے اور اپنے سوا
سب سے ہم اس کو مخفی اور پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے ہیں۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو وقت قیامت کا علم دے دیا گیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ معاذ اللہ خدا کا
ارادہ بدل گیا اور جس چیز کے متعلق وہ اپنی کتاب عزیز میں اعلان فرما چکا تھا کہ "میں
اس کو مخفی رکھوں گا" اُس نے اپنے اس اعلان کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم پر اس کو ظاہر فرما دیا۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علواً کبیراً۔

بہرحال اس آیت کریمہ میں پہلی اور دوسری تاویل کا حال تو یہ ہوا اور تیسری تاویل
کا نہ چل سکنا بالکل ظاہر ہے کیونکہ وہ صرف انہی آیات سے متعلق ہے جن میں علم ساعت
وغیرہ کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے۔ الغرض اس آیت میں مذکورہ بالا تینوں تاویلوں

میں سے کسی ایک کی بھی گنجائش نہیں اور یہی ہمارا مدعا تھا۔

علیٰ ہٰذا دوسری آیت میں "لا یجلیہا لوقتہا الا ھو" کے الفاظ بھی ان تینوں تاویلوں کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ کیونکہ حسب تصریحات مفسرین اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ حق تعالیٰ خود قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ اس سے پہلے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دے گا۔

دیکھئے قاضی بیضاوی و ملا معین بن صفی و علامہ ابوالسعود کی عبارات نمبری (۳۹) و (۴۱) و (۴۲) زیر آیت دوم صفحہ ۱۴۴)

علاوہ ازیں یہ کہ یہ آیت (یعنی یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی۔ الآیة) بلکہ اکثر وہ آیتیں جن میں علم قیامت کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ کفار کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ وہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بار بار کہتے تھے کہ۔

"اگر آپ خدا کے نبی اور رسول ہیں تو بتلائیے کہ قیامت کب آئے گی۔"

اُن کے اس نا روا سوال کے جواب میں ان آیات میں بعنوانات مختلفہ یہ فرمایا گیا کہ "اس کا علم بس خدا ہی کو ہے" پس اس کا یہ مطلب بیان کرنا کہ۔

"وقت قیامت کا علم ذاتی مجھے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) نہیں بلکہ خدا ہی کو ہے۔"

ان آیات کو مسخ کرنا ہے۔ کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا۔ بلکہ نفس علم کا وہ سوال کرتے تھے۔ پس اُن کے جواب میں یہ کہنا کہ "مجھے اس کا علم ذاتی نہیں بلکہ خدا ہی کو ہے" معاذ اللہ سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہوگا اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اس سے پاک اور بری ہیں۔

نیز اگر بالفرض غلط ان آیات کا مطلب یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ سوال کرنے والے کفار عرب (جو اہل لسان اور ان آیات کے اصلی مخاطب تھے) وہ بھی یہی سمجھتے

اور اس صورت میں لامحالہ اُن کی طرف سے یہ کہا جاتا کہ حضرت! ہم کو علم ذاتی اور عطائی سے بحث نہیں۔ ہم تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ "قیامت کب آئے گی؟" اگر آپ کو اس کی کچھ خبر ہو تو بتلا دیجیے۔ لیکن اُن کی طرف سے یہ نہیں کہا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن اہل لسان نے بھی ان آیات کو علم ذاتی کی نفی پر محمول نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی وقتِ قیامت کا مطلق علم نہیں اور اس کی خبر نہیں تنہا اسی کو ہے۔ اُس نے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی ہے اور یہی مطلب حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین نے سمجھا چنانچہ اُن کے تفسیری اقوال میں کہیں "استاثر اللّٰہ بعلمہا" اور کہیں "لم یطلع علیہ" اور کہیں "لم یعلم علمہ" اور کہیں "لم یطلع علیہا ملکاً ولا رسولاً" اور کہیں "لم یطلع علیہ احداً من خلقہ" اور کہیں "لم یطلع علیہ غیرہ" اور کہیں "لم یخبر بہ احد من ملک مقرب و نبی مرسل" اور ان کے ہم معنی الفاظ (جو غیر مشتبہ طور پر علم عطائی کی نفی پر بھی دال ہیں)

ناظرین کرام پہلے عبارات منقولہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں جن سے اس خیال باطل کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں غیر اللہ سے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے نہ علم عطائی کی۔

اور علی ہٰذا ان آیات کے متعلق یہ کہنا کہ اُن کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کا علم دے دیا گیا ہوگا۔ محض بے دلیل ہے۔ اور شرعیات بالخصوص اعتقادیات میں ایسے غیر ناشی عن دلیل احتمالات باطل و مردود ہیں۔ خصوصاً جب کہ اُن کے خلاف دلائل بھی قائم ہوں۔ جیسے کہ یہاں "ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا" اور "لا یجلیہا لوقتہا الا ہو" جیسے نصوص موجود ہیں جو منطوقاً پکار رہے ہیں کہ اس کی اطلاع قبل از وقت کسی کو نہیں دی جائے گی۔

نیز اس اختفا کی جس حکمت کی طرف آیت کریمہ "ثقلت فی السمٰوٰت و

الارض لا تأتیکم الا بغتة " میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جس کو حضرات مفسرین امام رازیؒ۔ قاضی بیضاویؒ۔ علامہ زمخشریؒ۔ امام نسفیؒ وغیرہ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اس کا اقتضا یہی ہے کہ اس کے آنے سے پہلے مکلفین کو اس کی اطلاع نہ دی جائے۔

علاوہ ازیں آیت نمبر ۱۲ میں قرآن مجید نے " فیم انت من ذکراھا الی ربک منتھاھا " اس حقیقت کو صاف طور پر واضح کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت قیامت کا علم ہونا حکمت الٰہیہ میں مناسب نہیں۔ پس یہ کہنا کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا ہوگا۔ یا عطا فرما دیا گیا تھا محض باطل اور خلاف نصوص ہے۔

اس کے علاوہ ارباب بصیرت کے لئے یہاں ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ ان آیات میں علم قیامت کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص بتلایا گیا ہے۔ اور ہر جگہ تعبیرات میں اس تفرد و اختصاص کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ اکثر آیات میں کلمہ حصر " انما " لایا گیا ہے۔ اور بعض جگہ نفی و استثناء سے اس اختصاص کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور کہیں ظرف کو مقدم کر کے یہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ بہرحال ان تمام تعبیرات و عنوانات کا مفاد یہی ہے کہ قیامت کے وقت کا علم بس حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اسی اختصاص کو حضرات مفسرین نے استیثار اور تفرد کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے کسی وقت بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اس کا علم ہو ورنہ تفرد باقی نہیں رہے گا۔ اور قیامت کے آنے کے بعد جو عام مخلوقات کو اس کی خبر ہوگی وہ اس تفرد کے منافی نہیں۔ فتفکر فانہ دقیق۔

بہرحال بوجوہ مذکورہ بالا یہ خیال قطعی باطل ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے وقت خاص کا علم عطا فرما دیا گیا تھا۔ اور اس سے زیادہ باطل خیال یہ ہے کہ ان آیات میں علم قیامت کو بس حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے۔ دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ لہٰذا دوسرا

کے متعلق یہ آیات ساکت ہیں۔"

حالانکہ ان تمام آیات میں جن میں علم ساعت کو حق تعالیٰ کی طرف رد کیا گیا ہے بہ وجوہات حصر موجود ہیں۔ اکثر جگہ تو یا اِنّما ہے اور کہیں کہیں ظرف کی تقدیم ہے۔ اور حصر کی حقیقت یہی ہے کہ ایک کے لئے اثبات ہو اور ماسوا سے نفی ہو۔ اور اسی لئے حضرات مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں اس چیز کو واضح بھی کر دیا ہے۔ جیسا کہ ناظرین کرام ان کی عبارات میں اس کو ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ان آیات میں علم قیامت کو حق تعالیٰ کے لئے ثابت کیا گیا ہے دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی گئی اور ماسوا اللہ کے علم و عدم علم سے یہ آیات ساکت ہیں شرمناک جہالت یا افسوسناک تجاہل ہے۔

یہاں تک اُن آیات کی تاویلات پر مختصر مگر بحمداللہ کافی و وافی تبصرہ تھا۔ جن میں علم قیامت کا مخصوص بحق تعالیٰ ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کی بعض آیات وہ بھی ہیں۔ جن میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف اعلان کرایا گیا ہے کہ "مجھے قیامت کے وقت خاص کی خبر نہیں"۔ چنانچہ آیات نمبر ۵، ۲۰، ۱۸ کا یہی مفاد ہے ان میں رضاخانی حضرات کی طرف سے صرف یہی دو تاویلیں کی جاتی ہیں یعنی ایک یہ کہ ان میں صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ نفی اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ جس وقت کہ یہ آیات نازل ہوئی تھیں اور اس وقت تک درحقیقت آپ کو قیامت کے وقت کا علم عطا نہیں فرمایا گیا تھا۔ لیکن بعد میں عطا فرما دیا گیا۔

ان دونوں تاویلوں کے متعلق ہم ابھی ابھی جو کچھ عرض کر چکے ہیں وہ بہت کافی ہے اور امید ہے کہ اس کے ذہن نشین کر لینے کے بعد کوئی صاحب فہم اس فریب میں مبتلا نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال علم قیامت کے مخصوص بحق تعالیٰ ہونے کے متعلق جو تیرہ آیات ہم نے یہاں پیش کی ہیں وہ بجائے خود ایسا برہان قاطع ہیں۔ جن میں کسی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں۔ اور اُن سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ وقت قیامت کا علم حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور اپنی کسی مخلوق حتیٰ کہ کسی مقرب فرشتہ اور کسی برگزیدہ

پیغمبر کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔ اور نہ اس کی آمد سے پہلے کسی کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔

یہاں تک پہلی تیرہ آیتوں کی تاویلات پر اجمالی تبصرہ تھا۔ (یعنی آیات نمبر ۱۴ تا ۲۶ جن میں مفاتح الغیب یعنی علوم خمس کو حق تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہوئے غیر اللہ سے ان کی نفی کی گئی ہے۔) ان میں بھی مدعیان علم غیب کی طرف سے یہی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ لیکن زیادہ تر زور ذاتی اور عطائی کی بحث پر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسائل علم غیب میں۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے "الکلمۃ العلیا" میں اسی پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں غیر اللہ سے امور خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ نہ کہ عطائی کی۔

لیکن اس دعوے کے بطلان کے لیے صرف وہ احادیث و آثار کافی ہیں۔ جو ہم ان آیات کے ذیل میں سابقاً نقل کر چکے ہیں۔ بالخصوص حضرت ربعی بن حراش و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیثیں نمبری (۱۴۵) و (۱۴۶) اور امیر المومنین حضرت علی و حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تفسیری ارشادات نمبری (۱۴۴ و ۱۴۵) جن کو قارئین کرام رسالہ ہذا کے صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور جن میں صاف صاف تصریح ہے کہ ان امور خمس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا گیا۔ ان احادیث و آثار کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ آیات زیر بحث میں غیر اللہ سے امور خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے نہ کہ عطائی کی۔ تو گویا دیدہ و دانستہ وہ بدنصیب اس کا مدعی ہے۔ کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

علیٰ ہذا اس موقع پر بعض مدعیان علم غیب کا یہ ادعا کہ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امور خمس تعلیم فرما دیئے گئے تھے۔ محض بے دلیل اور بالکل باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ کا وہ مکالمہ جو صفحہ گزشتہ میں درج کر چکے ہیں اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت قیامت کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔

ما المسئول عنها باعلم	کہ اس بارہ میں میرا علم تجھ سے زیادہ نہیں۔
من السائل في خمس لا	(یعنی وقت قیامت کی بابت جس طرح تجھ کو خبر
يعلمهن الا الله ان الله	نہیں اسی طرح مجھے بھی خبر نہیں) وہ ان
عنده علم الساعة	پانچ چیزوں میں داخل ہے۔ جن کو خدا کے
الآية۔	سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس روایت کی بعض صحیح الاسناد طرق میں یہ بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ کی یہ گفتگو حضورؐ کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں ذیل حدیث جبرئیل رقمطراز ہیں کہ۔

ورواه ابن منده في	اس حدیث جبرئیلؑ کو ابن مندہ نے کتاب
كتاب الايمان باسناده	الایمان میں اپنی اسناد سے جو علی شرط مسلم
الذي على شرط مسلم	صحیح ہے بطریق سلیمان تیمی بروایت حضرت
من طريق سليمان التيمي	فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا
في حديث عمر اوله ان	ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ
رجلا في آخر عمر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف
النبي صلى الله عليه	کے آخر میں ایک شخص یعنی جبرئیلؑ ایک
وسلم جاء الى رسول	اجنبی شخص کی شکل میں حضورؐ کی خدمت اقدس
الله صلى الله عليه	میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت
وسلم فذكر الحديث	صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ کی
بطوله فتح الباری	پوری گفتگو کا ذکر ہے اور آخر میں حضرت

شرح صحیح البخاری جبرئیل کی طرف سے وقتِ قیامت کا
صـ۹۲ـ ۔ پارہ اوّل ۔ سوال اور حضورِ اقدس علیہ السّلام کی جانب سے
اس کا سند بجد بالا جواب مذکور ہے)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضور کی عمر شریف کے آخری حصّہ تک
بھی آپ کو یہ علوم خمس نہیں عطا فرمائے گئے تھے ۔ پھر نہ معلوم کہ چودہویں صدی کے
ان مدعیان علم غیب نے کہاں سے یہ معلوم کیا کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور خمس کا بھی پورا پورا علم عطا فرما دیا گیا تھا ۔ سہ

سرِ خدا کہ عارف و زاہد بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مدعیان علم غیب کی

اس غلط فہمی کا اصل منشا درحقیقت یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور خمس میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی والہام کے ذریعے حاصل تھا اور آپ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی۔

چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کے واقعات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

ثم یرسل اللہ مطرا لا	پھر یعنی (یاجوج ماجوج) کے فتنے کے بعد
یکن منہ بیت مدر	اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر بارش نازل فرمائے
ولا وبر۔ رواہ الترمذی	گا۔ جس سے شہر یا گاؤں کا کوئی مکان
(مشکوٰۃ)	خالی نہ رہے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور کو قیامت کے قریب ہونے والی اس بارش کی اطلاع سینکڑوں برس پہلے ہو گئی تھی۔ اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب حالت حمل میں تھے تو حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس خواب سے ان کو بہت زیادہ وحشت ہوئی اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر انہوں نے ماجرا عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رأیت خیرا تلد فاطمة — تمہارا یہ خواب اچھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے)

انشاء اللہ غلاما یکون فی حجرک الحدیث۔ (مشکوۃ)

کہ میری لخت جگر فاطمۃ الزہرا کے یہاں ان شاء اللہ لڑکا ہوگا۔ جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے حضور کو معلوم تھا کہ بطن سیدہ فاطمہ سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ اور غزوہ خیبر کے موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا۔

لاعطین ھذہ الرایۃ غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ و رسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ۔

میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب بھی ہوگا۔ اور محبوب بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کو کل آئندہ کی ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ آئندہ کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں فرمائیں ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعات مستقبلہ کا علم تھا۔

اور غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے پہلے حضور نے صنادید کفار کی قتل گاہیں بتا دی تھیں اور ارشاد فرمایا تھا۔

ھذا مصرع فلان غدا ان شاء اللہ و ھذا مصرع فلان غدا ان شاء اللہ او کما قال۔

کل انشاء اللہ اس جگہ فلاں کافر قتل کیا جائے گا اور اس جگہ فلاں کافر۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض لوگوں کے مقام موت کا بھی علم تھا اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔ الغرض ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ ان خاص امور مستقبلہ

مقام موت۔ غرض ان چاروں چیزوں کا علم حاصل تھا۔ اور انہیں روایات کی بنا پر مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کے متبعین کا یہ دعوےٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف ان پانچوں چیزوں کو بھی محیط تھا۔ اور ان کا خیال ہے کہ ان دونوں آیتوں (آیت وعندہ مفاتیح الغیب الآیۃ) اور آیت (ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ) میں ان چیزوں کے صرف علم ذاتی کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے یا یہ آیات منسوخ ہو چکی ہیں یعنی ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچوں چیزوں کا علم عطا فرما دیا گیا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ مانا جائے۔ تو ان آیات اور مذکورہ بالا روایات میں ایسا تعارض ہوگا۔ جو کسی طرح نہ اٹھ سکے گا۔ بہر حال یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف ان پانچوں چیزوں کو بھی محیط ہے۔

مدعیانِ علم غیب کے پاس یہی مندرجہ بالا روایات ہیں۔ اور اپنی کم فہمی یا کج فہمی کی وجہ سے انہوں نے انہی روایات سے دھوکا کھایا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ غلط فہمی کا منشا کبھی باقی نہ رہے۔

ان روایات کا ایک مختصر اور مسکت جواب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے طرز پر تو یہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ ہمارا استدلال آیات قرآنیہ سے ہے اور ہم بحمد اللہ بدلائل قاطعہ ثابت کر چکے کہ ان آیات میں صرف علم ذاتی ہی کی نفی نہیں ہے بلکہ نفی علم عطائی کو بھی حاوی ہے اور نیز ہم اس احتمال کا بھی خاتمہ کر چکے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم عطا فرما دیئے گئے ہوں۔ اور ان سب کی تائید میں ہم احادیث صریحہ مرفوعہ بھی پیش کر چکے پس ان آیات صریحہ مفسرہ بالاحادیث المرفوعۃ کے مقابلہ میں اخبار آحاد کو پیش کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ فافہم

عہ۔ اخبار آحاد ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن کی راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں اس حد کو نہ پہنچی ہو کہ عقل ان کے جھوٹے ہونے کو محال سمجھے گزشتہ بحث علوم خمس کے ثبوت میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔ ۱۲ منہ

بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب "الفیوض الملکیہ علی الدولۃ المکیہ" ص ۱۵۱ پر اسی علم غیب کی بحث میں فرماتے ہیں۔

نصوص نقلیات کا تعارض بالکل ساقط۔ (الدولۃ المکیہ ص ۱۵۱)	اخبار آحاد نصوص قرآن کے معارضہ میں نہیں پیش کی جا سکتیں۔

نیز یہی فاضل موصوف اپنے دوسرے رسالہ "انباء المصطفیٰ" ص ۳ پر علم غیب ہی کی بحث میں فرماتے ہیں۔

"عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی"

پس ہم فاضل موصوف ہی کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں ان مذکورہ بالا اخبار آحاد سے استناد فاضل بریلوی اور ان کے اتباع کی ہرزہ بافی ہے۔ لہٰذا تو اب سب فاضل موصوف کی گردن پر مگر یہ جواب فاضل بریلوی کے طرز پر دیا گیا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ گو مقابل کے لئے یہ مسکت ہو لیکن ہمارے ناظرین کے لئے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم اصل تحقیقی جواب بھی عرض کرتے ہیں۔ اس جگہ ہمارے ناظرین کے لئے خلجان کا باعث اور مخالفین کے لئے غلط فہمی کا منشا صرف یہی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کو (جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امور خمس کی بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے) ہماری پیش کردہ آیات کے معارض سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی تعارض کے دفع کرنے کے لئے ہمارے مخالفین نے آیات کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور بعض نے تقدیم و تاخیر کا احتمال تصنیف فرما کر آیات کو محض منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آیات و احادیث میں فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ آیات میں امور خمس کے علم کلی کی نفی کی گئی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں (نزول باراں، ما فی الارحام وغیرہ) کا علم کلی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور احادیث مذکورہ سے صرف ان کی بعض جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہوتا ہے۔ اور ایجاب جزئی سلب کلی کی نقیض تو ہو سکتا ہے لیکن رفع

سے اخبار آحاد ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن کے راویوں کی تعداد اس قدر ہو کہ ان سے علم یقینی حاصل نہ ہو۔ ان کے علم ہونے کو بتانے کے لئے گزشتہ پر علم غیب کے ثبوت میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔ ۱۲ منہ

ایجاب کلی کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔

اب ہم اس کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ ان آیات کریمہ میں علم کلی ہی کی نفی کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

یہاں نفس الامر میں تین ہی احتمال ہو سکتے ہیں :-

۱- ایک یہ کہ ان آیات کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا جائے جیسا کہ اکثر معیان علم غیب کا خیال ہے ان کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ وقت قیامت، نزول باران، مافی الارحام، واقعات مستقبلہ اور مقام موت ان چیزوں کا علم ذاتی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

۲- دوسرا احتمال ان آیات میں یہ ہے کہ بطور سلب کلی ان پانچوں چیزوں سے ہر قسم کے علم ذاتی و عطائی کلی و جزئی کی نفی مقصود ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ ان امور میں سے کسی ایک جزئی کا علم بھی خدا کے سوا کسی کو کسی طرح حاصل نہیں۔

۳- تیسرا احتمال یہ ہے کہ صرف علم کلی کی نفی مقصود ہو جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے پہلا احتمال تو احادیث مرفوعہ اور ارشادات صحابہؓ سے مردود ہے ہم چودھویں آیت "ان الله عنده علم الساعة" الآیۃ " کے ذیل میں وہ احادیث و آثار نقل کر چکے ہیں۔ جن سے یہ احتمال قطعاً باطل ہو جاتا ہے چنانچہ رسالہ ہذا کے صفحہ نمبر ۹۰ پر آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ربعی بن حراش اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے جو مرفوع حدیثیں درج ہو چکی ہیں۔ اور صفحہ ۹۲ پر حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے جو تفسیری ارشادات فتح الباری اور در منثور کے حوالے

ف۔ ایک چوتھا احتمال رفع ایجاب جزئی کا بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن چونکہ یہاں اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو ذکر سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

نقل کیے گئے ہیں۔ ان سے اس باطل خیال کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں غیر اللہ سے صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے علاوہ ازیں یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ علم ذاتی کسی مخلوق کو کسی چیز کسی بات اور کسی ایک ذرہ کا بھی نہیں ہو سکتا پھر قرآن پاک کی ان آیات میں صرف انہیں پانچ چیزوں کے علم کی کیوں[1] نفی کی گئی۔ ان خاص پانچ چیزوں کا اس موقع پر ذکر کرنا خود بتلا رہا ہے کہ یہاں محض علم ذاتی ہی کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ نفی علم عطائی کو بھی حاوی ہے۔ بہرحال پہلا احتمال تو دلائل نقلیہ اور قرائن عقلیہ دونوں سے مردود ہے۔

علیٰ ہذا دوسرا احتمال (سلب کلی) کا بھی غلط اور باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم خداوندی ان امور (نزول باراں، ما فی الارحام) وغیرہ کی بعض مختصر جزئیات کا علم ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور فریق ثانی کی طرف سے جو روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں وہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ البتہ اگر کو یہ کہنا کہ آیات زیر بحث کے نزول کے وقت تک آپ کو ان امور کی کسی جزئی کا بھی علم نہ تھا بلکہ بعد میں عطا کیا گیا ہے اور اب گویا اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ آیات منسوخ ہو چکی ہیں قطعاً غلط اور محض جہالت ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ مابعد میں اپنی ذات سے علوم خمس کی نفی کرتے ہوئے بطور استشہاد ان آیات کی تلاوت نہ فرماتے۔ حالانکہ رسالہ ہذا کے صفحہ پر ربیع بن حراش رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہم نے نقل کی ہے وہ حضور کی حیات طیبہ کے آخری زمانہ[2] کی ہے اور اس میں بھی حضور نے سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ

---

[1] اور اگر اس نفی کو ذاتی و عطائی سے عام مان لیا جائے تو اس تخصیص کے لئے وہ وجہ صحیح ہو سکتی ہے جس کو امام رازی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے۔ ۱۲

[2] اس دعوے کا ثبوت کہ یہ حدیث بھی حضور کی حیات طیبہ کے آخری زمانہ کی ہے۔ ان شاء اللہ کتاب ہذا کے حصہ دوم میں عرض کیا جائے گا۔

کیا علم میں سے کوئی چیز ایسی بھی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں۔؟"
ارشاد فرمایا کہ،

قد علمنی اللہ خیراً کثیراً و ان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب

بے شک اللہ نے مجھے بہت سے اچھے علوم عطا فرمائے اور یقیناً بعض علوم وہ بھی ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا (مثلاً) وہ پانچ چیزیں جو سورۃ لقمان کی اس آخری آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ میں مذکور ہیں۔

غداً وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔

اور علیٰ ہذا حضور کی عمر شریف کے آخری حصہ میں جب حضرت جبرئیل نے ایک اجنبی کی شکل میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند اور سوالات کے بعد یہ سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب روایت حضرت ابن عباس و ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ۔

سبحان اللہ خمس لا یعلمہن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الآیۃ

سبحان اللہ! پانچ چیزیں تو وہ ہیں جن کا علم خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں اور وہ وہی ہیں جو سورہ لقمان کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

بہرحال یہ دونوں روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ حیات کی ہیں اور یقیناً اس زمانہ سے بہت پہلے آپ کو ان پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم ہو چکا تھا کیونکہ سیدنا حضرت امام حسین کی ولادت، غزوۂ خیبر، غزوۂ بدر، یہ تمام واقعات بہت پہلے کے ہیں۔ لیکن پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے ان علوم خمس کی نفی کرتے ہوئے سورۂ لقمان کی اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان بعض جزئیات کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی یہ آیت محکم رہی اور اس میں جس علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی وہ نفی آخر تک برقرار رہی۔ لیکن ان

عہ ۔ ان کا ثبوت ہم اسی بحث میں ابھی پیش کر چکے ہیں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

روایات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ ان آیات میں جس علم کی غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی وہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا اور گویا یہ آیات اپنے مضمون کے لحاظ سے منسوخ ہو چکیں صریح جہالت اور محض الحاد ہے۔ الغرض ہماری اس تقریر سے دوسرا احتمال بھی رد کہ ان آیات میں غیر اللہ سے بطور سلب کلی امور خمسہ کے ہر قسم کے علم ذاتی وعطائی کلی وجزئی کی نفی کی گئی ہو، باطل ہو گیا۔ اور صرف تیسرا ہی احتمال باقی رہا اور وہ یہ کہ ان آیات میں امور خمسہ کے صرف علم کلی کی نفی کی گئی ہے اور یہی احتمال صحیح ہے اور ہماری پیش کردہ چودھویں اور پندرھویں آیتوں کا مطلب یہی ہے کہ ان پانچوں چیزوں کا علم کلی صرف خدا کو ہے اس کے سوا کسی کو نہیں نہ بالذات نہ بالعطاء۔ اور عرض کیا جا چکا ہے کہ اس صورت میں ان آیات اور مذکورہ بالا روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا کیونکہ ان روایات سے صرف علم جزئی ثابت ہوتا ہے اور آیات میں علم کلی کی نفی کی گئی ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ ایجاب جزئی اور رفع ایجاب کلی میں کوئی منافات نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مدعیان علم غیب امور خمسہ کا علم ثابت کرنے کے لئے جو روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف بعض جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہوتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایسی ایسی سینکڑوں ہزاروں جزئیات منتشرہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دوسرے مقبولین ومقربین کو عطا فرما دیا ہو۔ ہاں ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ ان امور کا علم کلی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور یہی ہماری پیش کردہ آیات ۱۴ و ۱۵ سے ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم تفصیل عرض کر چکے۔

اگر ناظرین کرام نے ہماری اس تقریر کو بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ تو ہم امید کرتے ہیں کہ علوم خمسہ کے بارے میں ان کے تمام شکوک وشبہات انشاء اللہ رفع ہو گئے ہوں گے۔ اور مخالفین کی تمام تاویلات وتحریفات کا جواب بھی وہ اس سے سمجھ چکے ہوں گے۔

یہاں ہم اس بحث میں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اگرچہ اس کے متعلق ابھی اور

ابھی بعض اہم اور ضروری مباحث باقی ہیں جن کو ہم انشاء اللہ کتاب ہذا کے باب دوم
میں ذکر کریں گے۔ واللہ الموفق والمعین وعلیہ نتوکل وبہ نستعین۔
اب تک ہم اہل بدعت کے عقیدہ "علم غیب" "علم جمیع ماکان وما یکون" کے
خلاف پندرہ صاف صریح آیات پیش کر چکے ہیں جن میں صرف وقت قیامت یا
تمام امور خمس کے علم کی غیر اللہ سے نفی کر کے اس کو بعض ذات وحدہٗ لاشریک
کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی دوسری آیات ملاحظہ ہوں۔
جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امور خمس کے علاوہ بعض دیگر کائنات کا علم بھی حق تعالیٰ
کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

آیت (۱۶)

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ (مدثر)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔
ونمیداند لشکر پروردگار ترا مگر او تبارک وتعالیٰ۔ (فتح الرحمٰن)
اور حضرت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔
اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی۔ (از امام التراجم)
اس آیت کا شان نزول جو امام ابن جریر اور علامہ بغوی وغیرہ نے حضرت ابن عباس
اور قتادہ وغیرہ کی روایت سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ جب اسی صورت کی پہلی آیات میں
جہنم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتلایا گیا کہ
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ اس پر خدا کی طرف سے انیس ۱۹ فرشتے مسلط ہیں۔ تو
ابوجہل وغیرہ بعض احمق اور سرکش کافروں نے کہا کہ انیس سے نمٹ لینا تو کچھ مشکل نہیں
ہے ہم بہت آسانی سے ان سے نمٹ لیں گے تو یہ آیات[1] نازل ہوئیں جنہیں

---

[1] وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً سے لے کر آخر تک ۱۲ منہ۔

پہلے تو یہ بتلایا گیا کہ یہ انیس تم جیسے انسان نہیں ہیں کہ اُن سے نبٹنا آسان ہو بلکہ وہ فرشتے ہیں۔ جن میں سے ایک ایک زمین کے تختہ کو اُلٹ سکتا ہے پھر خاص انیس کے عدد کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا پھر اس آیت میں بتلایا کہ یہ مت سمجھو کہ اللہ کے پاس بس یہی انیس فرشتے ہیں بلکہ اُس کا لشکر اتنا کثیر ہے کہ اُس کا خدا کے سوا کسی کو علم بھی نہیں۔

چنانچہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وما یعلم جنود ربک الا ھو، قال مقاتل ھذا جواب لابی جھل حین قال اما لمحمد اعوان الا تسعۃ عشر۔ قال عطاء و ما یعلم جنود ربک الا ھو یعنی من الملئکۃ الذین خلقھم لتعذیب اھل النار ولا یعلم عدتھم الا اللہ والمعنی ان تسعۃ عشر ھم خزنۃ النار ولھم من الاعوان والجنود من الملئکۃ ما لا یعلمھم الا اللہ عز و جل۔	مقاتل نے کہا ہے کہ یہ ابوجہل کی بات کا جواب ہے اُس نے کہا تھا کہ کیا محمد کے بس انیس ہی مددگار ہیں۔ اور عطا کہتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ فرشتوں کے جو لشکر اہل دوزخ کی عذاب دہی کے لئے خدا نے پیدا کئے ہیں اُن کی شمار کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں یعنی جہنم کے داروغہ گرچہ انیس ہی ہیں لیکن اُن کے ماتحت یا مددگار فرشتوں کے جو لشکر ہیں وہ تو اتنے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو اُن کی خبر ہی نہیں۔

(معالم التنزیل ص۱۴۲ ج ۷)

اور اسی کے قریب علامہ علی بن محمد خازن علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ملاحظہ ہو تفسیر خازن ص۱۴۲ ج ۷ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای ما یعلم عددھم و کثرتھم الا ھو تعالیٰ۔	مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لشکروں کی شمار اور اُن کی کثیر تعداد کا کسی کو علم نہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص۴۴۳ ج ۱۰)

علامہ نسفی حنفی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

(وما یعلم جنود ربک) لفرط کثرتها (الا هو) فلا یعز علیه تتمیم الخزنة عشرین ولکن له فی هذا العدد الخاص حکمة لا تعلمونها۔

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کی تعداد کو اُن کی بے انتہا کثرت کی وجہ سے بجز اُس کے کوئی بھی نہیں جانتا پس اُس کے لئے اُنیس کو پورے بیس کر دینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اس خاص عدد میں اُس کی کوئی خاص حکمت ہے جس کو تم نہیں جانتے۔

(تفسیر مدارک التنزیل صـ۳۲۲ ج ۴)

اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں چند وجوہ لکھے ہیں جن میں سے پہلی وجہ جو اُن کے نزدیک راجح ہے یہ ہے کہ۔

ان القوم استقلوا ذالک العدد فقال تعالیٰ۔ وما یعلم جنود ربک الا هو فهب ان هؤلاء تسعة عشر الا ان لکل واحد منهم من الاعوان والجنود ما لا یعلم عددهم الا الله۔

قوم نے اُنیس کے اس عدد کو بہت قلیل سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے پروردگار کے لشکروں کی تعداد کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سو بے شک یہ تو اُنیس ہی ہیں لیکن اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ مددگار اور لشکر ہیں۔ جن کی شمار کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(تفسیر کبیر صـ۲۰ ج ۸)

اگرچہ یہ آیت کریمہ اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل واضح ہے مگر تاہم ہم نے اپنے التزام کے مطابق چند مفسرین کی عبارات نقل کر دیں جو اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے عساکر بالخصوص ملائکہ کی تعداد کا علم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔ حالانکہ یہ جنود الٰہی بھی ماکان ومایکون میں سے ہیں پس یہ آیت کریمہ اس کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم تفصیلی محیط

حاصل نہ تھا۔

اللہ کی شان ہے کہ یہی مضمون ایک جگہ اسی آیت کریمہ کے حوالہ سے مدعیانِ علم جمیع ماکان وما یکون کے رئیس جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کی زبان سے بھی نکل گیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات حصہ چہارم کے صفحہ پر آپ کا ایک ملفوظ درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

زمین سے سدرۃ المنتہٰے تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے اس سے آگے مستوی۔ اس کے بعد اللہ جانے۔ اس سے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں ہر حجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو برس کا فاصلہ اور اس سے آگے عرش اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں۔ حدیث میں ہے آسمانوں میں چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتے نے سجدے میں پیشانی نہ رکھی ہو۔ فرمایئے کس قدر فرشتے ہیں وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(ملفوظات حصہ چہارم)

آیتِ کریمہ میں رضاخانی تاویلات اور انکے جوابات

اس آیت کریمہ میں بھی عام طور پر مدعیانِ علم غیب کی طرف سے وہی دو فرسودہ تاویلیں کی جاتی ہیں ایک یہ کہ یہاں صرف علم ذاتی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا تھا۔ مگر یہ دونوں تاویلیں یہاں بھی نہیں چل سکتیں۔ پہلی تاویل تو اس واسطے مردود ہے کہ علم ذاتی باجماع مسلمین وباتفاق فریقین ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہوسکتا۔ پس اگر آیت کا مطلب یہ قرار دیا جائے گا کہ حق تعالے کے لشکروں اور اس کے ملائکہ کا علم ذاتی اس کے سوا کسی کو نہیں تو جنود اللہ اور ملائکۃ اللہ کی کثرت پر اس کی دلالت نہ ہوگی کیونکہ ہم عرض کرچکے کہ علم ذاتی تو ایک چیز بلکہ ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس آیت میں جنود الٰہی کی بے انتہا کثرت ہی بیان

کرنا مقصود ہے کہ وہ اس قدر ہیں کہ ان کا تفصیلی علم خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں۔ الغرض علم ذاتی کی نفی مراد لینے کی صورت میں آیت کا مطلب اور مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی وقت جنود اللہ کا تفصیلی علم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور مخلوق کو حاصل ہو گیا تھا تب بھی آیت کریمہ کا مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ مضمون ہی غلط ہو جائے گا کیونکہ آیت کا مفاد تو یہ ہے کہ اللہ کے لشکر اتنے کثیر ہیں کہ اس کے سوا کسی کو ان کا علم ہی نہیں اور جب یہ مان لیا گیا کہ خدا کے سوا فلاں مخلوق کو اس کا علم تفصیلی محیط حاصل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس قدر کثیر نہیں ہیں کہ کسی مخلوق کو ان کا علم تفصیلی حاصل ہی نہ ہو۔

بہرحال دوسری تاویل کی صورت میں بھی آیت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور ملائکہ کی غیر معمولی کثرت کے ذریعہ سے جو حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی سلطنت کی وسعت کا بیان کرنا مقصود تھا اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اس آیت کریمہ میں جو حق تعالیٰ کی مدح کی گئی ہے وہ کہ اس کے لشکر اس قدر کثیر ہیں کہ کسی مخلوق کو ان کا علم ہی نہیں، یہ مدح باطل ہو جائے گی۔ الغرض مذکورہ بالا دونوں تاویلوں میں سے کسی تاویل کی بھی اس آیت میں گنجائش نہیں۔

اس آیت کا ایک اور جواب بھی دیا گیا ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے الدولۃ المکیہ میں ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "ہمارا دعویٰ ان اشیاء کے علم تفصیلی محیط کا ہے جو ابتداء آفرینش عالم سے یوم قیامت تک عالم وجود میں آئیں اور یہ ضروری نہیں کہ جن جنود اللہ یا ملائکۃ اللہ کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ قیامت تک ہی پیدا ہونے والے ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض کی تخلیق قیامت کے بعد ہو اور انہی کے اعتبار سے اس آیت میں علم کی نفی کی گئی ہو اور اس صورت میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا علم نہ ہونا ہمارے مدعا کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ کائنات ما بعد القیامت کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔"

فاضل بریلوی کے اس جواب کی بنیاد اس پر ہے کہ آیت کریمہ میں جنود اللہ کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا علم بھی خدا کے سوا کسی کو نہیں، سو یہ ان جنود اور ملائکہ کے متعلق نہیں فرمایا گیا جو بالفعل موجود ہیں اور مخلوق ہو چکے ہیں بلکہ آئندہ اور وہ بھی قیامت کے بعد پیدا ہونے والے جنود اللہ کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے۔

لیکن فاضل بریلوی کی یہ تاویل نظم قرآن اور مقصد تنزیل سے جس قدر بعید اور ناحق ہے وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ کفار مکہ ابو جہل وغیرہ ملائکہ جہنم کا عدد صرف انیس ۱۹ سن کر ان سے مقابلے کے منصوبے گانٹھ رہے تھے اور اس پر خوشیاں منا رہے تھے۔ کہ رب محمد کے فرشتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے بس وہ انیس ہی تو ہیں۔ اس آیت میں انہی کو یہ جتلایا گیا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اللہ عزّ وجل کے پاس صرف انیس ۱۹ ہی فرشتے ہیں حالانکہ اس کے فرشتے تو اس قدر کثیر ہیں کہ اس کے سوا کسی اور کو تو ان کا علم بھی نہیں ہے۔

پس مقام اور موقع کی اس خصوصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی عقل سلیم اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ یہ کثرت موجودہ فرشتوں کی نہیں بلکہ آئندہ اور وہ بھی قیامت کے بعد پیدا ہونے والے فرشتوں کی بیان کی گئی ہو۔ حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے کہ قیامت کے بعد بھی ملائکہ کی تخلیق کا سلسلہ جاری رہے گا۔ واللہ اعلم

بہرحال سیاق قرآنی اور شان نزول کا تقاضا یہی ہے کہ اس آیت کریمہ میں انہی فرشتوں کی یہ کثرت بیان کی گئی ہو جو اس آیت کے نزول تک مخلوق اور موجود ہو چکے تھے اور غالباً اسی واسطے حضرات مفسرین نے اس کی تصریح بھی فرما دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی من الملٰئکۃ الذین خلقھم   یعنی وہ ملائکہ جن کو اللہ نے جہنمیوں کی عذاب

لتعذیب اھل النار لا یعلم عددھم الا اللہ۔ (رسالہ) — دوزخ کے لئے ہی پیدا کیا ہے اُن کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور علامہ علی بن محمد خازن فرماتے ہیں۔

المعنی ان المغزرۃ تسعۃ عشر وھم اعوانہ وجنودہ من الملائکۃ لا یعلم عددھم الا اللہ تعالیٰ خلقوا لتعذیب اھل النار۔ — آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے داروغہ گو انیس ہی فرشتے ہیں لیکن ان کے مددگار اور ماتحت لشکر فرشتوں میں سے اس قدر ہیں کہ بجز خدا کے کسی کو اُن کی شمار میں معلوم نہیں یہ سب دوزخیوں کی عذاب دہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں "خلقھم لتعذیب اھل النار" اور "خلقوا لتعذیب اھل النار" کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ ان ملائکہ کی کثرت کا اس آیت میں بیان ہے اور جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اُن کی تعداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں وہ وہ ہیں جو آیت ہذا کے نزول کے وقت موجود اور مخلوق ہو چکے تھے۔ البتہ جو فرشتے اس کے بعد مخلوق ہوں گے وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوں گے۔ فافھموا وتاملوا!

ہمارے اس بیان سے ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فاضل بریلوی کی یہ تیسری تاویل بھی سیاق قرآن اور تصریحات مفسرین کے خلاف ہے لہٰذا ناقابل قبول اور اپنے الفاظ میں مردود ہے۔

بہرحال یہ سولہویں آیت بھی ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے وللہ الحجۃ السامیۃ۔

آیت (۱۷)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

پس نمی داند ہیچ نفس ہر چیز پنہا داشتہ شدہ برائے ایشاں از خنکی چشم پاداش داد شدہ بآنچہ می کردند۔ (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمت فرماتے ہیں۔

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلا اس کا جو کرتے تھے۔ (موضح القرآن)

اس آیت سے پہلے اُن ایمان والوں کا ذکر ہے جو اللہ جل جلالہٗ سے ڈرتے ہیں۔ اور جب آیات الٰہی کے ذریعہ اُن کو نصیحت کی جائے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں بالخصوص راتوں کو (جو دنیا کے آرام کرنے کا وقت ہے) اُن کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور اپنے رب کو سے دعائیں کرتے ہیں۔ اور اللہ نے جو کچھ ان کو دے رکھا ہے۔ وہ اس میں سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔

بہر حال ایسے ایمان والوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں دی جائیں گی۔ آیت مندرجہ بالا میں انہیں کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ۔

ایسے ان نیک بندوں کے لیے ان کے اعمال صالحہ کے بدلے میں جو نعمتیں ہم نے چھپا کے رکھی ہیں (جن کے دیکھتے ہی سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی) اُن مخفی نعمتوں کا کسی نفس کو علم نہیں۔

اور چونکہ یہ نعمتیں بھی (جو حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے تیار کر کے چھپا رکھی ہیں) جمیع ماکان و مایکون میں سے ہیں۔ اس لئے اس آیت سے بھی نہایت صراحت اور صفائی سے ثابت ہوا کہ ماکان و مایکون میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا علم بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔

اگرچہ آیت کا مضمون اور اس سے ہمارا استدلال کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ لیکن

چونکہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے اس آیت کی تاویل پر کافی زور قلم صرف کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفسیر میں ہم بھی کسی قدر بسط سے کام لیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

احادیث کریمہ سے اس آیت کی تفسیر

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

یقول اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ذخراً۔ من بلہ ما اطلعتم علیہ ثم قرأ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون۔	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے اُن چیزوں کو بطور ذخیرہ تیار کر کے رکھا ہے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی اُن کا خطرہ ہی گزرا ہے اور یہ چیزیں ماسوا جنت کی اُن نعمتوں کے ہیں جن کی تم کو اطلاع ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔
(صحیح بخاری کتاب التفسیر ص۷۰۶)	فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین الآیۃ

یہ روایت (باختلاف بعض الفاظ) کتب حدیث میں سے صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی نے اس کے متعلق "حسن صحیح" لکھا ہے۔ نیز امام احمد اور

عہ۔ اس موقع پر بعض روایات میں قال ابو ھریرۃؓ اقرأوا ان شئتم" کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ اضافہ شاید حضرت ابوہریرہؓ کا ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ بھی حدیث مرفوع کا جز ہے۔ کما حققہ الاستاذ العلامۃ مولانا محمد ادریس الکاندھلوی فی شرحہ علی المشکوٰۃ شرحاً یحتوی بالعصر فی بعض تعالیقہ ۱۲ منہ عفرلہ۔

ابن ابی شیبہ اور ھناد اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور ابن الانباری نے بھی اس کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے (در منثور ص۱۷۰ ج ۵) اور امام بغوی نے معالم میں اس کی تخریج اپنی سند سے کی ہے (معالم التنزیل ص۱۵۱ ج ۵)

اور حضرت امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

شهدت من رسول الله صلى الله عليه وسلم مجلسا وصف فيه الجنة حتى انتهى ثم قال في آخر حديثه فيها ما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ثم قرء هذه الآية تتجافى جنوبهم عن المضاجع الى قوله يعملون (تفسير ابن كثير ص۴۶۲ ج ۳)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں حاضر ہوا آپ نے اس میں جنت کا حال بیان فرمایا یہاں تک کہ ختم فرما دیا۔ پھر اپنے کلام کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اس میں (یعنی جنت میں) وہ چیزیں بھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کا وہم و خیال وہاں تک پہنچا ہے پھر حضورؐ نے یہ آیت تتجافی جنوبھم عن المضاجع سے جزاءً بما کانوا یعملون تک تلاوت فرمائی۔

واخرجه ایضاً مسلم فی صحیحه

نیز یہی روایت صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ صحاح اور دیگر کتب حدیث میں اس مضمون کی روایات اور بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہاں ہم ان ہی دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سہل بن سعدؓ کی ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کا مطلب یہی بتایا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے کچھ خاص نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کی اطلاع کسی بشر کو نہیں ہے نہ کسی نے ان کو دیکھا نہ سنا نہ جانا۔

حضرات صحابہؓ و تابعین کے ارشادات اس آیت کی تفسیر

اور چونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب کو بھی اس آیت کا یہی مطلب بتلایا تھا اس لئے انہوں نے بھی یہی سمجھا اور دوسروں کو بھی یہی بتلایا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جماعت صحابہ میں سے علم قرآن میں خاص مہارت رکھتے تھے اور جن کی قرآن دانی اور قرآن فہمی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اعتماد تھا جیسا کہ ہم پہلے رسالہ ہذا کے صفحہ ۲ پر تفصیل لکھ چکے ہیں غرض وہی فقیہ الامت معلم القرآن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انه لمكتوب في التوراة لقد اعد الله للذين تتجافى جنوبهم عن المضاجع ما لم تر عين ولم تسمع اذن ولم يخطر على قلب بشر ولا يعلمه ملك مقرب ولا نبي مرسل وانه لفي القرآن فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين۔

تحقیق توراۃ مقدس میں لکھا ہوا ہے۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے جن کے پہلو (ذکر الٰہی کی وجہ سے) اپنی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اُن کا خطرہ گزرا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی فرستادہ پیغمبر اور یہی مضمون قرآن کی اس آیت میں بھی ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین۔

اس کو فریابی اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

(در منثور صفحہ ۱۷۸ ج ۵)

اس روایت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت کا وہی مطلب ہے جو اس سے پہلے احادیث مرفوعہ

سے معلوم ہوا کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے کچھ ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا علم کسی بشر کو کسی طرح بھی نہیں"

بلکہ اس روایت میں بصراحت یہ بھی آگیا کہ ان مخفی نعمتوں کا علم کسی مقرب فرشتہ اور نبی و رسول کو بھی نہیں عطا فرمایا گیا ہے۔

لیکن اس سب کے علاوہ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس مضمون کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات مقدس کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی کرایا جا چکا ہے چنانچہ اس کی تائید صحیح مسلم کی ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے اس میں شعبی سے روایت ہے کہ میں نے صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ منبر پر خطبہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

سأل موسیٰ علیہ السلام ربہ عز وجل ما ادنی اهل الجنة منزلة ... قال ای رب فاعلاهم منزلة قال اولئك الذين اردت غرست كرامتهم بيدي وختمت عليها فلم تر عين ولم تسمع اذن ولم يخطر على قلب بشر قال ومصداقه من كتاب الله عز وجل فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما

موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ رب العزت جل جلالہ سے دریافت کیا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا آدمی کیسا ہوگا؟ (یعنی اس کو کیا کیا نعمتیں حاصل ہوں گی؟) حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا جو حدیث میں مفصل مذکور ہے ہم نے محض بقصد اختصار یہاں اس کو نقل نہیں کیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا میرے پروردگار پھر اعلیٰ درجہ والوں کا کیا حال ہوگا؟ حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ وہ تو وہ لوگ ہیں جن کے اکرام کو میں نے اپنے دست قدرت سے

كانوا يعملون۔ — محفوظ کیا ہے اور اس پر میں نے مہر لگا دی ہے

(صحیح مسلم شریف ص ۲۵۴ ج ۱) — اس واسطے نہ تو کسی آنکھ نے اس کو دیکھا ہے

اور نہ کسی کان نے اس کو سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم و خیال کا وہاں تک گذر ہوا ہے۔
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب قرآن مجید کی یہ آیت کرتی ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزآء بما كانوا يعملون۔

حضرت مغیرہؓ کی اس روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بیان کی صاف تائید ہوتی ہے اگرچہ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے بیان میں تورات مقدس کا حوالہ ہے اور اس مرفوع حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال اور حق تعالیٰ کے جواب کا پس قرین قیاس یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے کا یہ جواب تورات مقدس میں بھی مذکور تھا ساتھ ہی حضرت مغیرہؓ کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس آیت کا مطلب وہی ہے جو ما لقربوا آیت سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مروی ہے۔

قال كان عرش الله على الماء	فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی
فاتخذ جنة لنفسه ثم	پر تھا پس اس وقت اس نے ایک جنت
اتخذ دونها اخرى ثم	(ایک خوش نما باغ) تیار کیا پھر اس کے
اطبقها بلؤلؤة واحدة ثم	نیچے ایک دوسرا ٹکڑا بنایا پھر اس کو ایک
قال ومن دونهما جنتان	موتی سے ڈھانپ دیا پھر فرمایا کہ ان کے
لم يعلم الخلق ما فيها	نیچے دو جنتیں ہیں کہ مخلوق کو معلوم نہیں
وهي التي قال الله فلا تعلم	کہ ان میں کیا ہے اور وہ وہی ہے جس کے

عہ سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان بابت ماہ جمادی الاولیٰ [illegible] ۔

نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون

بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو ان صالحین کے اعمال حسنہ کا بدلہ دینے کیلئے مخفی رکھی گئی ہیں۔

اس کو فریابی اور عبد بن حمیدؒ اور ابن جریرؒ اور محمد بن نصرؒ اور ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ اور ابو الشیخؒ اور بیہقیؒ اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ (درمنثور ص۱۷۹ ج ۵)۔

حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سہل بن سعدؓ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بالا روایات اور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں درحقیقت کوئی تعارض اور تخالف نہیں بلکہ صرف عنوان کا فرق ہے۔ پہلی روایات سے اجمالاً اتنا معلوم ہوا تھا کہ حق تعالیٰ نے کچھ خاص نعمتیں اپنے عباد صالحین کے لئے مخفی رکھی ہیں اور کسی مخلوق کے ادراکات کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں اسی اجمال کی ایک دوسرے عنوان سے کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور سیدنا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اخفی قوم عملہم فاخفی اللہ لھم ما لم تر عین ولم یخطر علی قلب بشر۔ رواہ ابن ابی حاتم۔ (تفسیر ابن کثیر ص۴۶۲ ج ۳)

(اس شب بیدار) قوم نے اپنے عمل کو چھپایا پس حق تعالیٰ نے بھی اس کے لئے وہ نعمتیں چھپا کے رکھیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خطرہ گذرا۔

یہاں تک جو احادیث و آثار منقول ہوئے ان سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو اور انہوں نے اپنے تلامذہ حضرات تابعین عظام کو اس آیت کا یہی مطلب بتلایا تھا کہ۔

حق تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص نیک بندوں کے لئے کچھ ایسی نعمتیں تیار کر کے

چھپا رکھی ہیں جن کا علم کسی بشر بلکہ کسی مقرب فرشتے اور برگزیدہ نبی کو بھی حاصل نہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے التزام کے مطابق چند ائمہ مفسرین کی تفسیری عبارات بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرات ائمہ مفسرین کی تصریحات

عمدۃ المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ای فلا یعلم احدٌ عظمة ما اخفی الله لهم فی الجنات من النعیم المقیم واللذات التی لم یطلع علی مثله احدٌ۔
(تفسیر ابن کثیر ص۴۲۲ ج۳)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو اعلیٰ نعمتیں اور بہترین لذتیں اللہ نے اپنے اُن خاص نیکوکار بندوں کے لیے جنت میں مخفی رکھی ہیں جن کی مثل کسی نے نہیں دیکھی اُن کی عظمت شان کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں۔

اور علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

ولا تعلم نفس من النفوس لا ملک مقرب ولا نبی مرسل فضلاً عن عداهم۔
(تفسیر ابو السعود ص۲۴۳ ج۳)

نفوس مخلوقہ میں سے کوئی نفس نہیں جانتا ان نعمتوں کو (جو ان نیک بندوں کے لیے چھپا کے رکھی گئی ہیں) حتیٰ کہ نہ کسی مقرب فرشتے ہی کو ان کا علم ہے اور نہ کسی فرستادہ رسول ہی کو چہ جائیکہ ان کے علاوہ اور کوئی۔

اور علامہ نسفی حنفی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔

لا یعلم احدٌ ما اعد لهؤلاء من الکرامة۔

کوئی نہیں جانتا اُن خاص مخفی انعامات و اکرامات کو جو ان صالحین کیلئے تیار کئے گئے ہیں۔

(تفسیر مدارک التنزیل ص۲۲۲ ج۳)

اور قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

فلا تعلم نفس لا ملک مقرب ولا نبی مرسل۔	پس کوئی نفس نہیں جانتا حتیٰ کہ نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی فرستادہ رسول ان نعمتوں کو جو حق تعالیٰ نے اپنے خاص عبادت گزاروں کے لئے مخفی رکھی ہیں۔
(تفسیر انوار التنزیل بیضاوی ص ج ۲)	

اور امام بغوی نے معالم التنزیل میں اور علامہ خازن نے لباب التاویل میں اس موقع پر صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت یعنی حدیث قدسی "اعددت لعبادی الصالحین الحدیث" کے نقل پر اکتفا کیا ہے گویا اُن کے نزدیک بھی اس آیت کی تفسیر وہی ہے جو اُس حدیث مرفوع میں کی گئی ہے۔

علیٰ ہذا الخطیب شربینی علیہ الرحمۃ نے تفسیر سراج منیر میں اس جگہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ صدر روایت کے نقل پر اکتفا کیا ہے جس میں تورات مقدس اور پھر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کے حوالے سے بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شب زندہ دار بندوں کے لئے جو خاص نعمتیں تیار کرکے رکھی ہیں۔ اُن کی کسی قسم کی اطلاع کسی بندے کو حتیٰ کہ فرشتوں اور نبیوں کو بھی نہیں۔ (ملخصاً)

آیت ہذا کی تفسیر میں یہاں تک جو احادیث نبویہ یا حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے جو ارشادات اور ائمہ مفسرین کی جو تصریحات نقل کی گئی ہیں اُن سب سے بلا کسی ذہنی جدوجہد کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورۂ سجدہ کی اس آیت (فلا تعلم نفس الآیۃ) کا مطلب یہی ہے کہ۔

"حق تعالیٰ نے اپنے اُن خاص بندوں کے لئے جو اُس کے قہر و جلال سے ڈرتے ہیں اور اُس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ بالخصوص راتوں کو اپنی راحت و آرام قربان کرکے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے اُس رب کی رضا کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور دوسرے امور خیر میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ بہرحال اپنے ان نیک کار بندوں کے انعام و اکرام کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے بہت پہلے کچھ خاص تحائف تیار کرکے چھپا دیئے ہیں۔

اور صحیح مسلم شریف کی حضرت مغیرہؓ والی حدیث قدسی نمبری (۱۹۹) کے بموجب: اُن پر اپنے دست قدرت سے مُہر لگا دی ہے اور اس طرح اُن کو ساری مخلوق کے ادراکات سے مخفی کر دیا ہے کہ نہ وہاں تک کسی کی آنکھ کی رسائی ہے نہ کان کی اور نہ کسی کے وہم و خیال کی حتیٰ کہ ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین کو بھی اُن کا علم نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تیار شدہ مخفی نعمتیں بھی جمیع ماکان و مایکون میں داخل ہیں۔ اور جب کہ اُن کا علم حق تعالیٰ علام الغیوب کے سوا کسی کو نہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط بھی خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ وھو المراد

اس کے بعد ہم حسب وعدہ رضاخانی تاویلات پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔

واللہ الموفق۔

آیت کریمہ میں رضاخانی تاویلات اور اُن کے جوابات

فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الفیوض الملکیہ" میں اس آیت کے پانچ جواب دیئے ہیں ہم اُن کو مع جواب الجواب کے نمبروار نقل کرتے ہیں۔

(۱) آپ کے پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "لا تعلم" کے لفظ سے صرف فی الحال علم کی نفی ثابت ہوتی ہے اور نفی فی الاستقبال سے وہ بالکل ساکت ہے پس آیت کریمہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس کے نزول کے وقت اُن خاص مخفی نعمتوں کا علم کسی نفس کو نہیں تھا۔ رہا یہ کہ اس کے بعد بھی کسی کو ہوا یا نہیں اس پر آیت کی نفیاً یا اثباتاً کوئی دلالت نہیں پس ہو سکتا ہے کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد ختم نزول قرآن تک کسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا علم عطا فرما دیا گیا ہو پس تمامی نزول قرآن سے پہلے کسی چیز کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی ہونا ہمارے مدعا کے خلاف نہیں کیونکہ ہم علم جمیع ماکان و مایکون کی تکمیل حضور کے لئے تمامی نزول قرآن کے وقت مانتے ہیں نہ کہ اس سے پہلے (انتہی ملخصاً)

الجواب

فاضل بریلوی کے اس جواب کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ آیت کریمہ میں صرف فی الحال کی نفی ہے اور استقبال سے وہ بالکل ساکت ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ آیت مقام مدح میں وارد ہے اور اس کا مقصد ان خاص نعمتوں کی اس طرح تعریف کرنا ہے کہ وہ ایسی عجیب و غریب ہیں کہ کسی نفس کو ان کا علم ہی نہیں۔ اور یہ مدح اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب کہ قیامت تک بلکہ ان نعمتوں کے مستحقین کو دیے جانے تک کسی دوسرے کو ان کا علم نہ ہو۔ ورنہ اگر اس دنیا میں دوسروں کو بھی ان کا علم دے دیا گیا۔ تو پھر ان کی یہ مدح باقی نہیں رہے گی اور حق تعالیٰ منزہ ہے اس سے کہ اپنے محبوب بندوں کو دیے جانے والی نعمتوں کا وہ وصف بیان کرے جو چند روز کے بعد ختم ہو جانے والا ہو۔

علاوہ ازیں جس کسی کو قرآن فہمی کا ادنیٰ سلیقہ ہو تو وہ اس آیت کے طرز و اندازِ بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں صرف علم فی الحال کی نفی ہے۔ کیا لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ اور ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ اور ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اور ولا یملکون لانفسہم نفعا ولا ضرا اور ولا یملک لہم ضرا ولا نفعا وغیرہ آیات کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی دلالت صرف نفی فی الحال پر ہے، نفی فی الاستقبال سے یہ ساکت ہیں۔ معاذ اللہ من مثل ہذہ الغباوۃ والغوایۃ۔

(۲) فاضل بریلوی کے دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ۔

آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ جن نعمتوں کا نامعلوم ہونا اس میں بیان کیا گیا ہے وہ فی الحال موجود بھی ہیں اور "اخفی" بصیغہ ماضی سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کا اخفا زمانہ ماضی میں واقع ہو چکا ہے اور اخفا کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ وہ چیز ابھی پردہ عدم ہی میں مستور ہوں اور اس کی تائید میں فاضل موصوف نے کتاب "الابریز" کے حوالہ سے ابن ابی عبداللہ شریف تلمسانی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

المستترة درجات الاول و سطے اقواها ان لا یوجد الشیٔ اصلاً فهو مستتر فی ظلمة العدم.	اختفاء کے چند درجے ہیں ان میں سب سے پہلا اور قوی ترین یہ ہے کہ سرے سے وہ چیز موجود ہی نہ ہو پس وہ بھی عدم کی ظلمت میں مستور و مخفی ہے۔

فاضل موصوف کا مقصد یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ان نعمتوں کا اخفاء بھی اسی نوع کا ہو کہ وہ ابھی موجود ہی نہ کی گئی ہوں بلکہ بعد قیامت کے دار آخرت میں موجود کی جائیں اور اس صورت میں اُن کے نامعلوم ہونے سے علم ما کان و ما یکون کے دعوے پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس سے اصطلاحاً صرف وہی اشیاء مراد ہیں جو قیامت سے پہلے عالم وجود میں آجائیں (انتہے ملخصاً و مشرحاً)

اَلْجَوَابُ

درحقیقت یہ بھی فاضل بریلوی کا مجددانہ مغالطہ ہے آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ، حضرت سہل بن سعد ساعدی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی جو مرفوع و موقوف روایات ہم نے نقل کی ہیں۔ وہ فاضل بریلوی کے اس ایجاد کردہ احتمال کی قطعی بیخ کنی کر رہی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی میں اعددت لعبادی الصالحین اور حضرت مغیرہ کی روایت میں اولئك الذین غرست کرامتهم بیدی وختمت علیها کے الفاظ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اعد الله للذین تتجافی جنوبهم عن المضاجع اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں فاتخذ جنة لنفسه ثم اتخذ دونها اخری ثم اطبقها بلؤلؤة واحدة " کے کلمات صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ موعودہ نعمتیں اب سے بہت پہلے حق تعالیٰ نے تیار کر رکھی ہیں۔ پس فاضل بریلوی کا یہ احتمال کہ شاید یہ نعمتیں قیامت کے بعد دار آخرت میں موجود کی جائیں ان احادیث و آثار سے مردود ہے

ربته الحجرة السامیة۔

افسوس ہے کہ فاضل بریلوی ان روایات سے بالکل غافل نہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث قدسی جو ہم نے آیت ہذا کی تفسیر میں سب سے پہلے نقل کی ہے وہ ان کو اسی بحث میں اس جواب سے چند ہی سطر پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود اس تاویل سے باز نہیں ہے۔ وذلک لیعلم ان العصبیة غشاوة قویة ونسأل الله العافیة۔

(۳) فاضل موصوف کے تفسیری جواب کا حاصل یہ ہے کہ "اس آیت میں جن مخفی امور کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کو آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بتلایا گیا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ کائنات میں سے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کی کچھ خاص تجلیات ہوں اور آیت ہذا میں انہیں کا وعدہ کیا گیا ہو اور اس صورت میں ان کا علم نہ ہونا ہمارے دعوے سے یعنی ما کان وما یکون کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے تجلیات ہمارے دعوے سے مستثنیٰ ہیں، اور ان کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کا علم محیط بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔"

اَلْجَوَاب

یہ بھی فاضل موصوف کا محض مغالطہ ہے اور مذکورۃ بالا تفسیری روایات مرفوعہ وموقوفہ بالخصوص حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کی روایت میں غرست کرامتهم بیدی وختمت علیها فلم ترعین الخ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں فاتخذ جنته لنفسه ثم اتخذ دونها اخری ثم اطبقهما بلؤلؤة واحدة وغیرہ کے الفاظ اس احتمال کی پوری پوری تردید کر رہے ہیں کیونکہ ان کا صریح مفاد یہ ہے کہ یہ مخفی نعمتیں کائنات عالم سے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان کو اپنے دست قدرت سے تیار کر کے بند کر دیا ہے اور ان پر مہر لگا دی ہے۔

الغرض فاضل بریلوی کی یہ تاویل بھی مذکورہ بالا احادیث سے مردود ہے۔

(۴) فاضل موصوف کا چوتھا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ اور حدیث ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ نعمتیں اس عالم شہادت کی نہیں ہیں بلکہ اس عالم غیب کی ہیں جس تک انسانی عقول وحواس کی رسائی نہیں ہوتی یعنی وہ انسانی ادراکات کی دسترس سے بالاتر ہیں" اور یہ اس کے منافی نہیں کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے کسی خاص بندے کو اُن کی اطلاع دیدے۔ پھر فاضل موصوف نے اس امکان کا وقوع ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حتی دخلت الجنۃ فرأیت فیہا	یہاں تک کہ میں جنت میں پہنچا پس میں نے دیکھی
ما لا عین رأت ولا اذن سمعت	وہ وہ چیزیں ہیں کہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا ہے
ولا خطر علی قلب بشر الحدیث"	اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی دل میں ان کا خطرہ گذرا ہے۔

فاضل بریلوی کا مقصد اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ آیت کریمہ اور احادیث مذکورہ میں جن مخفی نعمتوں کے نامعلوم ہونے کا ذکر ہے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا علم عطا فرما دیا گیا بلکہ عینی مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔ ہماری پیش کردہ ستر ہویں آیت "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین" کے متعلق فاضل بریلوی کا یہ آخری جواب ہے اور اپنے نزدیک انہوں نے اس کے ذریعہ سے علماء اہلِ سنت کے اس استدلال کا قلع قمع ہی کر دیا ہے۔

الجواب

لیکن فی الحقیقت یہ بھی فاضل موصوف کا ایک خوب صورت مغالطہ ہے اولاً تو یہی خیال غلط اور باطل ہے کہ آیت واحادیث کا مقصد صرف یہ ہو کہ "یہ نعمتیں عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم غیب کی ہیں" کیونکہ یہ انہی نعمتوں کی خصوصیت نہیں بلکہ عالم

آخرت کی تمام چیزیں حتیٰ کہ خود عالم آخرت، جنت، دوزخ، سب ہی عالم غیب میں سے ہیں۔ پس اس سے ان نعمتوں کی کوئی خاص مدح نہیں نکلی بلکہ کوئی خصوصیت بھی ثابت نہیں ہوئی حالانکہ آیات و احادیث کے الفاظ مدح اور خصوصیت چاہتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بلہ ما اطلعتم کے الفاظ بھی موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص مخفی نعمتیں ان نعمتوں کے ماسوا ہیں جن کی تم کو اطلاع ہو چکی ہے۔" حالانکہ وہ معلوم نعمتیں بھی عالم غیب ہی کی ہیں پس یہ استدراک اس کی واضح دلیل ہے کہ آیت اور حدیث کا مطلب صرف یہی بتلانا نہیں ہے کہ یہ نعمتیں عالم غیب کی ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کی مخفی نعمتوں کی کسی قسم کی اطلاع کسی کو بھی نہیں۔

اور بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں " ولا یعلمہ ملک مقرب ولا نبی مرسل " کے الفاظ نے تو اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی اور تصریح کر دی کہ ان مخفی نعمتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندوں حتیٰ کہ مقرب فرشتوں اور برگزیدہ نبیوں کو بھی نہیں۔ اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ شاید حق تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں میں سے کسی کو ان کی اطلاع دے دی ہو۔

بہرحال فاضل بریلوی کا یہ خیال بھی نصوص حدیث سے مردود و مدفوع ہے۔

رہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی معراج والی محولہ بالا روایت بر تقدیر صحت اس کا جواب اسی قدر کافی ہے کہ اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جن نعمتوں کا مشاہدہ فرمایا وہ بعینہٖ وہی ہیں جن کا ذکر زیر بحث آیت اور منقولہ بالا احادیث میں کیا گیا ہے بلکہ اس کا مفاد تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب معراج میں کچھ ایسی چیزیں ملاحظہ فرمائیں جن کو اس وقت تک نہ کسی نے دیکھا تھا، نہ سنا تھا، نہ جانا تھا، اور ہمارا ایمان ہے کہ بے شک ایسا ہوا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ وہی نعمتیں تھیں

جن کا ذکر زیر بحث آیت اور مذکورۂ بالا احادیث میں کیا گیا ہے اور جن کو حسب روایت معتبرہ بن شعبہؓ و ابن عباسؓ قدرت نے بند کر کے سر بمہر کر دیا ہے اور جن کے اخفا کا اعلان تورات مقدس اور قرآن مبین میں بھی کیا گیا ہے بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی حدیثؓ قدسی میں حق تعالیٰ و تبارک کے یہ الفاظ کہ مِنْ بَلْہَ مَا اَطْلَعْتُمْ عَلَیْہِ ان کو صاف واضح کر رہے ہیں کہ یہ نعمتیں اُن کے ماسوا ہیں۔

اور اگر بفرض ہمارے سامنے یہ تصریح نہ بھی ہوتی جب بھی یہ ماننا ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو عجائبات ملاحظہ فرمائے وہ ان نعمتوں کے علاوہ ہیں جن کے اخفا اور عدم علم کا اعلان آیت و احادیث میں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ و سہل بن سعد (رضی اللہ عنہما) کی روایت کردہ احادیث ہجرت سے بہت بعد کی ہیں۔ پس اگر یہ مان لیا جائے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خاص نعمتوں کو بھی ملاحظہ فرما لیا تھا تو اس واقعہ کے برسہا برس بعد حق تعالیٰ کی طرف

ف۔ حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل فرمائیں۔ مراد یہ ہے فرمائیں اس کو کہ یہ فرمان خدا کا ہے۔ مذکورۂ صدر حدیث ابوہریرہ "یقول اللہ تعالیٰ اعددت" الخ ایسی ہی حدیث ہے اور اسی واسطے اس کے خطاب "ما اطلعتم" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں فافہم ولا تعجل ۱۲۔

ص۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ تو سنہ ۷ ہجری میں حاضر خدمت اقدس ہو کر مشرف با سلام ہوئے ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنی ہوگی اور حضرت سہل بن سعد کی روایت میں تصریح ہے کہ انہوں نے بذات خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مجلس میں یہ حدیث سنی تھی اور کتب رجال و طبقات میں تصریح ہے کہ حضرت سہل اصاغر صحابہؓ میں سے ہیں حتی کہ حضورؐ کی وفات شریف کے وقت ان کی عمر کل پندرہ برس کی تھی پس اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے ابتداء سن شعور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو بھی

سے حضرت کا یہ عمومی اعلان فرمانا کہ ان نعمتوں کو کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے نہ کبھی کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ گذرا ہے، معاذ اللہ غلط ٹھہرتا ہے۔

نیز اس صورت میں ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث قدسی کے بیان فرماتے وقت لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ ان خاص مخفی نعمتوں کا علم اگرچہ عام لوگوں کو نہیں ہے مگر مجھ کو ہے اور میں نے ان کو بچشم خود شب معراج میں دیکھا ہے۔

نیز صحابہ کرام کو بھی چاہئے تھا کہ وہ ان احادیث کی روایت کے وقت اس چیز کو بھی ظاہر کر دیا کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نعمتوں کے متعلق خدا کی طرف سے علی الاطلاق یہ بیان فرمانا کہ کسی کو کسی طرح بھی ان کا علم نہیں ہے سمعی نہ بصری نہ قلبی، اور اپنی ذات اقدس کا بھی اس سے استثناء نہ فرمانا، اور صحابہ کرام کا بھی ان احادیث کو بھی اسی اطلاق کے ساتھ روایت کرنا بلکہ فقیہ الامت معلم القرآن سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صاف الفاظ میں

ولا یعلمہ ملک مقرب ولا نبی مرسل کہ ان خاص مخفی نعمتوں کا علم کسی مقرب فرشتہ اور فرستادہ نبی کو بھی نہیں، فرمانا اس کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان خاص نعمتوں کا علم نہیں عطا فرمایا گیا تھا اور شب معراج میں حضور نے جو ان دیکھی ان سنی ان جانی چیزوں کو جنت میں ملاحظہ فرمایا وہ ان خاص مخفی نعمتوں کے علاوہ تھیں۔ واللہ اعلم۔

بہرحال فاضل بریلوی کی یہ آخری تاویل بھی جس پر انہوں نے بڑے ناز کا اظہار فرمایا ہے محض غلط اور باطل ٹھہری۔ اور ثابت ہو گیا کہ یہ سترھویں آیت بھی ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے۔

وللہ الحجۃ البالغۃ

آیت (۱۸)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ط
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"یاد کن آں روز کہ جمع کند خدا پیغمبران را پس بگوید چہ جواب داده شد شما را گویند
ہیچ دانش نیست ما را ہر آئینہ توئی دانندہ امور پنہانی" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جس دن اللہ جمع کرے گا رسولوں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے ہم
کو خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا" (امام التراجم)

اس آیت میں حق تعالیٰ کے اس سوال کا ذکر ہے جو قیامت کے دن تمام پیغمبروں سے اُن کی قوموں اور اُمتوں کے متعلق کیا جائے گا کہ انہوں نے تمہاری دعوت اور تبلیغ کا کیا جواب دیا؟ آیا ایمان لائے اور تصدیق کی؟ یا کفر کیا اور تکذیب کی راہ اختیار کی؟ انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے۔

لا علم لنا انک انت علام الغیوب۔ ہم کو علم نہیں آپ ہی تمام غیوب کے جاننے والے ہیں

اس آیت میں مفسرین کو ایک اشکال پیش آگیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کے جواب کا فی الجملہ علم ضرور ہے پھر حق تعالیٰ کے سامنے انہوں نے مطلقاً علم کی نفی کیوں کر دی اس کی توجیہ میں چند اقوال ہیں اور چونکہ ان میں سے اکثر میں تعارض نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر درست ہوں۔

ایک قول جس کو علامہ خازن اور امام رازی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ

معناہ لا علم لنا کعلمک انبیاء علیہم السلام کے جواب لا علم لنا کا مطلب

فیعلم ولا تحیط علمہم ما اضمروا وما اظہروا فعلمك فیہم اقدم من علمنا وابلغ۔
(تفسیر خازن صفحہ ۹۹ ج ۲)

یہ ہے کہ خداوندا ہم کو اُن کے متعلق آپ کا سا علم نہیں کیونکہ آپ تو اس کو بھی جانتے ہیں جو انہوں نے زبانوں سے ظاہر کیا اور اس کو بھی جو دل میں پوشیدہ رکھا اور ہم کو صرف اُن کے ظاہری حال کا علم ہے پس آپ کا علم اُن کے بارہ میں ہمارے علم سے زیادہ تام اور زیادہ بلیغ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔

ھو الاصح وھو الذی اختارہ ابن عباس۔
(تفسیر کبیر صفحہ ۲۳ ج ۳)

یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا ہے۔

اور امام ابن جریر طبریؒ نے علی بن ابی طلحہ کی روایت سے اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ نقل کیا ہے۔

یقولون للرب عز وجل لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا۔

انبیاء علیہم السلام کے اس جواب "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو علم نہیں بجز اس علم کے جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر صفحہ ــــ ج ۷)

حضرت ابن عباس سے اس قول کو امام بغویؒ نے معالم التنزیل صفحہ ۹۹ ج ۲ پر اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۱۲ ج ۲ پر اور نیز علامہ خازنؒ نے لباب التاویل صفحہ ۹۹ ج ۲ پر بھی نقل کیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں قول ایک ہی ہیں صرف عنوان کے اجمال و تفصیل کا فرق ہے ورنہ مطلب اس دوسرے قول کا بھی وہی ہے جو پہلے قول کا ہے۔

چنانچہ علامہ خازنؒ اس دوسرے قول کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں

وھذا القول قریب من الاول۔ یہ قول اس پہلے قول کے قریب ہی قریب ہے

اور علی ہذا حافظ ابن کثیرؒ نے تو اس دوسرے قول کا مطلب بالکل وہی لکھا ہے جو پہلے قول میں گذرا چنانچہ اس دوسرے قول کو نقل فرماکر لکھتے ہیں۔

رواه ابن جرير ثم اختاره على	اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس
هذه الاقوال الثلثة ولا شك	سے روایت کیا ہے اور ان تینوں قولوں پر اس
انه قول حسن وهو من باب	کو ترجیح دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ
التأدب مع الرب جل جلاله	قول اچھا ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے ادب
اى لا علم لنا بالنسبة	کے قبیل سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خداوندا
الى علمك المحيط بكل	آپ کے علم محیط کل کے مقابلہ میں ہم کو کچھ علم نہیں
شئ ونحن وان كنا قد	اور ہم کو اگرچہ جواب ملا تھا اور ہم ان کو جانتے
اجبنا وعرفنا من اجابنا	ہیں جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا لیکن
ولكن منهم من كنا انما	بعض ان میں سے وہ بھی تھے کہ ہم کو ان کے
نطلع على ظاهره لا علم لنا	صرف ظاہری حال کی اطلاع تھی اور ان کے
بباطنه وانت العليم بكل	باطن کا ہم کو علم نہیں اور آپ ہر چیز کو جاننے
شئ المطلع على كل شئ فعلمنا	والے اور ہر چیز کی اطلاع رکھنے والے ہیں۔
بالنسبة الى علمك كلا	پس ہمارا علم آپ کے علم کی بہ نسبت مثل
علم انك انت علام الغيوب	عدم علم کے ہے تحقیق آپ ہی تمام غیوب
(تفسیر ابن کثیر ص۱۱۲ ج ۲)	کے جاننے والے ہیں۔

بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان دونوں قولوں میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے انکار علم کا منشا یہ ہے کہ ان کو اپنے بعض امتیوں کے صرف ظاہر کا علم تھا اور باطن کی خبر نہ تھی اسی بنا پر حق جل جلالہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہم کو علم نہیں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے راجح اور قوی ہے اور اسی لیے اکثر ائمہ مفسرین نے دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں اسی کو اختیار کیا ہے

چنانچہ امام رازیؒ نے اسی کو اصح یعنی سب سے زیادہ صحیح کہا ہے اور امام ابن جریر طبریؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسی کے حق میں لا شك انه قول حسن کہا ہے اور امام بغویؒ نے معالم میں اور علامہ علی بن محمد خازن نے لباب التاویل میں اسی قول کو سب سے پہلے نقل کیا ہے اور ان کی عادت ہے کہ وہ قوی ترین قول ہی کو پہلے نقل کرتے ہیں۔

اور خطیب شربینیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ اپنی تفسیر سراج منیر ص۴۳۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

ہم کو علم نہیں اس کا جس کا آپ کو علم ہے کیونکہ آپ غیوب کے جاننے والے ہیں۔ پس آپ کو معلوم ہے وہ جو انہوں نے جواب دیا اور وہ جو ہمارے لئے ظاہر کیا ہے اور آپ کو وہ بھی معلوم ہے جو ہم کو معلوم نہیں یعنی وہ جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھا۔	لا علم لنا بما انت تعلمه لانك انت علام الغيوب فتعلم ما اجابوا وما اظهروه لنا وما لم نعلمه مما اضمروه فی قلوبهم۔

اور علامہ ابو السعودؒ نے اپنی تفسیر ص۳۲ ج ۲ میں اور قاضی بیضاویؒ نے انوار التنزیل ص۲۸ ج ۱ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور ان کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب ہیں اور علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے کہ ہم کو علم نہیں یعنی اپنی قوم کے اخلاص کا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے فرمایا کہ آپ ہی علام الغیوب ہیں۔	(قالوا لا علم لنا) بالاخلاص قومنا و دليله (انك انت علام الغيوب) (تفسیر مدارک التنزیل ص۲۳۲ ج ۱)

بہر حال اس آیت کی تفسیر میں ایک قول تو یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کو عام محققین مفسرین نے اختیار فرمایا ہے اور آیت کے آخری جز انك انت علام الغيوب سے بھی اس کی زبردست تائید ہوتی ہے جیسا کہ امام رازیؒ

اور علامہ نسفیؒ نے اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ یہی قوی ترین قول ترجیح ہے اور اس کی بناء پر آیت ہذا سے ہمارا استدلال بھی بالکل ظاہر ہے۔

کیونکہ اس تفسیر کی بناء پر آیت کا مفاد یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں فرمائیں گے کہ خدا وندا! ہم کو اپنی قوموں اور اپنے امتیوں کے ایمان و اخلاص کا پورا حال معلوم نہیں کیونکہ اُن میں سے بعض ایسے بدنصیب بھی تھے جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ اور ہم کو صرف اُن کے ظاہری حال کا علم ہو سکا غیبوں کا جاننے والا تو تُو ہی ہے۔

اور جب کہ بنی آدم کے جملہ ظاہری و باطنی احوال ماکان و مایکون میں داخل ہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع ماکان و مایکون کا علم اللہ کے سوا کسی رسول کو بھی نہیں اور نہ قیامت تک ہو گا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا یہ بیان قیام قیامت کے بعد ہی ہو گا۔

آیت ہذا کی تفسیر میں ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اگرچہ یہ معلوم ہے کہ ہماری حیات میں فلاں فلاں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا تھا اور ہمارا دین قبول کیا تھا لیکن اُن کو یہ پوری طور پر معلوم نہیں کہ ان میں سے کون کون اس پر قائم رہا اور کس کا کیسا انجام ہوا اور کس کس نے کیا کیا نئی باتیں نکالیں؟ اس لیے وہ فرمائیں گے کہ "لا علم لنا" یعنی ہم کو اُن کے انجام اور ہماری وفات کے بعد کے حالات کا علم نہیں اور جزا و سزا کا تعلق خاتمہ ہی سے ہے۔ اس قول کو امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر ج ۷ ص ۷۹ پر اپنی سند سے ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے اور اسی سے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ص ۱۱۳ ج ۲ پر نقل کیا ہے نیز امام بغویؒ نے معالم ص ۹۹ ج ۲ میں بھی اس کو ابن جریجؒ ہی سے نقل کیا ہے۔

اور علامہ خازنؒ نے لباب التاویل ص ۹۹ ج ۲ پر اور علامہ ابو السعودؒ نے اپنی تفسیر ص ۲۲ ج ۳ پر اس قول کو بغیر کسی خاص شخص کی طرف منسوب کئے "قیل" کے لفظ سے نقل کیا ہے اور علامہ نسفیؒ نے مدارک ص ۲۴۹ ج ۱ پر اور قاضی بیضاویؒ نے انوار التنزیل ص ۱۷۶ ج ۱ پر اور علامہ معین بن صفیؒ نے جامع البیان ص ۱۱۷ پر اس قول کو بطور احتمال کے نقل کیا ہے اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس قول کو نقل فرما کر لکھا ہے کہ اس کی تائید

بھی آیت کے آخری جزو "انك انت علام الغیوب" سے ہوتی ہے۔ تفسیر کبیر ص۴۴۴۔

عام ۔ بہر حال یہ قول بھی فی نفسہ قوی ہے اور کسی مفسر نے اس پر جرح بھی نہیں کی اور اس کی بنا پر بھی آیت سے ہمارا استدلال ظاہر ہے کیونکہ اس صورت میں آیت کا مفاد یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی امتوں پر جو احوال طاری ہوئے ان کا تفصیلی علم ان کو نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ احوال بھی ما کان و ما یکون میں داخل ہیں پس معلوم ہوا کہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی عطا نہیں فرمایا گیا۔ وھو المرام

اس آیت کی ایک تیسری توجیہ جس کے متعلق امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر لکھتے وقت ہی وہ میری سمجھ میں آئی یہ ہے کہ علم سے مراد خاص علم یقینی ہے جو احکام آخرت میں معتبر ہوتا ہے اور مخلوقات میں سے ایک کو دوسروں کے اندرونی احوال کا جو علم ہوتا ہے وہ عام طور پر (باستثناء مخصوصات) ظنی ہی ہوتا ہے اور وہ دنیوی احکام کے اجراء کے لیے کافی ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

نحن نحکم بالظاھر و اللہ یتولی السرائر	ہم تو ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں اور اندرونی احوال کا تعلق اللہ سے ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ

"تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو اور شاید کہ تم میں سے کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو اور وہ اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعوے کا ثبوت پیش کر دے تو ایسی صورت میں اگر میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس کے لئے حلال ہو گیا بلکہ وہ اس کے لئے بھی جہنم کا ٹکڑا ہے" (ملخصاً و مترجماً)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات دنیا میں

سے صحیح ۔ رواہ الائمۃ الستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا بالفاظ مختلفۃ ۱۲ منہ عفی عنہ۔

بھی اپنے امتیوں کے اس قسم کے اندرونی احوال کا جو علم ہوتا تھا وہ عام طور پر ظنی ہی تھا۔ اور چونکہ عالم آخرت کے احکام میں اس کا اعتبار نہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں فرما دیا کہ "لا علم لنا" یعنی ہم کو اپنے امتیوں کے احوال کا علم یقینی نہیں اس توجیہ کو مفسرین میں سے حضرت امام رازیؒ ہی نے تفسیر کبیر ص ۴۶۹ ج ۳ پر ذکر کیا ہے اور یہ بھی ہماری مدعا کے موافق ہے کما لا یخفیٰ۔ ایک چوتھی توجیہ اس آیت کی یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جواب "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! ہم کو معلوم نہیں کہ آپ کے اس سوال میں کیا حکمت ہے" اس قول کو امام بغویؒ نے معالم ص ۹۰ ج ۲ پر اور علامہ خازنؒ نے لباب التاویل ص ۹۰ ج ۲ پر قیل کے لفظ سے نقل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ توجیہ الفاظ قرآن سے بعید ہے اور پھر اس کا قائل تک معلوم نہیں تاہم ہمارے مدعا کے خلاف نہیں۔

ایک پانچویں توجیہ اس آیت میں یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چونکہ معلوم تھا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے امتیوں کا تفصیلی علم حاصل ہے اور ایک ذرہ بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے اس لئے انہوں نے بمقتضائے ادب سکوت اور اللہ کے حوالہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اور اسی بنا پر یہ کہا کہ "لا علم لنا انک انت علام الغیوب" ہم کو علم نہیں آپ ہی غیوب کے جاننے والے ہیں۔ اس توجیہ کو امام رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر ص ۴۶۹ ج ۳ پر محض احتمال کے طور پر سب سے آخر میں ذکر کیا ہے اور وہیں سے علامہ خازنؒ نے تفسیر لباب التاویل ص ۹۰ ج ۲ پر دوسرے تمام اقوال کے بعد نقل کیا ہے لیکن اس کی تائید یا تضعیف میں دونوں مفسروں میں سے کسی نے بھی کوئی لفظ نہیں کہا۔

واضح رہے کہ اس توجیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے امتیوں کے احوال کا پورا پورا علم تھا مگر انہوں نے محض از راہ ادب یہ جواب دیا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جواب میں صرف آخری جز انک انت علام الغیوب کہا جاتا۔ اور "لا علم لنا" نہ کہا جاتا کما لا یخفیٰ علی المتامل المتیقظ۔

بلکہ اس توجیہ کا مطلب یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو احوال امم کا پورا علم یقینی تفصیلی تو تھا نہیں اور جس قدر تھا بھی تو اس کا اظہار اس موقع پر کوئی خاص فائدہ نہ دیتا۔ اس لئے ازراہ ادب انہوں نے یہی جواب دینا مناسب سمجھا لا علم لنا انک انت علام الغیوب بہرحال یہ پانچویں توجیہ بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ بالکل موافق ہے۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اس کو اپنے موافق سمجھ کر "الکلمۃ العلیا" میں اختیار کیا ہے درحقیقت یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس توجیہ کو کسی مفسر نے اختیار بھی نہیں کیا بلکہ محض رازیؒ وخازنؒ نے صرف بطور احتمال کے اور وہ بھی تمام اقوال کے بعد نقل کیا ہے۔ پس اس احتمالی توجیہ کو اختیار کرنا اور ان مذکورۃ الصدر توجیہات سے (جن کو خود رازیؒ وخازنؒ نے ترجیح دی اور نظم قرآن اور روایت ودرایت نے جن کی تائید کی) انکار وانحراف کرنا محض ہوا پرستی اور ہٹ دھرمی ہے۔
واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

ایک چھٹی توجیہ اس آیت میں یہ کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جس وقت یہ سوال ہوگا اُس وقت گھبراہٹ کی وجہ سے اُن کے حواس حاضر نہ ہوں گے اور وہ اُس گھڑی بہت سی باتوں کو بھول جائیں گے اور اسی وجہ سے خدا کے سوال کے جواب میں لا علم لنا کہہ دیں گے۔ اس قول کا ماحصل صرف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا علم سے انکار کرنا ذہول اور نسیان کی بنا پر ہوگا اور یہ ذہول ونسیان اُس وقت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پر طاری ہو جائے گا۔

اس قول کو امام ابن جریر طبریؒ نے حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور سدیؒ سے روایت کیا ہے اور وہیں سے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۲۳ ج ۲ پر نقل کیا ہے لیکن ان دونوں صاحبوں نے اس قول کو اختیار نہیں کیا بلکہ جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے ان ہر دو مفسرین کا مختار وہی قول ہے جو پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا اور معالم التنزیل صفحہ ۹۲ ج ۲ وتفسیر ابی السعود صفحہ ۳۰ ج ۲ میں اس چھٹی توجیہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ تفسیر بھی سلف سے منقول ہے لیکن مفسرین کرام نے اس پر شدید اعتراضات کئے ہیں اور اس کا ضعف چند وجوہ ظاہر کیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں کہ۔

اردو	عربی
اس توجیہ کو اگرچہ اکابر کی ایک بڑی جماعت	وهذا الجواب وان ذهب
نے اختیار کیا ہے مگر وہ میرے نزدیک	اليه جمع عظيم من الاكابر فهو
ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل	عندي ضعيف لانه تعالى
ثواب کے بیان میں فرمایا ہے کہ "اُن کو	قال في صفة اهل الثواب لا
بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی" اور نیز	يحزنهم الفزع الاكبر و
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن بہت سے	قال ايضا وجوه يومئذ مسفرة
(صالحین کے) چہرے چمکتے ہوں گے ہشاش	ضاحكة مستبشرة بل انه
بشاش ہوں گے" بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ بھی	تعالى قال ان الذين امنوا
فرمایا ہے کہ مسلمان، یہود، نصاریٰ، صابئین	والذين هادوا والنصارى
میں سے جو بھی (صحیح معنی میں) اللہ اور یوم	والصابئين من امن بالله و
آخرت پر ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں اُن	اليوم الآخر وعمل صالحا
کو اُن کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کوئی خوف	فلهم اجرهم عند
طاری نہ ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے" پس	ربهم ولا خوف عليهم
جب مومنین صالحین کا یہ حال ہے کہ اُن کو	ولا هم يحزنون فكيف
بھی قیامت کے دن حزن و غم اور خوف نہ ہو	يكون حال الانبياء والرسل
گا بلکہ وہ ہشاش بشاش ہوں گے، تو انبیاء علیہم	اقل من ذلك ومعلوم انهم
السلام کا حال اُن سے کمتر کیونکر ہو سکتا ہے	لو خافوا لكانوا اقل منزلة
(اور اُن پر کیوں اس قدر خوف و ہراس طاری	من هؤلاء الذين اخبر الله
ہو سکتا ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر اُن کو اُس	تعالى عنهم بانهم لا يخافون
دن خوف ہوگا تو وہ اُن سے کم درجے کے ٹھہریں	البتة۔

(تفسیر کبیر ص۶۳ ج ۲) تحریر کے متعلق حق تعالیٰ نے مذکورہ صدر آیات میں خبر دی ہے کہ اُن پر وہاں کوئی خوف نہ ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کا مومنین صالحین سے کمتر ہونا بالبداہت باطل ہے بالفرض اس وجہ سے یہ قول ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

اور علامہ خازن اسی بیہقی توجیہ کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔

وهذا فيه ضعف ونظر لانه تعالى قال فى حق الانبياء لا يحزنهم الفزع الاكبر	اور یہ قول ضعیف ہے اور اس میں نظر ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تو انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں فرما دیا ہے کہ بڑی گھبراہٹ اُن کو غم و حزن میں نہ ڈالے گی تو پھر یہ خیال کیونکر
(تفسیر خازن ص۱۸ ج ۲)	

صحیح ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس قدر خوف زدہ ہوں کہ حواس بھی برقرار نہ رہیں۔

اور علامہ ابو السعودؒ اسی قول کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "لا علم لنا" کی جو علت بیان کی گئی ہے یعنی انك انت علام الغيوب، وہ اس توجیہ کے مناسب نہیں علامہ ممدوح کے الفاظ اسی موقعہ پر یہ ہیں۔ ولا يلائمه التعليل المذکور

(تفسیر ابو السعود ص۸۳ ج ۳)

الغرض یہ بیہقی توجیہ اگرچہ بعض اکابر سلف سے منقول ہے مگر محققین نے بوجوہ مذکورہ بالا اسی کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس کے بعد یہ ناچیز راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر بفرض انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کو کچھ خوف و ہراس کسی وقت ہوگا تو حضور سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ پر بھی ایسا خوف و ہراس طاری ہوگا کہ آپ کے ہوش و حواس کہیں بجا نہ رہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے خانہ ساز عقیدۂ علم جمیع ما کان و ما یکون کے تحفظ کی خاطر اس آیت کے جواب میں یہ تسلیم کر لیا کہ حضور پر بھی

قیامت کے دن ایسا ثبوت وجرمیں ظاہر ہوگا تو حضور کی اس فضیلت اور خصوصیت کی کوئی پرواہ نہ کی جو آپ کے لئے احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب کہ ساری مخلوق پریشان اور بے چین ہوگی اس وقت بھی آپ کو دل جمعی اور استقامت حاصل ہوگی۔

درحقیقت تعصب اور سخن پروری بڑی بلا ہے۔ عاذنا اللہ من ذالک

بہرحال سورۂ مائدہ کی اس آیت "یوم یجمع اللہ الرسل الآیہ" کی تفسیر میں یہ کل چھ احتمال مفسرین نے بیان کیے ہیں جن میں سے یہ آخری احتمال جس کو مولوی احمد رضا خان صاحب نے اختیار کیا ہے حسب تصریح ارباب تحقیق ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے اور پہلے پانچوں اقوال کی بنا پر آیت سے ہمارا استدلال بالکل بے غبار ہے بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی پہلی تفسیر اور الحسن کے بعد والی ابن جریج کی تفسیر کی بنا پر تو ہمارا مدعا بہت ہی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ یہی دونوں تفسیریں قوی اور قابل اعتماد ہیں۔ وللہ الحمد۔

آیت (۹)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ (ہود آخری رکوع)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"و خدا راست علم غیب آسمانہا و زمین۔ و بسوئے او باز گردانیدہ میشود کار ہمہ آن۔ (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سارا کام۔ ([illegible] الترجمہ)

اس آیت میں ظرف (للہ) کی تقدیم حصر کے لئے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کے کل مخفیات کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے اور یہ اسی کی شان ہے

(۱) حاشیہ صفحہ نمبر ۱۱۰ پر ملاحظہ فرمائیے

کہ زمین و آسمان کی کوئی مخفی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

چنانچہ قاضی بیضاویؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولله غيب السموت والارض خاصة لا يخفى عليه منها فيها۔	(آسمان اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) اسی کے ساتھ خاص ہے اور زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز اس پر مخفی نہیں۔
(تفسیر بیضاوی ص۳۴۳ ج ۱)	

آیت ہذا کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد خازنؒ نے تفسیر لباب التاویل کے ص۲۱۲ ج ۳ پر اور علامہ نسفی حنفیؒ نے تفسیر مدارک ص۱۹۱ ج ۲ پر اور خطیب شربینیؒ نے تفسیر سراج منیر کے ص۸۵ ج ۲ پر اور علامہ معین بن صفیؒ نے تفسیر جامع البیان ص۱۸۲ ج ۱ پر بعبارات مختلفہ یہی مضمون ادا کیا ہے۔ حضرت کعب احبارؒ جو کتب قدیمہ کے بھی بہت بڑے عالم تھے فرماتے ہیں۔

خاتمة التوراة خاتمة هود۔	یہ آیت جو ہود کی آخری آیت ہے تورات مقدسہ کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے۔

گویا تورات مقدسہ کا آخری اعلان بھی یہی ہے کہ زمین و آسمان کے کل غیب کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

اس کو عبداللہ بن احمد نے کتاب الزہد میں[+] اور ابن الضریس نے فضائل القرآن میں اور ابن جریرؒ و ابو الشیخ نے اپنی تفسیروں میں روایت کیا ہے کما فی الدر المنثور ص۳۵۴۔ نیز ابن جریرؒ کے حوالے سے حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ خازنؒ و امام بغویؒ نے اپنی تفسیر ص۲۱۲ ج ۳ پر اور خطیب شربینیؒ نے سراج منیر ص۸۵ ج ۲ پر اور علامہ نسفیؒ نے مدارک التنزیل ص۱۹۱ ج ۲ پر بھی اس کو نقل کیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۶۸) اللہ مفسرین کرامؒ نے اس آیت اور اسی جیسی دوسری آیات میں علم کلی کی نفی تا لغیب کی اضافت سے نکالی ہے کیونکہ اسم جنس کی طرح اضافت بھی استغراق کی مفید ہو جاتی ہے جیسا کہ مطول اور اس کے حواشی میں مذکور ہے۔ صفدر

آیت (۲۰)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (نحل ع ۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"وخدائے راست علم پنہان آسمانہا و زمین و نیست کار قیامت یعنی نزدیک قدرت او مگر مانند چشم زدن بلکہ او نزدیک تر است ہر آئینہ خدا بر ہمہ چیز توانا است" (فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اور اللہ کے پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے پلک لگانی یا اس سے قریب، اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

(الہام مترجم)

اس آیت کے صرف پہلے جز سے ہمارا استدلال ہے اور اس کا مضمون بلکہ الفاظ بھی وہی ہیں جو اس سے پہلی آیت میں تھے۔ اس لئے اگرچہ اس کی توضیح یا تشریح میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں تاہم حسب التزام کے مطابق ہم چند ائمہ مفسرین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

قوله تعالیٰ: ولله غیب السمٰوٰت والارض یفید الحصر معناه ان العلم بهذه الغیوب لیس الا لله تعالیٰ۔	حق تعالیٰ کا یہ فرمان ولله غیب السمٰوٰت والارض حصر کا فائدہ دیتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام غیوب یعنی آسمان و زمین کے مخفی امور کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

(تفسیر کبیر جلد ۳۳ ج ۵ ص ۴۳۱)

علامہ معین بن صفی کی عبارات کا حاصل بھی اسی تقریر کی ہے ملاحظہ ہو جامع البیان

اور علامہ نسفی حنفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔

(وللہ غیب السموات والارض) ای یختص به علم ما غاب فیهما عن العباد وخفی علیهم علمه او اراد بغیب السموات والارض یوم القیمة علی ان علمه غائب عن اهل السموات والارض لم یطلع علیه احد منهم۔

(تفسیر مدارک التنزیل ص۲۲۶ ج ۲)

(اور اللہ ہی کو ہے آسمان و زمین کے غیب کا علم) یعنی اُس کے ساتھ خاص ہے اُن تمام چیزوں کا علم جو آسمان و زمین کے اندر بندوں سے غائب ہیں اور اُن کا علم اُن سے مخفی ہے یا اس آیت میں "غیب السموت والارض" سے یوم قیامت مراد ہے اس بنا پر کہ اس کا علم زمین و آسمان کی رہنے والی تمام مخلوق سے غائب ہے ان میں سے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں۔

اور اسی کے قریب قریب قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر کے ص۲۴۲ ج ۱ پر لکھا ہے۔

اور خطیب شربینی کی عبارت سراج منیر میں اس طرح ہے۔

(وللہ) لا لغیرہ (غیب السموت والارض) وهو ما غاب فیهما عن العباد بان لم یکن محسوسا ولم یدل علیه محسوس وقیل الغیب ههنا هو قیام الساعة فان علمه غائب عن اهل السموت والارض۔

(تفسیر سراج منیر ص۲۵۰ ج ۲)

اور صرف اللہ ہی کو نہ اُس کے سوا کسی اور کو زمین و آسمان کے غیب کا علم اور وہ تمام وہ چیزیں ہیں جو زمین و آسمان کے اندر بندوں سے غائب ہیں بایں طور کہ نہ وہ خود محسوس ہیں اور نہ کسی اور محسوس چیز سے اُن کا پتہ لگتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ غیب سے قیامت کا آنا مراد ہے کیونکہ اس کا علم زمین و آسمان کے رہنے والوں سے غائب ہے گویا اس حیثیت سے اس کو غیب السموت والارض سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اور علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

اخبر اللہ عز وجل فی الآیۃ عن کمال علمہ وانہ عالم بجمیع الغیوب ولا تخفی علیہ خافیۃ ولا یخفی علیہ شئ منھا وقیل الغیب ھھنا ھو علم قیام الساعۃ

حق تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے کمال علم کی خبر دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ وہی تمام غیوب کو جاننے والا ہے پس اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب سے اس جگہ قیامت کا علم مراد ہے۔

(تفسیر خازن ص ۲۰ ج ۴)

اور علامہ ابو السعود فرماتے ہیں۔

(وللہ) تعالیٰ خاصۃ لا لاحد غیرہ استقلالاً ولا اشتراکاً (غیب السموات والارض) ای الامور الغائبۃ عن علوم المخلوقین قاطبۃ وقیل غیب السموات والارض عبارۃ عن یوم القیامۃ بعینہ لما ان علمہ بخصوصہ غائب عن اھلھما۔ (تفسیر ابی السعود ص ۲۳۶ ج ۵)

(اور اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) بالخصوص اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں نہ مستقل طور پر اور نہ مشترک طور پر (آسمان و زمین کے غیب کا علم) یعنی ان امور کا علم جو تمام مخلوق کے علم سے غائب ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب السموات والارض سے خاص یوم قیامت مراد ہے کیونکہ اس کا علم بخصوصہ اہل ارض وسما سے غائب ہے۔

ناظرین کرام کو مفسرین عظام کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس آیت کی کل دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ غیب السموات والارض سے زمین و آسمان کے تمام غیوب مراد ہوں (اور یہی تمام مفسرین کے نزدیک راجح ہے اور قوی ہے) اور دوسرے یہ کہ اس سے خاص طور پر صرف علم قیامت مراد ہو بہر تقدیر ہمارا مدعا اس آیت سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کے غیوب عموماً اور قیام قیامت خصوصاً ما کان وما یکون میں داخل ہیں۔

(کما لا یخفیٰ)

آیت (۲۱)

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (الآية) (کہف ع ۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"وے راست علم غیب آسمانہا و زمین چہ قدر بینا است وچہ قدر شنوا ست"

(فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان وزمین کے عجب دیکھتا سنتا ہے۔"

(موضح القرآن)

اس آیت کا مضمون بھی بالکل وہی ہے جو اس سے پہلی دونوں آیتوں کا تھا۔ یعنی یہ کہ "زمین و آسمان کے غیب کا علم کلی صرف حق تعالیٰ کو ہے"

چنانچہ علامہ علی بن محمد خازن علیہ الرحمہ اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

یعنی ان اللہ تعالیٰ لا یخفی علیہ شیء من احوال اہلہما فانہ العالم وحدہ بہ	یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کے حالات میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے وہی تنہا ان کا جاننے والا ہے۔

(تفسیر خازن ص ۱۹۹ ج ۳)

نیز علامہ نسفی علیہ الرحمۃ نے تفسیر مدارک التنزیل ص ۹ ج ۳ پر اور علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے ص ۹ ج ۳ پر اور علامہ جلال الدین محلی نے تفسیر جلالین ص ۲۴۱ پر مختلف الفاظ و عبارات میں تقریباً یہی مضمون ادا کیا ہے۔

رضاخانی تاویلات

ان تینوں آیتوں کے جواب میں رضاخانی حضرات کی طرف سے تین باتیں کہی جاسکتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ان آیات میں کلی غیوب کے علم کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص بتایا گیا ہے اور اس کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور ہمارا دعویٰ کلی غیوب کے علم کا نہیں ہے

بلکہ صرف "جمیع ماکان و مایکون" کے علم کا ہے جو غیب مطلق سے اخص ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان سب آیات میں "غیب السموٰت والارض" کے علم ذاتی ہی کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے اور وہ محل نزاع نہیں۔

(۳) یہ کہ ان آیات کے نزول کے تمامی نزول قرآن تک یہ علم بھی دے دیا گیا ہوگا۔ غرض ان آیات سے اس کی نفی نہیں نکلتی کہ یہ علم جس کا ذکر ان آیات میں ہے وہ بعد نزول ان آیات کے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا نہیں ہوا۔

مولوی احمد رضا خان صاحب وغیرہ کے رسائل علم غیب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی طرف سے ان آیتوں کے جواب میں بس یہی کہا جا سکتا ہے۔ ہماری طرف سے پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ

(۱) ان آیات میں مطلق غیب کا ذکر نہیں بلکہ "غیب السموٰت والارض" کا ذکر ہے اور اسی کو حق تعالیٰ کے لیے خاص کرتے ہوئے دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ اور زمین و آسمان اور اُس کے اندر کی تمام کائنات خواہ وہ غائب ہو یا شاہد۔ مخفی ہو یا ظاہر آپ کے دعویٰ "ماکان و مایکون" میں داخل ہے پس ہمارا استدلال صحیح ہے۔

(۲) دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ علم ذاتی خواہ اُس کا تعلق عالم غیب سے ہو یا عالم شہادت سے۔ اور خواہ ایک ذرہ کا ہو یا اس سے بھی کم کا۔ بہر حال حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور کسی مخلوق کے لئے اُس میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر اگر ان آیات میں محض علم ذاتی مراد لیا جائے گا تو غیب اور وہ بھی "غیب السموٰت والارض" کی تخصیص بے معنی ہو جائے گی۔ (کما لا یخفی علی اھل العلم) پس ان آیات کا مطلب صرف یہی ہے۔ کہ "زمین و آسمان کے تمام غیوب کا علم صرف خدا ہی کو ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کو یہ علم محیط کسی طرح حاصل نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسری تاویل کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں "غیب السموٰت والارض" کے علم محیط کے ساتھ حق تعالیٰ کا تفرد بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے اس کی مدح کی گئی ہے اور یہ مدح جب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ یہ تفرد عارضی نہ ہو۔ دائمی ہو۔ پس اگر یہ مان لیا جائے

کہ یہ علم کسی وقت کسی مخلوق کو بھی کسی طور پر حاصل ہو گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کا تفرد باقی نہیں رہے گا۔ اور ان آیات میں اس تفرد و اختصاص کے ساتھ اس کی جو مدح کی گئی ہے وہ باطل ہو جائے گی۔ (والعیاذ باللہ)

بہرحال یہ تینوں آیتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل محکم ہیں اور ان کا مقتضیٰ یہ ہے۔ آسمان و زمین کے تمام غیوب کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کسی دوسرے کو ہے نہ کسی وقت ہوگا۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ (وللہ الحمد)

آیت (۲۲)

إِنِّیْ أَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"می دانم پنہان آسمان و زمین و می دانم آنچہ آشکارا می کنید و آنچہ پوشیدہ می داشتید" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب فرماتے ہیں۔

"مجھ کو معلوم ہیں پردے آسمان اور زمین کے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو۔" (موضح القرآن)

آیت (۲۳)

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (فاطر ع)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ہر آئینہ خدا دانندہ پنہان آسمانہا و زمین است ہر آئینہ وے دانا است بآنچہ درون است در سینہ ہا" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں" (موضح القرآن)

آیت (۲۴)

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (حجرات ع۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ہر آئینہ خدا می داند پنہان آسمانہا و زمین و خدا بینا است بآنچہ میکنید۔"
(فتح الرحمن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہو" (موضح القرآن)

ان تینوں آیتوں میں حق تعالیٰ نے جو اسم و صفت علم کا یہ کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ ارض و سموات کے کل غیوب کا علم رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی کوئی مخفی سے مخفی چیز ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو نیز وہ تمام بندوں کے کل ظاہری و باطنی احوال و افعال کا بھی عالم ہے اور کسی مخلوق کے دل میں جو خطرہ بھی گذرتا ہے اس کی بھی اس کو پوری طرح خبر ہے اور یہ شان جب ہی زیادہ زیبا ہے جب کہ اس کمال میں کوئی دوسرا اس طور پر کسی وقت بھی اس کا شریک نہ ہو۔ بہرحال جن خوش نصیبوں کو فہم قرآن سے کوئی حصہ عطا ہوا ہے وہ ان آیات سے بادنیٰ تامل اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ زمین و آسمان کے غیوب اور افعال و احوال عباد کا علم کلی صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے کسی دوسرے کو اس نے یہ چیز عطا نہیں فرمائی۔ رضاخانی صاحبان کی طرف سے ان آیات میں بھی شاید وہی تاویلات پیش کی جائیں جو پہلی آیتوں کے ذیل میں عرض کی گئیں۔ اور ان کے جوابات بھی وہی ہیں جو پہلے معروض ہو چکے۔

آیت (۲۵):

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمے میں رقم فرماتے ہیں۔

"میداند آنچہ پیش روئے آدمیان است و آنچہ پس پشت ایشان است
و آدمیان در نمی گیرند خدا را از روئے دانش" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"وہ جانتا ہے جو اُن کے آگے اور پیچھے ہے۔ اور یہ قابو میں نہیں لاتے
اس کو دریافت کر کر" (موضح القرآن)

اس آیت کی تفسیر میں دو احتمال ہیں جن کو اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ "بہ"
کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع کی جائے۔ اس صورت میں آیت کے آخری جز کا مطلب
یہ ہوگا کہ بنی آدم کو حق تعالیٰ کا علم محیط حاصل نہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت
محل نزاع سے غیر متعلق ہوگی کیونکہ ذات خداوندی کے متعلق تو ہم اور مخالفین کو بھی
یہ تسلیم ہے کہ اس کا علم محیط کسی کو بھی حاصل نہیں بلکہ اس کا امکان بھی نہیں۔ دوسرا احتمال
یہ ہے کہ ضمیر "ما بین ایدیھم اور ما خلفھم" کی طرف راجع ہو۔ اسی
احتمال کو امام رازی وغیرہ مفسرین نے قواعد عربیت اور قرینہ مقام سے ترجیح دی ہے
اور اسی بنا پر ہمارا استدلال ہے۔ کیونکہ اس صورت میں آخر آیت کا مطلب یہ ہو
گا کہ حق تعالیٰ کو تو ہماری دنیا و آخرت کا علم کلی حاصل ہے۔ اور بنی آدم کو نہ اپنی دنیا کا
علم محیط ہے اور نہ آخرت کا۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر اس طرح
کی گئی ہے۔

(یعلم ما بین ایدیھم) من امور الآخرة (وما خلفھم)

(اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس سب کو جو اُن کے آگے ہے یعنی آخرت کے معلومات کو اور

عن امور الدنیا (ولا یحیطون به علماً) لا یعلمون ذالك ۔	اس کو جو اُن کے پیچھے ہے یعنی دنیا کی باتوں کو اور وہ احاطہ نہیں کرتے اُس کا یعنی بنی آدم کو دُنیا و آخرت کا علم محیط نہیں۔

(تفسیر جلالین ص۲۴۵)

اور علامہ علی بن محمد خازن اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(ولا یحیطون به علماً) قیل الکنایة ترجع الی ما، ای هو یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم وهم لا یعلمونه والمعنی ان العباد لا یحیطون بما بین ایدیهم وما خلفهم علماً ۔	کہا گیا ہے کہ آیت ہذا میں "بہ" کی ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے آگے اور پیچھے کی سب باتوں کو جانتا ہے اور وہ ان کو نہیں جانتے مطلب یہ ہے کہ بندوں کو علم محیط نہیں ہے اپنے آگے کی باتوں کا اور اپنے پیچھے کی باتوں کا ۔

(تفسیر خازن ص۲۲۴)

نیز امام بغویؒ نے بھی اس موقعہ پر یہی لکھا ہے ملاحظہ ہو تفسیر معالم التنزیل ص۲۲۴۔ آخر میں ان ہر دو مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ "بہ" کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی اسی ترتیب سے دونوں احتمال ذکر کئے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر مدارک ص۴۵ ج۳۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے بھی ان دونوں احتمالوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے انہوں نے قواعد عربیہ اور اقتضائے مقام سے اسی کو ترجیح دی ہے کہ ضمیر کا مرجع ما موصولہ کو قرار دیا جائے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص۲۶ ج۶) اسی راجح احتمال پر ہمارا استدلال بھی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں آیت کا حاصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ:-

"اللہ تعالیٰ ہی کو بنی آدم کی دُنیا اور اُن کی آخرت کا علم محیط ہے اور بنی آدم کو نہ کائنات دُنیا کا علم محیط ہے نہ احوال آخرت کا۔"

اور ہمارے مخالفین کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان وما یکون"

کا علم تفصیلی محیطاً حاصل تھا۔

ہمارے اس استدلال کے جواب میں مخالفین کی طرف سے شاید یہ چار باتیں کہی جائیں۔

(۱) ایک یہ کہ آیت کی تفسیر میں چونکہ دوسرا احتمال بھی ہے اس لئے آیت قابل استدلال نہیں رہی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جس احتمال پر استدلال کی بنیاد ہے اس کی بنا پر بھی دنیا و آخرت کے مجموعہ کے علم محیط کا حق تعالیٰ کے لئے اثبات اور دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے اور ہمارا دعویٰ صرف دنیا کے علم محیط کا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ آیت میں علم ذاتی کا بیان ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد بھی نفی علم پر اس آیت کی دلالت نہیں۔ ان کا جواب بھی بترتیب ملاحظہ ہو۔

(۱) چونکہ دونوں تفسیریں باہم متعارض اور متناقض نہیں۔ اور آیت کریمہ کے الفاظ دونوں معنی کو متحمل ہیں۔ اس لئے دونوں ہی معنی مراد لئے جائیں گے۔ اور ہر معنی کے لحاظ سے آیت حجت ہوگی۔ بہرحال کسی آیت کی تفسیر میں وجوہ متعددہ کا ہونا منافی استدلال نہیں اس مضمون کو خود مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنے رسالہ الدولۃ المکیہ میں اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے الکلمۃ العلیا میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور علماء معتبرین میں سے امام رازیؒ اور زرقانیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(۲) آیت کریمہ میں "ما بین ایدیھم" اور "ما خلفھم" کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ جمیع علوم دنیا اور آخرت کے مجموعہ ہی کا حق تعالیٰ سے خاص کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ علوم دنیا کا احاطہ بجائے خود ایک مستقل اور خاص کمال ہے۔ اور اسی طرح علوم آخرت کا احاطہ ایک مستقل اور علیحدہ کمال ہے۔ اور بنی آدم کو ان دونوں میں سے کسی کا بھی احاطہ حاصل نہیں چہ جائیکہ مجموعہ

کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) آیت ہٰذا میں بنی آدم سے علم محیط کی نفی کی گئی ہے اور ذاتی تو کسی کو ایک ذرہ بلکہ اس سے کمتر کا بھی نہیں ہو سکتا۔ پس یہ کہنا کہ آیت ہٰذا میں صرف علم ذاتی کا بیان ہے اور اسی کی غیراللہ سے نفی کی گئی ہے قرآن مجید کی تحریف ہے۔

(۴) چونکہ یہ آیت مقام مدح میں ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بعد میں دوسروں کو یہ علم محیط دے دیا گیا ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ چیز لائق مدح نہیں رہے گی۔ جیسا کہ پہلے مفصلاً عرض کیا جا چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت (۲۶)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۠ (الاعراف ع ۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"بگو نمی توانم برائے خود نفع رسانیدن و نہ ضرر کردن مگر آنچہ خدا خواستہ است، واگر من دانستمے علم غیب را ہر آئینہ بسیار جمع کردمے از جنس منفعت و نہ رسیدے بمن ہیچ سختی نیستم من مگر بیم کنندہ و مژدہ دہندہ برائے گروہے کہ ایمان دارند" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خوبیاں لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی میں تو یہی ہوں ڈر اور خوشی سنانے والا ماننے لوگوں کو۔"

آیت ہٰذا کے شان نزول میں امام محی السنۃ علامہ بغوی رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ناقل ہیں۔

ان اهل مكة قالوا يا محمد الا يخبرك ربك بالسعر الرخيص قبل ان يغلو فتشتريه فتربح عند الغلاء وبالارض التي يريد ان تجدب فترحل منها الى ما قد اخصبت فانزل الله تعالى قل لا املك لنفسي نفعا ۔ الخ

(تفسیر معالم التنزیل ص۲۶۶ ج ۲)

کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! کیا تمہارا پروردگار گرانی سے پہلے نرخ کی ارزانی کی خبر نہیں دیتا تاکہ آپ اسی ارزانی کی حالت میں خریدیں اور پھر گرانی کے زمانہ میں بیچ کر خاطر خواہ نفع حاصل کریں؟ اور کیا آپ کا رب آپ کو یہ بھی نہیں بتلاتا کہ فلاں زمین پر قحط نازل ہونے والا ہے تاکہ آپ وہاں سے کسی سرسبز و شاداب علاقہ کی طرف کوچ کر جائیں۔

غرض جب مکہ والوں کی طرف سے یہ سوال ہوا تو اسی کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ۔

"اے ہمارے رسول آپ ان ناآشنایان حقیقت سے کہہ دیجیے کہ میں تو خود اپنے نفع اور نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں مگر جو اللہ کو منظور ہو اور اگر مجھ کو غیوب کا علم ہوتا تو میں بہت منافع حاصل کر لیتا اور بہت زیادہ مال و دولت جمع کر سکتا۔ اور مجھ کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہوتی، نہ کبھی کوئی نقصان پہنچتا، حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میرا حال اس کے خلاف ہے پس اسی سے سمجھ لو کہ مجھ کو غیب کا علم نہیں۔ میرا کام تو ماننے والوں کو ہوشیار کرنا اور بشارت سنانا ہے اور اس کے لئے ان غیوب کے علم کی ضرورت نہیں۔"

گویا اس آیت کریمہ میں "عدم استکثار خیر اور مس سوء" کو نتیجہ بتایا گیا ہے عدم علم غیب کا۔ اب صرف یہ چیز قابل غور ہے کہ یہاں "خیر" اور "سوء" سے کون سی بھلائی اور برائی مراد ہے؟ آیا دنیا کی یا آخرت کی؟ اور غیب سے کون غیب مراد ہے؟ اور پھر اس

کہ کس قسم کے علم کی نفی مقصود ہے ؟ ان تینوں چیزوں کی تنقیح کے بعد استدلال کا مطلع بالکل صاف ہو جائے گا۔

پس معلوم ہونا چاہیئے کہ اگرچہ بعض حضرات نے "خیر و سوء" سے بھلائی اور برائی باعتبار آخرت کے بھی مراد لی ہے لیکن وہ کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ یہ چیز قطعی اور یقینی ہے کہ آخرت کی بھلائیاں اور نیکیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور پورا حاصل کیں اور آخرت کی برائیوں سے آپ بالکل محفوظ ہے۔ پس اس صورت میں استکثار خیر اور اجتناب سوء کی نفی کسی طرح صحیح نہ ہو سکے گی۔ اور اسی واسطے محققین مفسرین نے اس قول کو رد کر دیا ہے۔ پس راجح بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہاں خیر و سوء سے دنیاوی نفع نقصان مراد ہے۔ اور اسی سے متعلق اہل مکہ کا سوال بھی تھا۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

اب رہا یہ کہ "غیب" سے یہاں کیا مراد ہے تو اس میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ "مطلق غیب" مراد ہو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مجھے غیب کی کسی بات کی بھی خبر ہوتی تو میں بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ اور نہ کبھی نقصان پہنچتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم بھی ہو جائیں لیکن وہ ایسی نہ ہوں جن کا دنیوی منافع اور مضار سے کوئی خاص تعلق ہو تو صرف اُن کے معلوم ہو جانے سے وہ شخص دنیاوی منافع کی تحصیل اور مضرات سے اجتناب میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہر مسلمان کو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے جنت کا علم ہے۔ دوزخ کا علم ہے۔ پل صراط اور حوضِ کوثر کا علم ہے۔ فرشتوں کا علم ہے۔ جنت کی بہت سی نعمتوں اور دوزخ کی بہت سی تکالیف کی خبر ہے اور یہ سب چیزیں عالم غیب کی ہیں۔ لیکن صرف ان کے معلوم ہونے سے کوئی شخص دنیوی منافع کی تحصیل اور دنیوی مضرات سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ان امور کا دنیوی نفع و نقصان سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں ہے۔ بہرحال یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ مطلق غیب کا علم استکثار خیر اور اجتناب سوء کے لئے کسی طرح بھی کافی نہیں۔

پس آیت ہذا میں لفظ "غیب" سے مطلق غیب تو مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض غیوب کی اطلاع انبیاء علیہم السلام کو شروع ہی سے ہوتی ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور اس کے احکام کی) اس واسطے بھی مطلق غیب کے علم کی نفی وہ حضرات کسی وقت بھی نہیں فرما سکتے۔ پس اس وجہ سے بھی آیت ہذا میں مطلق غیب کے علم کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام کو استغراق حقیقی کے لئے مانا جائے اور غیب سے کل غیوب غیر متناہیہ مراد ہوں اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ

"اگر مجھے تمام غیوب غیر متناہیہ کا بالاستیعاب علم ہوتا تو میں بہت سے دنیوی منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا"

مگر ظاہر ہے کہ دنیوی منافع کی تحصیل اور نقصانات سے اجتناب تمام غیوب غیر متناہیہ کے علم محیط پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لئے صرف اُن غیوب کے علم کی ضرورت ہے جو عادۃً ان تحصیل و اجتناب میں تسبب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

نیز یہ کہ اہل مکہ کا سوال بھی کل غیوب کے متعلق نہیں تھا کہ آپ عدم استکثارِ خیر اور مسِ سوء سے اس کے انتفاء پر استشہاد فرمائیں جیسا کہ "لو" کا مقتضیٰ ہے پس اس آیت کریمہ میں لفظ غیب سے نہ "مطلق غیب" ہی مراد ہو سکتا ہے نہ کل غیوب غیر متناہیہ ہی کا مراد لینا انسب ہے۔ بلکہ اس سے خاص اس نوع کے غیوب مراد لینے چاہئیں جن سے دنیوی منافع اور مضار اس عالم اسباب میں وابستہ ہو سکتے ہیں اور انہی کے متعلق اہل مکہ کا سوال بھی تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ تبعاً اس صورت میں کل غیوب کے علم محیط کی نفی بھی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

تیسری تنقیح طلب چیز یہ رہ جاتی ہے کہ یہاں کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے آیا ذاتی کی یا عطائی کی۔ مدعیانِ علم غیب میں سے بعض حضرات نے اس آیت کا جواب دیتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ یہاں صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ،

پس آیت ہذا میں لفظ غیب سے مطلق غیب تو مراد نہیں ہو سکتا نیز چونکہ بعض
غیوب کی اطلاع انبیاء علیہم السلام کو شروع ہی سے ہوتی ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ اس
کی صفات اور اس کے احکام کی) اس واسطے بھی مطلق غیب کے علم کی نفی وہ حضرات
کسی وقت بھی نہیں فرما سکتے۔ پس اس وجہ سے بھی آیت ہذا میں مطلق غیب کے علم
کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی۔ واللہ اعلم

دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام کو استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے اور غیب سے
کل غیوب غیر متناہیہ مراد ہوں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ "اگر مجھے تمام
غیوب غیر متناہیہ کا بالاستیعاب علم ہوتا تو میں بہت دنیوی منافع حاصل کر لیتا اور مجھے
کوئی نقصان نہ پہنچتا۔"

مگر ظاہر ہے کہ دنیوی منافع کی تحصیل اور نقصانات سے اجتناب تمام غیوب غیر متناہیہ
کے علم محیط پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لیے صرف ان غیوب کے علم کی ضرورت ہے جو عادۃً
اس تحصیل واجتناب میں تسبب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ نیز یہ کہ اہل مکہ کا سوال بھی
کل غیوب کے متعلق نہیں تھا کہ آپ عدم تسلط بر غیوب کل سے اس کے انکار پر استشہاد
فرمائیں جیسا کہ لو کا مقتضی ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں لفظ غیب سے نہ مطلق غیب ہی
مراد ہو سکتا ہے نہ کل غیوب غیر متناہیہ ہی کا مراد لینا انسب ہے۔ بلکہ اس سے خاص اس
نوع کے غیوب مراد لینے چاہئیں جن سے دنیوی منافع اور مضار اس عالم اسباب میں وابستہ
ہو سکتے ہیں اور انہی کے متعلق اہل مکہ کا سوال بھی تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ نتیجۃً
اس صورت میں کل غیوب کے علم محیط کی بھی نفی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

تیسری قابل غور چیز یہ رہ جاتی ہے کہ یہاں کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے؟ ذاتی کی یا
عطائی کی؟ مدعیان علم غیب میں سے بعض حضرات نے اس آیت کا جواب دیتے ہوئے یہ
لکھا ہے کہ یہاں صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ:-

"اگر مجھے ذاتی علم غیب ہوتا اور میں بلا خدا کے بتلائے غیب کی بات کو جان لیتا
تو بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔"

لیکن اس توجیہ کا اجمال اس قدر ظاہر اور واضح ہے کہ بیان کی بھی حاجت نہیں۔
قرآن تو جن اہل فتنہ کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ان کا سوال خود علم زمانی
کے متعلق ہی تھا بلکہ انہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص
قبل ان یغلو...... وبالارض التی ترید ان تجدب الخ یعنی کیا آپ کا پروردگار گرانی سے پیشتر
ارزانی کی خبر نہیں دیتا؟ کیا زمین پر قحط نازل ہونے سے پہلے آپکو اس کی اطلاع نہیں دی
جاتی؟ تاکہ آپ اس کے مطابق عمل کر کے نفع حاصل کریں اور نقصانات سے بچ جایا کریں [illegible]
اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اگر مجھ کو بلا خدا کے بتلائے غیب کا علم ہوتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔
اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی" ہر صاحب عقل کی نظر میں سوال از آسمان جواب از ریسمان"
کا مصداق ہوگا جس سے قرآن صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام یقیناً پاک ہیں۔ اور پھر جب کہ
ان مشرکین کو حضور کے متعلق علم زمانی کا شبہ بھی نہ تھا اور نہ آپ نے کبھی اس کا ادعا کیا تھا بلکہ
آپ کا دعویٰ صرف رسالت کا تھا تو پھر ان کے اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار
کرنا اور اپنی ذات سے علم ذاتی کی نفی کرنا جس کا خود ان مشرکین کو بھی یقین تھا، اور بھی
بے محل بلکہ محض مہمل سی بات ہوگی۔

دوسرے یہ کہ استکثار خیر اور اجتناب عن مس السوء کے لئے اس عالم اسباب میں صرف
اسباب منفعت و مضرت کا معلوم ہونا ضروری ہے نہ کہ معلوم علم ذاتی ہونا۔ ایک سلیم الطبع اور
اور صاحب عقل کو زہر کی مضرت سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ زہر
ہے اور اس کے کھانے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ علیٰ ہذا جو شخص شہد کے منافع حاصل کرنا چاہے اس
کو صرف یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ شہد ہے اور اس سے یہ منافع ہیں۔ اتنا معلوم ہونے
کے بعد وہ اگر چاہے گا تو حسب توفیق الٰہی شہد کھا کر نفع حاصل کر سکے گا اور زہر سے بچ سکے گا۔ بہر حال
اس کے لئے منافع اور مضرات کا علم ذاتی ضروری نہیں، بلکہ مطلق علم اس سبب میں آگ یا
زہر کے بچنے کا ذریعہ ہے۔ پس یہ کہنا کہ آیت ہذا میں علم غیب ذاتی ہی کی نفی ہے اور وہی استکثار خیر
وعدم مس سوء میں مؤثر ہے محض مغالطہ ہے۔

الغرض آیت ہذا میں صرف علم ذاتی ہی کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ان غیوب کے مطلق علم

کی نفی مقصود ہے۔ ان تینوں تحقیقوں کے بعد اس آیت سے ہمارے مخالف کے استدلال کا مطلقاً بالکل بے جا ہو جاتا ہے کیونکہ اب آیت کا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ

اے رسول آپ سے جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا تمہارا پروردگار قحط اور گرانی کی خبر پہلے سے نہیں دیتا کہ تم اس کے بموجب عمل کر کے خواہ منافع حاصل کر سکو اور نقصان و تکلیف سے بچ سکو؟ تو آپ اس کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر مجھے ان تمام غیوب کی خبر ہوتی تو میں بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی تکلیف نہ ہوتی اور نہ نقصان میرے پاس پھٹکتا۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ نہ میں نے کثیر منافع حاصل کئے نہ میں مصائب و رنج سے بچ سکا۔ تو تم سمجھ لو کہ مجھ کو ان غیوب کی خبر نہیں اور نہ ان غیوب کا معلوم کرنا میرے منصب کے لئے ضروری ہے؛ کیونکہ میرا کام جس پر مجھے خدا نے لگایا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں کو شرک و کفر اور عصیان و طغیان کے بد نتائج سے ڈراؤں اور ایمان و اسلام کی بہترین جزا کی خوشخبری سناؤں۔ اس کے لئے ان باتوں کے معلوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کہ غلہ کب تک ارزاں رہے گا اور کب گراں ہوگا اور خشک سالی کب اور کہاں ہوگی؟ اور کون سا علاقہ سرسبز و شاداب رہے گا؟ بہرحال ان امور کا میرے فرض منصبی سے کوئی خاص تعلق نہیں۔

بس یہ ہے اس آیت کا حاصل جو حضرات مفسرین نے مختلف الفاظ و عبارات میں ادا کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر، لعلمت اذا اشتریت شیئاً ما اربح فیہ فلا ابیع شیئاً الا ربحت فیہ ولا یصیبنی الفقر۔ تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۔	اگر میں غیب کو جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔ یعنی اگر ایسا ہو تو جب کوئی چیز خرید کر تجارت کرتا تو مجھے معلوم ہو جاتا اور ہر معاملہ میں مجھ کو نفع ہی ہوا کرتا اور ناداری میرے پاس بھی نہ پھٹکتی۔

اور تابعین و تبع تابعین میں سے بعض مفسرین نے اسی کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:۔

معنی ذلک لو کنت اعلم الغیب لاعددت للسنة المجدبة من المخصبة ولوقت الغلاء من الرخص حکاہ ابن جریر۔ تفسیر ابن کثیر ص ۔	مطلب یہ ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو قحط کے سال کیلئے شادابی کے سال سے اور گرانی کے زمانہ کیلئے ارزانی کے موسم سے سامان تیار کر لیا کرتا۔

اور امام بغوی نے بھی معالم التنزیل میں قریب قریب یہی لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

ای لو کنت اعلم الخصب والجدب لاستکثرت من المال لسنة القحط وما مسنی الضر والفقر والجوع۔ معالم صفحہ ۲۴۲ ج ۲

مطلب یہ کہ اگر میں شادابی اور قحط کے زمانہ کو جانتا تو قحط کے سال کے لیے بہت سا مال پہلے سے جوڑ لیا کرتا اور مجھے تکلیف نہ ہوتی اور ناداری اور بھوک میرے پاس نہ پھٹکتی

اور قریب قریب یہی الفاظ اس موقع پر علامہ خازن کے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر لباب التاویل جلد دوم صفحہ ۲۴۲ ۔ اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ آیت ولو کنت اعلم الغیب کا مطلب یہ ہے کہ :-

ولو کنت اعلم لکانت حالی علی خلاف ما ھی علیہ من استکثار المنافع واجتناب المضار حتی لا یمسنی سوء۔ بیضاوی صفحہ ۳۴۶ ج ۱

اور اگر میں غیب جانتا تو میرا حال اس کے برعکس ہوتا جس میں ہوں یعنی میں بہت سے منافع حاصل کرتا اور مضرتوں سے بچا رہتا یہاں تک کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔

اور علامہ معین بن صفی اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ :-

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ای لکانت حالی من استکثار الخیر واستفراد المنافع واجتناب السوء علی خلاف ما ھی علیہ فلما کنت غالبا مرۃ ومغلوبا اخری ورابحا وخاسرا فی التجارۃ۔ جامع البیان صفحہ ۱۴۴

اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میرا حال موجودہ حال کے برعکس ہوتا یعنی میں خیر کثیر حاصل کرتا اور بہت زیادہ منافع سمیٹ لیتا اور تکلیف و نقصان سے بالکل محفوظ رہتا ایسی صورت میں کبھی غالب رہتا اور کبھی مغلوب کبھی تجارت میں نفع اٹھاتا کبھی نقصان۔ بلکہ ہمیشہ نفع اور غلبہ ہی ہوا کرتا۔

اور علامہ ابو السعود نے اسی مضمون کو بہت زیادہ تفصیل سے لکھا ہے ہم بخوف طوالت پورا مضمون درج نہیں کرتے۔ اس کی آخری سطر جو آیت کے تتمہ ان انا الا نذیر و بشیر کی تفسیر میں لکھی گئی ہے یہ ہے کہ :-

ای ما انا الا عبد مرسل للانذار والبشارۃ شانی حیازۃ ما یتعلق بھما من العلوم الدینیۃ والدنیویۃ لا الوقوف علی الغیوب التی لا علاقۃ بینھا وبین الاحکام والشرائع۔ تفسیر ابو السعود صفحہ ۲۴۴ ج ۲

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں جو ہوشیار کرنے اور بشارت دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میرا کام انہی دینی اور دنیوی علوم کو حاصل کرنا ہے جن کو نذارت و تبشیر سے کوئی تعلق ہو۔ ان غیبوں کی وہ باتیں جن کو احکام و شرائع سے کوئی تعلق نہیں ان کا معلوم کرنا میری شان نہیں

یہاں تک جس قدر بھی تفسیری عبارات درج ہوئیں آپ ان سب پر غائر نظر ڈالیے سب کے

حاصل اور مقصد وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال عدم استکثارِ خیر اور مس سوء کو اس کا شاہد بنایا گیا ہے کہ آپ کو ان غیوب کا پورا علم نہیں جن سے انسان کا نفع و نقصان عادۃً اس عالم اسباب میں وابستہ ہوتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال اخیر زمانہ حیات تک رہا کہ نہ آپ نے استکثارِ خیر کیا اور نہ کبھی مس سوء سے محفوظیت حاصل ہوئی، اس لئے معلوم ہوا کہ ان غیوب کا علم آپ کو اس وقت تک بھی حاصل نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

عدم استکثارِ خیر کے ثبوت کے لیے تو اتنا کافی ہے کہ جس وقت حضور نے وصال فرمایا ہے آپ کی زرہ مبارک چند صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی (رواہ مسلم) اور مس سوء کا ثبوت آپ کا آخری مرض ہے، بالخصوص یہ واقعہ کہ اخیر ایام مرض میں ایک دن جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ مسجد میں میرا انتظار کر رہے ہیں تو آپ نے پانی منگوایا اور غسل فرما کر مسجد جانے کے لیے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر دیر کے بعد جب ہوش آیا اور پھر آپ کو معلوم ہوا کہ ابھی تک لوگ مسجد میں آپ کے منتظر ہیں تو دوبارہ غسل فرمایا اور پھر اٹھے اور پھر غشی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ تین بار ایسا ہی ہوا کہ آپ غسل فرما کر مسجد جانے کے لیے اٹھے اور پھر بیہوشی طاری ہو گئی اور آپ نہ جا سکے اور بالآخر یہی ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ بہرحال یہ تین دفعہ مسجد آنے کے لیے اٹھنا اور ہر بار غشی طاری ہو جانا بھی مس سوء میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ارادہ پورا ہونے والا نہیں ہے اور میں جب غسل کر کے اٹھوں گا تو غشی ہو جائے گی تو یقیناً آپ یہ ارادہ نہ فرماتے اور نہ بار بار مسجد کے لیے اٹھتے۔

بہرحال یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اخیر زمانہ حیات تک عدم استکثارِ خیر اور مس سوء کے باب میں آپ کا حال وہی رہا جو پہلے سے تھا، پس معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی آپ کو ان غیوب کا پورا علم عطا نہیں فرمایا گیا جو استکثارِ خیر اور اجتناب عن مس السوء میں عادۃً مؤثر ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

آیتِ مذکورہ میں رضاخانی تاویلات

آیت کا مطلب اور اس سے جو مدعا ثابت ہے اس کا ثبوت تو ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا اور اسی

کے ذیل میں ضمناً ان تاویلات کا جواب بھی دے دیا گیا جو رضا خانی صاحبان اس آیت میں کرتے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ان جوابات کی تصریح بھی کر دی جائے جو پہلے ضمناً اور اشارۃً مذکور ہو چکے ہیں۔

رضا خانی صاحبان کی طرف سے پہلی تاویل تو یہ کی جاتی ہے کہ اس آیت میں صرف علم غیب ذاتی کا ذکر ہے۔ یہ چیز اگرچہ بعض اگلے علماء کے قلم کی لغزش سے بھی نکل گئی ہے لیکن اس قدر غلط اور پوچ ہے کہ کسی عالم کی طرف اس کا انتساب ہی اس کے دامن علم کے لیے داغ ہے کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اہل مکہ کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا۔ پھر ان کے جواب میں علم ذاتی کی نفی کرنا "سوال از آسمان جواب از ریسمان" کا مصداق ہوگا علاوہ ازیں استکثارِ خیر اور عدمِ مسِ سوء کے لیے علاوہ صرف منافع اور مضار کے علم کی ضرورت ہے نہ کہ علم ذاتی کی جس کا کسی مخلوق کے لیے احتمال بھی نہیں۔ بہرحال ان وجوہ سے یہ تاویل کا احتمال تو بالکل ہی تساقط اور لایعنیہ کے درجہ میں ہے۔

دوسری بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس کے بعد حضور کو یہ علم بھی عطا فرما دیا گیا تھا اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کیونکہ عدم استکثار خیر اور مس سوء حضور کی حیات طیبہ میں آخر تک مستمر رہا اور یہی کہ اس آیت میں عدم علم غیب پر شاہد بتایا گیا تھا تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ علم غیب آپ کو آخر زمانہ تک بھی عطا نہیں ہوا پس آیت کا مکی ہونا استدلال میں قادح نہیں۔

ایک تیسری تاویل بعض لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس آیت میں علم غیب کی نفی محض تواضع و انکساری کی گئی ہے اس میں تو شک نہیں کہ اس میں تواضع اور انکساری بھی ہے لیکن اس تواضع کا یہ مطلب سمجھنا کہ فی الواقع آپ کو ان تمام غیوب کا علم تھا اور آپ نے بطور انکسار معاذ اللہ خلاف واقع عدم علم ظاہر کیا (جیسا کہ ان مدعیان علم غیب کا گمان ہے) انتہائی جہالت ہے پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اپنے متعلق خود حضور کا اپنا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے اور قرآن پاک میں ہے اور حق تعالیٰ شانہ اور اس کی مقدس کتاب اس سے بالا و بری ہے کہ کسی عنوان سے بھی اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی واقعی کمال کی نفی کر کے ان کے مرتبہ کو کم دکھلائے تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

بہرحال یہ آیت مبارکہ بھی ہمارے مدعا پر واضح اور محکم دلیل ہے مگر ہدایت اور استقامت اللہ کی توفیق ہی پر موقوف ہے۔ وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون۔

ستائیسویں آیت

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ (سورۂ ابراہیم ع ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

"آیا نیامدہ است بشما خبر آنانکہ پیش از شما بودند قوم نوح و عاد و ثمود و کسانیکہ بعد از ایشان آمدند نمیداند ایشاں را مگر خدا۔" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"کیا نہیں پہنچی تم کو خبران کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد و ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو" (ماہ قرآن)

اس آیت میں قوم نوح اور عاد و ثمود کے بعد کی بعض ایسی قوموں کا پتہ دیا گیا ہے جن کے حالات حق تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

اس آیت کے تحت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انہ قال بین ابراھیم وعدنان ثلاثون قرنا لا یعلمھم الا اللہ	کہ حضرت ابراہیم اور عدنان کے درمیان تیس قرن ایسے ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(منثور رفانیہ صفحہ ۷۰)

اور بعض روایات میں ہمارے اس کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ

بین عدنان واسمٰعیل ثلاثون اباً لا یعرفون	عدنان اور حضرت اسمٰعیل کے درمیان تیس آباء و اجداد نامعلوم ہیں۔

اخرجہ ابو عبید وابن المنذر کذا فی الدر المنثور صفحہ ۷۰ جلد ۴

حضرت ابن عباس کے اس ارشاد کو علامہ ابو السعود نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۸۰۵ جلد ۳ پر اور علامہ نسفی نے مدارک صفحہ ۲۵۷ جلد ۲ پر اور امام رازی نے تفسیر کبیر صفحہ ۲۲۱ جلد ۵ پر اور خطیب شربینی نے سراج منیر صفحہ ۱۴۹ جلد ۲ پر بھی ذکر کیا ہے۔

اور ابن المنذر نے ابو مجلز سے روایت کیا ہے کہ

قال رجل لعلي بن ابي طالب انا انسب الناس قال انك لا تنسب الناس قال بلى فقال علي رضي الله عنه ارأيت قوله تعالى وعادًا وثمود واصحاب الرس وقرونًا بين ذلك كثيرًا قال انا انسب ذلك الكثير قال ارأيت قوله الم يأتكم نبأ الذين من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم لا يعلمهم الا الله فسكت (درمنثور صفحہ ۷۱ جلد ۴)

ایک شخص نے امیر المومنین حضرت علی سے عرض کیا کہ میں نسب میں سب سے بڑھا ہوں تمام لوگوں کا نسب بیان کر سکتا ہوں حضرت علی نے فرمایا تم سب کا نسب بیان نہیں کر سکتے اس نے کہا کیوں نہیں آپ نے فرمایا کیا تم کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول معلوم ہے اور عاد و ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے درمیان بہت سی قرنیں (حضرت علی کا مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے جن اقوام عاد و ثمود وغیرہ کا ذکر کر کے قرون کثیرہ کے الفاظ میں کیا ہے کیا تم ان کو بھی جانتے ہو؟) اس نے عرض کیا ہاں میں ان قرون کثیرہ کا بھی نسب بیان کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اچھا تم کو حق تعالیٰ کا ارشاد "... الذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ" بھی معلوم ہے (آپ کا مطلب یہ تھا کہ جن اقوام کے متعلق اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ان کا علم تم کو کیونکر ہو سکتا ہے) اس پر تمام انساب کے اس مدعی کو خاموش ہو جانا پڑا۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

كان اذا قرأ هذه الآية يقول كذب النسابون۔

آپ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ پورا نسب بیان کرنے والے کاذب ہیں۔

(اخرجه عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن ابي حاتم درمنثور صفحہ ۷۱ جلد ۴)

وحکاہ ایضاً البغوی فی المعالم والخازن فی اللباب ، و ابوالسعود فی تفسیرہ والرازی فی الکبیر والخطیب فی السراج المنیر

اور ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کے ذیل میں یہی مقولہ روایت کیا ہے ۔ (درمنثور صفحہ ۔ جلد ۴)

اور علامہ نسفی نے براہ راست خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس آیت کے نزول کے وقت ارشاد فرمایا :-

" کذب النسابون " (مدارک) پورا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں ۔

بہرحال اس آیت کے ذیل میں یہ الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیے گئے ہیں اور آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعود اور عمرو بن میمون سے بھی اور مطلب اس کا یہ ہے کہ " نسابین " اس کے مدعی ہیں کہ ان کو حضرت آدم علیہ السلام تک کا کل سلسلہ نسب معلوم ہے ۔ حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے سوا اس سلسلہ کا پورا علم کسی کو بھی نہیں ۔ چنانچہ مفسرین ہی نے اس کا یہ مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

یعنی انھم یدعون علم الانساب الی آدم وقد نفی اللہ علم ذلک عن العباد
مطلب یہ ہے کہ " نسابین " مدعی ہیں کہ ان کو حضرت آدم علیہ السلام تک کا سلسلہ نسب پورے طور پر معلوم ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بندوں سے اس کی نفی فرمادی ہے

(خازن ، معالم ، ابوسعود ، کبیر ، سراج منیر)

اور اسی واسطے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب آدم علیہ السلام تک مسلسل بیان کرے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ان کا مسلک یہی ہے کہ آپ کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک مسلسل بیان کیا جائے کیونکہ بعض درمیانی آباؤ اجداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں (معالم التنزیل صفحہ جلد ۴)

انہ کان فی انتسابہ لایجاوز معد بن عدنان بن اُدد (تفسیر کبیر ، و سراج منیر)
کہ آپ اپنا نسب مطہر بیان کرنے میں معد بن عدنان بن اُدد سے آگے نہیں بڑھتے تھے ۔

آیت مسطورہ بالا کا عنوان اور اس کے ذیل میں جو آثار و روایات مذکور ہیں ان سب سے

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ میں بعض قومیں ایسی ہیں کہ حضور ہی کے سلسلۂ نسب
میں بعض ایسے آباؤ اجداد بھی ہیں جن کا علم اس زمانہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں حتیٰ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پتے طور پر معلوم نہیں۔ واللہ اعلم

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس آیت میں ذاتی اور عطائی کی بحث کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ علم
ذاتی تو غیر اللہ کو کسی ایک چیز کا بھی نہیں ہو سکتا نیز مندرجہ بالا آثار و روایات نے اس احتمال
کا بھی قلع قمع کر دیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان قرون غیر معلومہ اور ان نامعلوم آباؤ
اجداد کا بھی علم دے دیا گیا ہوگا (کما لا یخفی)، بہر حال یہ آیت بھی ہمارے مدعا پر واضح اور مستحکم
دلیل ہے۔

اٹھائیسویں آیت

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۔ (یٰسٓ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمے میں رقم فرماتے ہیں:-

"و نیاموختیم او را شعر و لائق نیست او را۔ نیست این مگر پند و قرآن آشکارا" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو نری سمجھوتی ہے
اور قرآن ہے صاف" (موضح القرآن)

اس آیت کا صریح مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم شعر عطا
نہیں فرمایا اور وہ اللہ کے نزدیک حضور کے لیے مناسب بھی نہیں اور جب قرآن پاک نے
حضور کے لیے علم شعر کو نامناسب اور غیر لائق قرار دے دیا تو احتمال بھی نہیں رہا کہ اس آیت کے
نزول کے بعد دیدیا گیا ہوگا یہی وجہ ہے کہ باوجود انتہائی فصاحت و بلاغت کے آپ سے کبھی ایک
شعر کہنا ثابت نہیں بلکہ جب کبھی آپ نے کسی دوسرے کا شعر بھی پڑھنا چاہا تو اس طرح
پڑھا گیا کہ اس کی شعریت ختم ہو گئی۔

عبد الرزاق اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے

روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ

انه قيل لعائشة رضي الله عنها هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمثل بشيء من الشعر قالت كان ابغض الحديث اليه غير انه كان يتمثل ببيت اخي بني قيس يجعل اوله آخره وآخره اوله ويقول: "ويأتيك من لم تزود بالاخبار"۔ فقال له ابو بكر رضي الله عنه ليس هكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني والله ما انا بشاعر وما ينبغي لي (در منثور)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور کبھی کوئی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ شعر آپ کو سب باتوں سے زیادہ ناپسند تھا البتہ کبھی کبھی آپ بنی قیس شاعر کا یہ بیت "ویأتیک بالاخبار من لم تزود" الٹ پلٹ کر پڑھا کرتے تھے اس طرح کہ من لم تزود کو مقدم اور بالاخبار کو موخر کرکے "ویأتیک من لم تزود بالاخبار" پڑھتے تھے۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! اصل شعر یوں نہیں ہے حضرت نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں اور شعر میرے مناسب بھی نہیں۔

اور ابن سعد و ابن ابی حاتم و مرزبانی نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یہ بیت پڑھا کرتے تھے "کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا" حالانکہ اصل موزوں مصرعہ اس طرح ہے "کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا" مگر حضور اقدس ہمیشہ اسی طرح الٹ پلٹ کرکے پڑھتے تھے۔ پس حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا:

اشهد انك رسول الله ما علمك الشعر وما ينبغي لك (در منثور وابن کثیر)

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول حق ہیں آپ کو شعر کا علم نہیں دیا اور آپ کے لئے وہ مناسب بھی نہیں۔

اور ابن سعد نے حضرت عبدالرحمن بن ابی الزناد سے روایت کیا ہے کہ:

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال للعباس بن مرداس أرأيت قولك "اصبح نهبي ونهب العبيد بين الاقرع و

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن مرداس سے فرمایا ذرا بتلاؤ تو تمہارا کیا قول (شعر) ہے "اصبح نھبی ونھب العبید بین الاقرع وعیینۃ" یعنی

عیینة فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ بابی انت وامی یا رسول اللہ ما انت بشاعر ولا راویه ولا ینبغی لک انما قال بین عیینه والاقرع۔ ابن کثیر ۲۴۴

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں نہ آپ خود شاعر ہیں نہ شعر کے راوی ہیں اور نہ آپ کے لیے یہ سزاوار ہے اصل مصرع یوں ہے: ”بین عیینه والاقرع“

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کریمہ وما علمنٰہ الشعر کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

یقول عز وجل مخبرا عن نبیه محمد صلی اللہ علیه وسلم انه ما علمه الشعر وما ینبغی له ای ما هو فی طبعه فلا یحسنه ولا یحبه ولا تقتضیه جبلته ولهذا ورد انه صلی اللہ علیه وسلم کان لا یحفظ بیتا علی وزن منتظم بل ان انشده زحفه او لم یتمه وقال ابو زرعة الرازی حدثنا اسمعیل بن مجالد عن ابیه عن الشعبی انه قال ما ولد عبد المطلب ذکر ولا انثی الا یقول الشعر الا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (ذکره ابن عساکر) تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۷ ج ۳

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ وہ ان کے لئے مناسب ہے یعنی وہ آپ کی طبیعت میں داخل نہیں ہے اس لئے نہ وہ آپ کو پسند ہے اور نہ آپ کی فطرت اس کی مقتضی ہے اور اسی لئے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیک وزن پر ایک شعر بھی محفوظ نہ تھا بلکہ جب آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو اس کو گرا دیتے تھے یا نا تمام پڑھتے تھے اور ابو زرعہ رازی اپنی سند سے شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ عبد المطلب کی اولاد میں کوئی بچہ لڑکا یا لڑکی ایسا پیدا نہیں ہوا جو شعر نہ کہتا ہو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اور علامہ علی بن محمد خازن تفسیر ”لباب التاویل“ میں فرماتے ہیں۔

(وما علمناه الشعر وما ینبغی له) ای ما یسهل له ذلک وما یصلح منه بحیث لو اراد نظم شعر لم یتأت له ذلک کما جعلناه امیا لا یکتب ولا یحسب لتکون الحجة اثبت والشبهة

(اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ آپ کے لیے وہ سزاوار ہے) یعنی نہ آپ کے لئے سہل ہے اور نہ آپ سے بن سکتا ہے یہاں تک کہ اگر آپ ایک شعر نظم کرنا چاہیں تو یہ آپ سے نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس طرح جس طرح کہ ہم نے آپ کو امی بنایا ہے کہ نہ آپ لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب کتاب کر سکتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے ہے

او حصن۔ قال العلماء ماکان یتزن له بیت شعر وان تمثل بیت شعر جری علی لسانه منکسراً۔ (تفسیر خازن ۳۳۳)

کہ بحث ہو رہی تھی بر محل کے ساتھ تو نظم ہو جانے اور شک و شبہ کیلئے گنجائش نہ ہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شعر موزوں نہ ہوتا تھا اور اگر کسی کا شعر کبھی پڑھا تو ٹوٹ پھوٹ کر یعنی بے وزن ہو کر آپ کی زبان مقدس پر جاری ہوا۔

اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس موقع پر یہی مضمون کچھ اختصار کے ساتھ ادا کیا ہے (معالم التنزیل ص ج ۴) ——— اور علامہ نسفی حنفی اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں فرماتے ہیں۔

(وما علمناه الشعر) وما علمنا النبی علیه السلام قول الشعراء او وما علمناه بتعلیم القرآن الشعر علی معنی ان القرآن لیس بشعر۔

(اور ہم نے نہیں سکھایا انکو شعر) یعنی ہم نے پیغمبر علیہ السلام کو شعراء کے قول کا علم نہیں دیا یا یہ کہ ہم نے قرآن کی تعلیم سے شعر کی تعلیم نہیں دی اس معنی کر کہ قرآن شعر نہیں ہے۔

اس کے بعد "وما ینبغی لہ" کی تفسیر میں علامہ موصوف نے بھی قریب قریب وہی لکھا ہے جو علامہ خازن نے فرمایا۔ (مدارک ص ج ۴)

یہاں تک جو روایات اور جو تفسیری عبارات مذکور ہوئیں ان کی روشنی میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے شعر کا علم عطا نہیں فرمایا اور حکمت الٰہی میں وہ حضورؐ کے شایان شان بھی نہ تھا اور آپ کی طبع مبارک کو شعر شاعری سے بہت زیادہ بعد تھا۔

آیت ہذا میں رضاخانی تاویلات

مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی متعدد تحریروں میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مطلق شعر کی نفی کی گئی ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا" ——— اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اسی کے ساتھ ایک دوسری تاویل یہ بھی

کی ہے کہ اس آیت میں شعر سے شعر عرفی مراد نہیں ہے بلکہ شعر منطقی مراد ہے اور اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے رسول کو قیاس شعری نہیں سکھایا جو مقدمات مخیلہ اور قضایا کاذبہ سے مرکب ہوتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں تاویلوں کا ہمارے استدلال پر کوئی اثر نہیں، کیونکہ شعر سے خواہ ملکۂ شاعری مراد ہو یا شعر منطقی دونوں چیزیں ماکان وما یکون میں داخل ہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کی نفی حضرت سے ہو گئی تو جمیع ماکان وما یکون کا دعویٰ باطل ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم

مولوی حشمت علی صاحب نے سنبھل کے مناظرہ میں اسی آیت کا جواب دیتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کہنا ثابت ہے اور اس کے ثبوت میں صحیح بخاری سے وہ روایت پیش کی تھی جس میں مذکور ہے کہ غزوہ حنین میں آپ یہ رجز پڑھتے تھے ؎ انا النبی لا کذب - انا ابن عبد المطلب

اس کا جواب جو اس مناظرہ میں بھی دیا گیا تھا یہ ہے کہ اس قسم کے رجز جو بلا قصد شعر گوئی زبان پر جاری ہو جائیں عرف اور اصطلاح میں شعر نہیں کہے جاتے پس غزوہ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رجز پڑھا وہ سرے سے شعر ہی نہیں جیسا کہ اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ شارحین حدیث نے تصریح فرمائی ہے نیز امام بغوی علامہ خازن، علامہ نسفی وغیرہ تمام مفسرین نے بھی اس آیت وما علمناہ الشعر کے تحت میں اس کو صاف کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر مدارک میں ایک یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجز میں کذب کی ب کو زبر اور "مطلب" کی ب کو زیر پڑھا تھا جس کے بعد اس میں شعری موزونیت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ بہرحال اس رجز سے نص قرآن کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم شعر ثابت کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضور نے معاذ اللہ شعر کہا ہے افسوسناک جہالت اور خطرناک ضلالت ہے۔

فتاویٰ قاضی خان[۲۵۰] میں علماء حنفیہ سے ایسے شخص کی تکفیر نقل کی ہے جو یہ کہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کوئی شعر کہا ہے۔ قاضی خان[۳۳۹] (کتاب الردۃ)

الحاصل آیت مذکورہ عنوان اور اس کے تحت میں مندرج متعدد روایات اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر غائر نظر ڈالنے سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی علمی کمالات سے نوازنے کے باوجود شعر کا علم عطا نہیں فرمایا تھا اور اس میں یہ حکمت تھی کہ مبادا اگر آپ شاعر ہوتے تو معاند دشمن یہ کہہ سکتے تھے کہ جناب پہلے ہی سے ایک کامیاب شاعر ہیں انہوں نے اگر اپنے شاعرانہ کمال سے کام لے کر قرآن جیسی فصیح بلیغ کتاب خود بنالی ہو تو کیا عجب ہے۔ بس حق تعالیٰ نے اس قسم کے شکوک کا دروازہ بند کرنے کے لیے اور آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل قرآن حکیم سے شکوک و شبہات کے بادل چھانٹنے کے لیے آپ کو علم شعر سے قطعی محفوظ رکھا اور اس کی طرف سے طبیعت میں اتنا بعد پیدا کر دیا کہ آپ کبھی کسی دوسرے کا شعر بھی ٹھیک وزن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے اور یہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح کہ آپ کو حق تعالیٰ نے امی رکھا کیونکہ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو کاروبار باطل دشمنوں کو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ جناب انہوں نے یہ علمی مضامین کسی کتاب سے نقل کر لیے ہوں گے قرآن کہتا ہے :-

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتٰب	اور آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب	کوئی کتاب لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں
المبطلون۔ عنکبوت پ ۲۱	یہ اہل باطل کچھ شبہ نکالتے۔

الغرض آپ کی نبوت کو روشن تر کرنے کے لیے حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ آپ کو علم شعر نہ دیا جائے چنانچہ آپ کو اس سے بالکل بے بہرہ رکھا گیا اور اب جو شخص آپ کے لیے کسی تاویل سے علم شعر ثابت کرتا ہے فی الحقیقت وہ آپ کی نبوت کو دشمنوں کی نظر میں مشکوک کرنے کی سعی باطل کرتا ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

انتیسویں آیت

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں :-

"و سوال می کنند ترا از روح، بگو روح از فرمان پروردگار من است و شما نداده شده اید از علم مگر اندکے" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو، تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے بہت تھوڑی سی" ([illegible])

اس آیت کا شان نزول جو روایات صحیحہ میں وارد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کفار کی ایک جماعت نے امتحان اور آزمائش کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وقوله - قل الروح من امر ربی ای من شانه ومما استاثر بعلمه دونکم ولهذا قال وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ای وما اطلعکم من علمه الا على القليل فانه لا یحیط احد بشیء من علمه الا بما شاء تبارک وتعالیٰ۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ [illegible]

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح اللہ کے فعل سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ نے اپنے ہی لئے خاص کر لیا ہے اور تم کو نہیں دیا ہے اور اسی واسطے بعد میں فرمایا "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" یعنی اللہ نے اپنے علم کے بہت تھوڑے سے حصے پر تم کو اطلاع دی ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو علم الٰہی کی کسی چیز کو بھی پورے طور پر جانتا ہو مگر اسقدر جتنا کہ خدا چاہے۔

اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ہذا کی تفسیر میں اس روح کے متعلق جس کا آپ سے سوال کیا گیا تھا۔ پہلے تو چند معروف و غیر معروف اقوال لکھے ہیں اور ان میں سے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ سوال روح انسان ہی کے متعلق تھا جس سے انسان کی زندگی کا قیام ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے اس روح انسانی کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں بھی چند اقوال نقل کئے ہیں ان تمام اقوال کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

والقول الاكثرون ان يوكل علمه الى الله عزوجل وهو قول اهل السنة قال عبد الله بن بريدة ان الله لم يطلع على الروح ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا يدل قوله قل الروح من امر ربي اي من علم ربي الذي استاثر به

اور روح کے بارے میں بہترین قول یہ ہے کہ اس کا علم خدا ہی کے سپرد کیا جائے۔ اور اہل سنت کا یہی قول ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے روح کی اطلاع کسی مقرب فرشتے اور کسی فرستادہ پیغمبر کو بھی نہیں دی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "قل الروح من امر ربی" یعنی روح اللہ تعالیٰ کے اس علم میں سے ہے جس کو اس نے اپنے واسطے خاص کر لیا ہے۔

اس کے بعد علامہ خازنؒ نے ایک قول کسی نامعلوم شخص کا یہ بھی نقل کیا ہے کہ روح کا علم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، لیکن چونکہ دوسروں کو اس کی خبر دینا نبوت کی علامت تھی اس لئے آپ نے کسی دوسرے کو نہیں بتلایا لیکن اس قول کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

والقول الاصح هو ان الله عزوجل استاثر بعلم الروح (خازن ص ۱۳۸ ج ۴)

صحیح تر قول یہی ہے کہ اللہ عزوجل نے روح کا علم اپنے ہی واسطے خاص کر لیا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کے ذیل میں وہی سب کچھ لکھا ہے جو خازن سے نقل کیا۔ (معالم ص ۴۸ جلد ۴)

اور خطیب شربینی نے معالم کے حوالہ سے یہی لکھا ہے اور اسی کو خود اختیار کیا ہے۔ (سراج منیر ص ۳۴۱ جلد ۲)

اور علامہ نسفی حنفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربي) اي من امر يعلمه ربي الجمهور على انه الروح الذي في الحيوان مسئول عن

مطلب آیت کا یہ ہے کہ روح اللہ کے اس امر سے ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جمہور کا مسلک ہے کہ اس آیت میں جس روح کا ذکر ہے وہ روح حیوانی ہی ہے اور اس کی حقیقت کا انہوں نے حضورؐ سے

حقيقته فلخبر انه من امر الله
اي مما استأثر بعلمه. وعن
ابي هريرة رضي الله عنه
لقد مضى النبي صلى الله
عليه وسلم وما يعلم الروح
وقد عجزت الاوائل عن
ادراك ماهيته بعد
انفاق الاعمار الطويلة على
الخوض فيه والحكمة في
ذلك تعجيز العقل عن
ادراك معرفة مخلوق
مجاور له ليدل على انه عن
ادراك خالقه اعجز

سوال کیا تھا پس آپ نے ان کو بتلایا کہ وہ اللہ کے امر
سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جن کے علم کو اللہ
نے اپنے واسطے خاص کر لیا ہے اور ابو ہریرہؓ سے
مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس
دار فانی سے تشریف لے گئے اور حال یہ کہ آپ کو روح کا
علم نہ تھا اور اگلے لوگ غور و فکر میں لمبی لمبی عمریں
خرچ کرنے کے باوجود روح کی حقیقت دریافت
کرنے سے عاجز رہے اور اس میں حکمت یہ ہے
کہ انسان ایک ایسی مخلوق کی معرفت سے اپنی عقل
کی عاجزی محسوس کرے جو ہر وقت اس کے ساتھ
ہے تو سمجھے کہ وہ اپنے خالق عز و جل کی حقیقت
دریافت کرنے سے عاجز تر ہے۔

([illegible])

اور علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قل الروح من امر ربي) الاضافة
للاختصاص العلمي لا الايجادي
لاشتراك الكل فيه ...
اي هو من جنس ما استأثر
الله بعلمه من الاسرار
الخفية

"من امر ربی" میں اضافت اختصاص علمی کے لئے
ہے نہ کہ اختصاص تکوینی کے لئے کیونکہ اس میں
سب مخلوق مشترک ہے ...... اور مطلب
یہ ہے کہ روح ان اسرار خفیہ میں سے ہے جن کے
علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی لئے خاص
فرما لیا ہے۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

وفيه تنبيه على انه مما لا تحيط
بكنهه دائرة ادراك البشر وانما

اس میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ روح ان چیزوں
میں سے ہے جن کی کنہ اور حقیقت کو دائرہ ادراک

لكن هذا القدر الاجمالي المندرج ما استثنى بقوله تعالى "وما اوتيتم من العلم الا قليلا" (تفسیر ابو السعود ص۲۲۲ پ۱۵)

بشری محیط نہیں ہو سکتا اور بشر کیلئے روح کی اس قدر اجمالی معرفت ممکن ہے جو یہاں مذکور ہوئی ہے جو "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" کے استثناء میں داخل ہے۔

اور علامہ معین بن صفی جامع البیان میں فرماتے ہیں :-

قل الروح من امر ربی) مما استأثر بعلمه ، (تفسیر جامع البیان ص۲۴۶)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ روح صرف میرے رب کے امر سے ہے یعنی ان امور مخصوصہ میں سے ہے جن کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمالیا ہے۔

مفسرین کرام کی جو عبارات یہاں تک مذکور ہوئیں ان سب میں آیت کا مفاد یہ بتلایا گیا ہے کہ حقیقت روح کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے اور اس نے اپنے ہی واسطے خاص کرلیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی جو روایت "مدارک التنزیل" کے حوالے سے اوپر نقل ہو چکی ہے، اس میں بھی تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات کے وقت تک بھی حقیقت روح کا علم حاصل نہ تھا۔

اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہل سنت کا اس باب میں یہی خیال ہے اور وہ آیت ہذا کی روشنی میں اسی طرف گئے ہیں، کہ حقیقت روح کا علم مخصوصات باری تعالیٰ سے ہے اور کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے، اور اکابر صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف کے حوالے سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے :-

انه قال الروح استأثر الله بعلمه فلم يطلع عليه احدا من خلقه (فتح الباری ص۴۰۳ ج۱۳)

آپ نے فرمایا کہ روح کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنے واسطے خاص کرلیا ہے اور کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

لیکن بعض متأخرین صوفیہ اور اسی طرح بعض مفسرین نے بھی جمہور کے اس مسلک سے

اختلاف کیلیے اور ان کے نزدیک یہ چیز نہایت ہی مستبعد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقت روح کا علم نہ ہو۔ امام غزالی اور امام رازی بھی ان ہی میں سے ہیں اور موخر الذکر نے تفسیر کبیر میں اس پر خوب طوالت بسیط کلام کیا ہے لیکن جو وجوہات پیش کئے ہیں وہ خلاف توقع بہت ہی کمزور ہیں۔ چونکہ ہمارے مخاطبین اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے انہی چیزوں کو پیش کیا کرتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ یہاں ان پر بھی کلام کر دیا جائے۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے پہلی چیز تو پیش کی ہے کہ:۔

"روح خواہ کیسی ہی لطیف کیوں نہ ہو، مگر حق تعالیٰ شانہ سے تو بلند مرتبہ نہیں ہے، پھر جب کہ حق سبحانہ کی معرفت ممکن بلکہ حاصل ہے، تو پھر روح کی معرفت سے کون سی چیز مانع ہے؟"

حق تعالیٰ امام رازی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے حیرت ہے کہ ان کے قلم سے ایسی کمزور بات کیوں نکل گئی۔ اہل سنت میں سے اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی پوری پوری معرفت یعنی اس کی کنہ اور حقیقت کا ادراک کسی مخلوق کو حاصل ہے۔ کائنات میں سے جس کو جس قدر بھی معرفت خداوندی حاصل ہے وہ معرفت فی الجملہ معرفت اور ادراک بوجہ من الوجوہ ہے۔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ما عرفناک حق معرفتک" اور اگر امام ممدوح کا مقصد یہی فی الجملہ معرفت ہے تو اس سے کس کو انکار ہے۔ بے شک حق تعالیٰ اور اسی طرح روح کی فی الجملہ معرفت مخلوق کو بھی حاصل ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

ایک دوسری بات امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدعا کی تائید میں یہ بھی لکھی ہے کہ:۔

"روح کی معرفت تو معمولی درجہ کے فلاسفر اور ادنیٰ درجہ کے متکلمین کو بھی حاصل ہوتی ہے پس ایسی صورت میں حضورؐ کا یہ فرمانا کہ مجھے روح کی حقیقت معلوم نہیں، لوگوں کی نگاہوں میں حضورؐ کی بے قدری اور کم وقعتی کا باعث ہوگا۔ پس آیت کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ روح کا علم صرف خدا ہی کو ہے۔"

لیکن مجھ کو حیرت ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وجہ پہلی سے بھی زیادہ کمزور ہے بالخصوص ان کا یہ فرمانا کہ "معاذ اللہ فلاسفہ اور ارباب متکلمین کو روح کی معرفت حاصل ہے"۔ سخت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ وہ کون سا فلسفی یا متکلم ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس کو حقیقت روح کی پوری معرفت حاصل ہے۔

معاذ اللہ هم يدعون معرفة الحقائق والعياذ بالله انهم اجهل الناس بها الا انهم جهلهم مركب ان يتبعون الا الظن وان الظن لا يغني من الحق شيئا۔

وہ حقائق اشیاء کی معرفت کے مدعی ہیں اور خدا کی قسم ان کو تو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور وہ تو اس سے بالکل دوسروں سے بھی زیادہ بے خبر ہیں لیکن ان کا جہل مرکب ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں محض اٹکل لڑانے سے کہتے ہیں۔ اور یہاں اٹکل اور تخمین سے کام نہیں چلتا

ایک تیسری وجہ امام موصوف نے یہ بھی لکھی ہے کہ:

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے "الرحمٰن علّم القرآن" اور فرمایا ہے "وعلّمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما" نیز ارشاد فرمایا ہے "وقل رب زدني علما" اور قرآن پاک کے بارے میں ارشاد ہے "ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين" اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "ارنا الاشياء كما هي" پس نفس پاک کا یہ حال ہو اس کے لئے کس طرح لائق ہے کہ وہ روح کی حقیقت کے متعلق کہہ دے کہ "میں اس کو نہیں جانتا" حالانکہ یہ تو ان مشہور اور متداول مسئلوں میں سے ہے جو جمہور ناس کے ذکر میں آتے رہتے ہیں"

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ نصوص مذکورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیشک غیر معمولی علمی وسعت ثابت ہے اور یقیناً آنحضرت کو حق تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علمی کمال دیا تھا۔ لیکن بلاشبہ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو حقیقت روح کا بھی علم عطا فرمایا گیا ہو جس طرح اس کمال علمی کے باوجود کسی حکمت کی وجہ سے آپ کو علم شعر نہیں دیا گیا

عہ ای الفلاسفۃ ۱۲ منہ

اور جس طرح کہ کسی مصلحت سے قیامت کا وقت خاص آپ سے بلکہ تمام مخلوق سے مخفی
رکھا گیا (جیسا کہ خود امام ممدوح نے تفسیر کبیر میں جا بجا تصریح کی ہے) ایسے ہی اگر کسی
خاص وجہ سے حقیقت روح کو بھی آپ سے اور تمام مخلوقات سے پوشیدہ رکھا گیا ہو تو
کیا عجب ہے؟ اور اس میں جو حکمت ہے وہ بھی تفسیر مدارک اور تفسیر ابو السعود کی عبارات
میں مذکور ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے یہ چیز کتب سابقہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت بتلائی گئی تھی اور اسی واسطے یہود نے حضور سے
یہ سوال کیا تھا۔

خطیب شربینی سراج منیر میں فرماتے ہیں:-

"امام رازی کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کو پیش نظر رکھتے
ہوئے آپ کے لیے یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ حقیقت روح سے اپنی لاعلمی
ظاہر فرمائیں" درست نہیں کیونکہ یہ تو آپ کی نبوت کی علامت ہے"

(تفسیر سراج منیر صفحہ ۳۲۱)

امام رازی کے علاوہ بھی جن علماء نے مسئلہ روح میں جمہور کے مسلک سے اختلاف
کیا ہے انہوں نے بھی اس سے زیادہ کوئی اور ایسی دلیل پیش نہیں کی ہے جس کا جواب
ہماری اس بحث میں نہ آگیا ہو۔ بہر حال جمہور ہی کا مسلک اس بارے میں صحیح ہے کہ
حقیقت روح کا پورا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور قل الروح من امر ربی و
ما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا یہی مفاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسویں آیت

اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ وَ کُلُّ شَیۡءٍ
عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ؕ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡکَبِیۡرُ الۡمُتَعَالِ ؕ سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ
مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَہَرَ بِہٖ وَ مَنۡ ہُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّیۡلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّہَارِ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :-

"خدا میداند آنچہ در شکم بر میدارد ہر زنے و آنچہ ناقص میکنند رحمہا ، و آنچہ زیادہ میکنند ، وہر چیزے نزدیک او باندازہ است ، داناست بہ پنہان و آشکارا ، بزرگ است بلند مرتبہ است ، یکسان است از شما کسے کہ پوشیدہ سخن را وکسے کہ بآواز بلند گوید آنرا وکسے کہ روے پنہان است در شب وکسے کہ او راہ میروندہ در روز" (فتح الرحمٰن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :-

"اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز اس کے پاس گنتی سے ہے ، جاننے والا چھپے اور کھلے کا ، سب سے بڑا اوپر رہا ہے ، برابر ہے تم میں جو چپکی بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو" (راہ المستقیم)

اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ کا کمال علمی بیان کیا گیا ہے کہ اس کی یہ شان ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو حمل ہوتا ہے وہ اس کو پوری طرح جانتا ہے (کہ اچھا ہوگا یا برا ، خوبصورت ہوگا یا بدصورت ، نیک بخت ہوگا یا بدبخت ، عمر زیادہ ہوگی یا کم ، غرض مستقبل میں اس پر جو حالات اور عوارضات وارد ہونے والے ہوتے ہیں وہ بہ تفصیل ان سب کو بھی جانتا ہے) نیز رحموں کی کمی بیشی جنین کا نقصان و کمال بھی اس کو معلوم ہوتا ہے اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ازل ہی سے ایک اندازہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتی اور تم میں سے جو شخص آہستہ بولے اور جو بلند آواز سے پکارے اور جو رات کی اندھیریوں میں کہیں چھپا پھرے اور جو دن کے اجالے میں کھلے عام پھرے وہ سب برابر ہے اور آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ علیم و خبیر اپنی اس شان میں منفرد اور لا شریک ہے لیکن اگر ہم اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے بھی جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط تفصیلی مان لیں (جیسا کہ رضا خانی صاحبان کا خیال ہے) تو یہ تفرد و اختصاص باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں اس (عالم جمیع ما کان وما یکون) پر بھی یہ بات صادق آئے گی کہ اس کو ہر مادہ کے حمل کا پورا پورا علم ہے وہ رحموں کے گھٹنے بڑھنے کو تفصیلی طور پر جانتا ہے اور آہستہ

سے بولنے والے اور زور سے پکارنے والے اسی طرح رات کی اندھیریوں میں چھپنے والے اور دن کو راستوں میں چلنے والے اس کے لیے سب برابر ہیں۔

الغرض یہ آیت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی محیط حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ چونکہ یہ آیت سورہ لقمان کی اس آخری آیت کے ہم مضمون ہے جو کتاب ہذا کے صفحہ پر درج ہو چکی ہے اور وہاں ہم اس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور مخالفین کی طرف سے پیش کی جانے والی تمام تاویلات و تحریفات کا مکمل جواب دے چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اس کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرین کرام وہاں ہی ملاحظہ فرما لیں۔

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ ہم نے اس سلسلہ کے آغاز میں منشاء نزاع کی تعیین کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ اہل بدعت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی محیط ثابت کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو حضور اقدس کے اس عالم میں تشریف لانے سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں آپ کے لیے اس علم محیط کا حصول مانتے ہیں[1]۔ دوسرے وہ جو شب معراج میں اس علم کے عطا ہو چکنے کے قائل ہیں[2]۔ اور تیسرے وہ جو کہتے ہیں کہ یہ علم ابتدائے نبوت سے تدریجاً آپ کو عطا ہوتا رہا یہاں تک کہ ختم نزول قرآن کے ساتھ اس عطا کی بھی تکمیل ہو گئی[3]۔

چونکہ فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی مناظرانہ تصانیف میں اسی آخری راستہ کو زیادہ بہتر سمجھ کر اختیار کیا ہے اور ان کی ذریت بھی تنقیح دعوے کے وقت اکثر یہی کہتی ہے اس لئے ہم نے بھی ساری گزشتہ بحث میں صرف اسی کو مد نظر رکھا

---

[1] اہل بدعت کے مشہور مصنف مفتی قاضی فضل احمد لدھیانوی نے اپنی کتاب "انوار آفتاب صداقت" کے صفحہ ۱۳۸ پر ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

[2] مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا عقیدہ غالباً یہی ہے جیسا کہ ان کی کتاب "الکلمۃ العلیا" کے صفحہ ۳۳ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

[3] مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنے رسائل "انباء المصطفیٰ" وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور اب ہم جو بیس آیتیں پیش کریں وہ براہِ راست اسی کے رد میں پیش کریں۔ اگرچہ انہی سے اس پہلے اور دوسرے فریق کا بھی رد ہو جاتا ہے جو حضور کے لئے ماکان وما یکون کا علم تفصیلی آخر عمر یا دیر میں یا شبِ معراج میں مانتے ہیں لیکن اب حسبِ عادت ہم اپنی بحث کا رخ خالص انہیں دونوں فریقوں کی طرف پھیرتے ہیں۔

اب جو آیات ہم پیش کریں گے وہ خصوصیت کے ساتھ انہی پر حجت ہوں گی۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

اکتیسویں آیت

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (انفال ع ۹)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"سزاوار نبود پیغامبر را کہ بدست وے اسیران باشند تا آنکہ قتل بسیار بجا آورد در زمین، می خواہید شما متاع دنیا و خدا می خواہد مصلحت آخرت را و خدا غالب با حکمت است، اگر نبودے حکم خدا پیشے گزشتہ، ہر آئینہ برسیدے بشما در آنچہ گرفتید عذاب بزرگ"۔

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"نہ چاہیئے نبی کو کہ اس کے یہاں قیدی آویں جب تک نہ خونریزی کرے ملک میں، تم چاہتے ہو جنس دنیا کی، اور اللہ چاہتا ہے آخرت، اور اللہ زورآور ہے حکمت والا ہے۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جو لکھ چکا اللہ آگے تو تم کو آ پڑتا اس لینے میں بڑا عذاب"۔

اس آیت کے نزول کا واقعہ مختصر یہ ہے کہ ـــــ جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی

" مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے اور کچھ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس سے ہم کو مالی قوت بھی حاصل ہوگی اور پھر یہ بھی امید ہے کہ کسی دن یہ لوگ راہ راست پر آجائیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے ان کے فدیے سے آپ کو مستغنی کر دیا ہے اور یہ سب ائمۂ کفر اور سرداران مشرکین ہیں اگر ان کو یہیں تہ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی بڑی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے جس کا جو عزیز قریب ان میں ہو وہ اس کے حوالے کیا جائے اور وہی اس کی گردن مارے۔ میرا فلاں عزیز میرے حوالہ کر دیا جائے۔ علیؓ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں، اور حمزہؓ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور ہم خود اپنے ان عزیزوں کو قتل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند نہیں کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کو اختیار فرما لیا۔ اور ان تمام قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا گیا ـــــ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا مناسب نہ تھا ان کو تہ تیغ ہی کر دینا چاہیے تھا۔"

یہ واقعہ (مفصلاً و مختصراً) حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کتب مختلفہ میں مروی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت مسند احمد اور صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جامع ترمذی، تفسیر ابن جریر اور مستدرک حاکم میں (مع تصحیح کے) مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ و حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کو حافظ ابوبکر بن مردویہ نے روایت کیا ہے (ذکرہ ابن کثیر)۔ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت کا ذکر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

باوجود اختلاف الفاظ و عنوانات اتنی چیز بطور قدر مشترک کے ان تمام روایات سے نکلتی ہے کہ اس واقعہ میں زیادہ پسندیدہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی رائے تھی جو بہی صریحاً

آیت محررہ بالا کا مفاد ہے پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم تفصیلی میلاً اس وقت تک بھی حاصل ہوتا تو آپ اس رائے کو اختیار نہ فرماتے ، جو حق تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہ تھی ـــــــ واضح رہے کہ غزوہ بدر ہجرت سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ماہِ رمضان میں ہوا ہے اور معراج کے متعلق یہ متفق علیہ ہے کہ وہ ہجرت سے کافی عرصہ پہلے ہوئی ہے۔"

بتیسویں آیت

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :-

"نیست ترا ازیں کار چیزے یا مہربانی باز گردد برایشان یا عذاب کند ایشاں را زیرا کہ ایشاں ستمگار اند۔"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

"تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں"

صحیحین (بخاری و مسلم) میں اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق ایک روایت تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی ہے کہ غزوۂ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شدید زخم آئے تو آپ چہرۂ مبارک سے خون صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ قوم کیونکر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا ہو اور اس کے دانت تک توڑے ہوں ایسے حال میں جب کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف بلا رہا ہو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی -

"اور آپ کو بتایا گیا کہ " ان لوگوں کی فلاح و عدمِ فلاح میں آپ کو کچھ دخل نہیں ، خدا ان کو اسلام کی توفیق دے یا ان کو سزا دے -"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس جنگ میں جو لوگ کفار کی طرف سے پیش پیش تھے اور لشکر

مشرکین کی کمان کر رہے تھے ان میں سے بھی بہت سے مشرف باسلام ہوئے اور بعض عالت کفر میں فی النار بھی ہوئے اور دوسری روایت اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین ہی میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سرکش کافروں صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو وغیرہ کا نام لے کر نماز فجر میں بددعا کرنی شروع کی اور چند روز تک کی بھی تو اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور آپ کو جتلایا گیا ہے کہ ان کے انجام کے معاملہ میں آپکو دخل نہیں خداوند تعالیٰ یا ان کو توفیق ہدایت دے یا ان کی بدکرداریوں کی سزا دے۔ —— تو حضرت نے بددعا کرنی ترک فرمادی —— اور "صفوان بن امیہ وغیرہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام بھی ہوگئے" —— ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں واقعے قریب ہی قریب کے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان دونوں واقعوں پر آیت کا نزول ہوا ہو۔ بہرکیف اتنی بات دونوں میں مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض کافروں کے بدانجام کے متعلق کچھ فرمایا اور حق تعالیٰ کے علم ازلی اور اس کی مشیت میں وہ مناسب نہ تھا کیونکہ ان میں سے بعض بالآخر ایمان لانے والے تھے اسی لئے اس آیت کے ذریعے آپ کو اس سے روک دیا گیا پس اگر حضرت کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم ہوتا تو وہ کلمات آپ کی زبان اقدس سے نہ نکلتے جو مشیت الٰہی کے موافق نہ تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ واقعہ اواخر ۳ھ ہجری کا ہے۔

تئیسویں آیت

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا

۱ے حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی اس غزوہ میں مسلمانوں کے خلاف خوب شجاعت دکھائی تھی بلکہ کافروں کی شکست کو فتح کی بہار میں انہی نے نتیجے سے بدلا تھا اور بالآخر حق تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی اور وہ کارنامے کئے جن کی یاد آج تک تاریخ اسلام میں تازہ ہے ۱۲م

تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ
عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"ہر آئینہ ما فرود آوردیم بسوئے تو کتاب را براستی تا حکم کنی میان مردماں بآنچہ شناسا ساختہ است ترا خدا و مباش خصومت کنندہ بجہت حمایت خیانت کنندگان و آمرزش بخواہ از خدا ہر آئینہ خدا ہست آمرزندہ مہربان، و خصومت مکن از جانب آنانکہ خیانت میکنند با جنس خویش، ہر آئینہ خدا دوست نمی دارد آنرا کہ ہست خیانت کنندہ گنہگار"

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں:-

"ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو سجھادے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغا باز گنہگار"

اس آیت کا جو شان نزول امام ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور حاکم نے روایت کیا ہے اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ:-

مشہور صحابی قتادہ بن النعمان کے چچا جناب رفاعہ (رضی اللہ عنہما) کے مکان میں نقب لگا کر چوری کی گئی، جس میں کچھ کھانے کا سامان اور کچھ ان کے ہتھیار چوری کئے گئے تفتیش سے بالیقین معلوم ہوا کہ یہ حرکت بنو ابیرق کی ہے قتادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سنایا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ ہم کو تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کارروائی بنو ابیرق کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ کھانا جانے دیں ہتھیار ہم کو واپس مل جائیں حضور نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو آپس میں سازش کر کے وہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! قتادہ اور ان کے چچا رفاعہ نے ہمارے بعض آدمیوں کو

(جو مسلمان اور اہل صلاح ہیں) بلا گواہ اور بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے ـــــــــ" قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کچھ عرض کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا تم نے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے ایسے لوگوں پہ چوری لگائی ہے جن کو مسلمان اور صالح بیان کیا جاتا ہے ـــــــــ" قتادہؓ کہتے ہیں کہ مجھے بہت افسوس ہوا کہ کاش میں اس معاملہ میں حضورؐ سے کچھ بات ہی نہ کرتا اور میں نے اپنے چچا کو حضورؐ کا یہ جواب بتلا دیا۔

ان کی زبان سے نکلا " اللہ المستعان " بس اسی وقت یہ آیتیں حضرت پر نازل ہوئیں ـــــــــ (ملخصاً من الدر المنثور صلا۲۱ جلد ۲)

اور معالم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو شان نزول مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ :-

"اسی واردات میں اصل چور (طعمہ بن ابیرق) نے چوری کا سامان ایک یہودی (زید بن سمین) کے یہاں رکھوا دیا جب تفتیش سے کسی طرح یہ معلوم ہوا کہ مال مسروقہ یہودی کے یہاں ہے اور اس سے اس بارے میں بات کی گئی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میرے پاس یہ چیزیں "طعمہ ابن ابیرق" نے رکھی ہیں جب یہ راز کھلنے لگا تو بنو ابیرق سازش کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور طعمہ کی برأت اور یہودی کے اصل چور ہونے کی گواہی دی حضورؐ نے ان کی شہادت کے اعتماد پہ "طعمہ" کو بری اور اس یہودی کو چور ٹھہرایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن میں آپ کو بتلا دیا گیا کہ آپ ان خائنوں اور دغا بازوں (بنو ابیرق) کی حمایت اور ان کی طرف سے جواب دہی نہ کریں اور (قتادہ کی بات کو غلط خیال کرنے یا یہودی کو چور سمجھنے میں آپ سے جو بلا قصد اجتہادی لغزش ہو گئی ہے اس پر) خدا سے استغفار کریں "

بعض تفسیری روایات میں یہی واقعہ کچھ معمولی سے فرق کے ساتھ بھی مذکور ہے لیکن اتنی چیز تمام روایات میں مشترک ہے۔

اسے حضورؐ نے بعض لوگوں کے بیانات کے اعتماد پر اصلی چور کو بے قصور اور یہودی قرار دینے کا ارادہ فرما لیا تھا اور ان آیات میں اسی پر تنبیہ فرمائی گئی حالانکہ اگر اس وقت تک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم ہوتا تو آپ سے یہ اجتہادی لغزش نہ ہوتی اور یہودا تھر سکتے کا سے جیسا کہ ابن سعد کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔" (ملاحظہ ہو تفسیر ص ۲۱۲)

" اگرچہ آیت ہذا سے ہمارا استدلال بالکل صاف ہے تاہم مزید توضیح اور تائید کے لیے بعض مفسرین کی عبارات بھی نقل کی جاتی ہیں۔

امام بغوی آیت ہذا کے آخری حصہ " واستغفر اللہ " کی تفسیر میں فرماتے ہیں

مما ہممت به من معاقبة اليهودي وقال مقاتل استغفر الله من جدالك عن طعمة (معالم التنزیل ص ۲۶۲)	مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہودی کو سزا دینے کا جو خیال کیا تھا اس سے استغفار کیجئے اور حضرت مقاتل نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آپ نے طعمہ کی طرف سے جو جواب دہی کی اس سے استغفار کیجئے۔

اور یہی بعینہٖ اسی موقع پر علامہ علی بن محمد خازن نے لکھا ہے نیز یہی علامہ بغوی کی آیت " وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ " کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:- لانك بنيت الامر

"على ظاهر الحال وما خطر ببالك ان الامر على خلاف ذلك" (تفسیر خازن ص ۲۱۱)

" مطلب یہ ہے کہ ان دغا بازوں (بنو ابیرق) نے جو آپ کو غلط راستہ پر لگانا چاہا تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا کیونکہ آپ نے تو بہر حال یہ معاملہ کی بنیاد ظاہر پر رکھی تھی (اور انہی کی شہادتوں کی بنا پر طعمہ کو بری اور یہودی کو چور خیال کیا تھا) اور یہ بات تو آپ کے دل میں گزری بھی نہ تھی کہ اصل معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے (تو ایسی صورت میں اس کا وبال انہی پر ہو گا)۔"

اور یہی علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ذیل میں عصمت کے مسئلے پر کلام کرتے

ہوئے اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"أن قوم طعمة لما شهدوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ببراءة طعمة من السرقة ولم يظهر في الحال للرسول الله صلى الله عليه وسلم ما يوجب القدح في شهادتهم همّ بان يقضي على اليهودي بالسرقة"

"جب طعمہ کی قوم نے حضور کے سامنے طعمہ کے بری اور بے قصور ہونے کی شہادت دی اور فی الحال حضور کو ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی جو ان کی شہادت کو مجروح کر دیتی تو آپ نے یہودی پر فرد جرم لگانے کا ارادہ فرمایا کیونکہ مال مسروقہ اسی کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔"

اور علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ "واستغفر اللہ" کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں

"واستغفر الله مما هممت به اي من القطع" (تفسیر سراج منیر ۳۲۲/۱)

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو طعمہ کی طرف سے جواب دہی کا خیال کیا اس سے استغفار کیجئے۔"

پھر یہی علامہ "ومایضرونک من شیء" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

"فان الله عصمك وما خطر ببالك كان اعتمادا منك على ظاهر الامر" (جلد ۳۲۲)

"یہ رہا بڑا رگ (جو ابیرق) اپنے عزائم مشومہ سے آپ کو ان کی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ عزوجل نے آپ کو معصوم کیا ہے اور طعمہ کو بے قصور اور بری کرنے کا جو خیال آپ کے دل میں گذرا تھا وہ ظاہر امر پر اعتماد کی وجہ سے تھا۔"

اور ابو مسعود نے اپنی تفسیر ۲۴۲/۲ میں اور علامہ نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل ۱۹۵/۱ میں بھی اس موقع پر قریب قریب یہی لکھا ہے۔

بہرحال مفسرین عظام کی ان تصریحات سے بھی یہ بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اصل حقیقت پہنچنے سے معلوم نہ تھی اور اسی لیے ابیرق کے بیٹے بچنے کی وجہ سے اصل مجرم کو بری کرنے کا خیال آپ کو ہوا تھا جس پر آپ کو

حق تعالیٰ کی جانب سے (نہایت پیارے انداز میں) یہ تنبیہ کی گئی اور پھر آپ کو اس کی حقیقت کی اطلاع بھی دے دی گئی۔ بہرکیف اس آیت اور اس کے متعلق مذکورہ بالا روایات اور مفسرین عظام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بالکل واضح ہے کہ آیت کے نزول تک آپ کو جمیع ماکان و ما یکون کا تفصیلی علم حاصل نہ تھا اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ اور اس کے متعلق اس آیت کا نزول ۹ھ میں ہوا ہے۔

یہ آیت جس رکوع میں واقع ہے اس کے بعد والے رکوع میں اسی سلسلہ میں ایک آیت یہ بھی ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ اس آیت سے ہمارے مخالفین اپنے اس عقیدہ جمیع ماکان و ما یکون پر بھی استدلال کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ تمام آیات خود ان کے خلاف حجت ہیں۔ ہم انشاء اللہ ان کے اس استدلال پر پوری بحث حسب وعدہ اپنی کتاب کی دوسری جلد میں کریں گے جس میں ہم کو صرف ان کے دلائل پر تنقید کرنی ہے۔ واللہ الموفق۔

چونتیسویں آیت

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم ع ۱)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں

"اے پیغمبر چرا حرام میکنی چیزے را کہ حلال ساختہ است خدا برائے تو، میطلبی خوشنودی زنان خود، و خدا آمرزگار مہربان است"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

"اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر، چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔"

اس آیت کا شان نزول جو صحیحین (مسلم و بخاری) اور دیگر کتب حدیث میں بھی مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:—

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے حجرہ میں جایا کرتے تھے اور وہ آپ کو شہد پیش کرتی تھیں (جو آپ کو مرغوب تھا) اور آپ اس کو نوش فرماتے تھے۔ بتقاضائے نسوانیت حضورؐ کی بعض دوسری ازواج مطہرات کو اس پہ غیر معمولی رشک ہوا اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کے دہان مبارک سے مغافیر[عہ] کی بو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو "مغافیر" نہیں کھایا ہاں زینب کے یہاں شہد ضرور کھایا ہے۔ ان زوجہ مطہرہ نے عرض کیا تو شاید اس شہد کی مکھیوں نے اسی درخت کے پھول سے وہ شہد لیا ہو جس سے مغافیر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے عہد فرمایا کہ اب میں شہد نہیں کھاؤں گا اور گویا اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو اس عہد پر تنبیہ (عتاب اللہ) کی گئی اور آپ سے کہا گیا کہ "آپ اپنی بیویوں کی دلداری کے لیے کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اور پھر "اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" کہہ کر آپ کو تسلی بھی دے دی گئی ہے"

سنن نسائی وغیرہ کی ایک دوسری روایت میں اس آیت کے شان نزول میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ "رضی اللہ عنہا" کی تحریم کا واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح تر روایت صحیحین ہی کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

چنانچہ علامہ خازنؒ "لباب التاویل" میں فرماتے ہیں:۔

قال العلماء الصحیح فی سبب نزول الآیۃ انھا فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المرویۃ فی غیر الصحیحین ولم تات قصۃ ماریۃ من طریق صحیح قال النسائی اسناد حدیث عائشۃ فی العسل جید صحیح غایۃ (تفسیر لباب التاویل ج۴)

حضرات علماء نے فرمایا کہ آیت کے شان نزول میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ ماریہ کے اس واقعہ میں جو غیر صحیحین میں مروی ہے اور وہ قصہ کسی صحیح طریق سے مروی نہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے شہد والا جو واقعہ مروی ہے وہ بہت زیادہ صحیح ہے۔

عہ یہ ایک بدبودار گوند ہے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے قریب قریب وقوع میں آگئے ہوں، اور ان دونوں سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو، جیسا کہ ائمہ تفسیر نے اصول تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ بہت سی آیتیں کئی کئی واقعات کے متعلق بھی نازل ہوئی ہیں ــــ بہرکیف آیت ہذا کا نزول ان دونوں واقعوں میں سے خواہ کسی ایک میں ہوا ہو یا دونوں میں اتنی چیز بہرصورت متعین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کی دلداری کیلیے کسی ایسی چیز کے ترک کرنے کا عہد فرمالیا تھا جو آپ کے لیے حلال تھی اور یہ بات حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضی کے خلاف تھی یہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی "جمیع ماکان وما یکون" کا علم ہوتا تو آپ ایسا اقدام نہ فرماتے اور واضح رہے کہ یہ واقعہ ۹ھ ہجری کا ہے۔

پینتیسویں آیت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (بقرہ رکوع ۲۵)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"و از مردمان کسے هست که بشگفت می آرد ترا سخن او در باب زندگانی دنیا و گواہ مے آرد خدا را بر آنچه در دل ویست حالانکه او سخت ترین خصومت کنندگان است"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اور بعضا آدمی ہے کہ خوش آوے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں اور گواہ پکڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔"

علامہ علی بن محمد خازنؒ اس آیت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

نزلت فی الاخنس بن شریق الثقفی وکان یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویجالسه ویظهر	یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ کے پاس بیٹھا تھا اور اپنے

کہ جس منافق یعنی اخنس بن شریق کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اس کی بد باطنی کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے نزول تک نہیں ہوئی تھی اور آپ اس کی شیریں کلامی اور چکنی چپڑی باتوں سے متاثر تھے اور آپ کے نفس میں اس کی وقعت تھی پس اگر اس وقت تک بھی آپ کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل ہوتا تو اس منافق کے بارے میں آپ کو یہ دھوکا نہ ہوتا

اور تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ یہ آیت ان دغا بازوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضور سے درخواست کی تھی کہ ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں آپ ہماری تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیں چنانچہ حضور نے چند منتخب صحابہ کرام ان کے ساتھ کر دیئے جن کو ان لوگوں نے دغا دے کر بطن رجیع میں شہید کر ڈالا (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۹۱-۲۹۲) اور یہ واقعہ سنہ ۳ھ میں وقوع میں آیا تھا پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت سنہ ۳ھ میں نازل ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ آیت میں اخنس بن شریق اور یہ غدار لوگ جنہوں نے غداری کر کے ان معلمین صحابہؓ کو شہید کر ڈالا تھا سب ہی مراد ہوں بلکہ یہ قرین قیاس ہے، واللہ اعلم۔

چھتیسویں آیت

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ الآية (سورۂ منافقون)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:-

"وچون ببینی ایشان را متعجب کند ترا اجرام ایشان و اگر بگویند گوش نہی بسخن ایشان"

اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات"

یہ آیت سورۂ منافقون کی ہے اور اس میں بعض خاص منافقین ہی کا ذکر ہے اس کے ذیل میں

امام بغوی اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہما "وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ای فتحسب انہ صدق" (خازن معالم ج ۷ ص ۲۳)

اب آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ اے رسول! یہ منافق ایسے خوش منظر اور بظاہر معقول آدمی ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ اس کو سچ سمجھیں۔

ظاہر ہے کہ جھوٹی بات کو سچ سمجھنا اسی صورت میں متصور ہے جب کہ سامع کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ آیت ہذا میں جن منافقین کا ذکر ہے ان کے باطن کا پورا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے نزول تک معلوم نہیں ہوا تھا حالانکہ وہ بھی "ماکان وما یکون" میں داخل ہے۔

اور صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر میں سورہ منافقون کی ابتدائی آیات (جن میں آیت مورد بالا بھی داخل ہے) کے نزول کا واقعہ حضرت زید بن ارقم کی روایت سے مذکور ہے اس کے متعلق سنن نسائی کی روایت میں تصریح ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا جو ۹ھ میں ہوا تھا۔ اور عام اہل سیر کا خیال یہ ہے کہ وہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کا ہے (جو ۵ھ میں ہوا تھا) اسی اختلاف روایت کے ماتحت آیت مندرجہ بالا کے سنہ نزول میں بھی اختلاف رہا۔ پس نسائی کی روایت کی بنا پر اس کا نزول ۹ھ میں ہوا اور عام اہل سیر کے خیال کے مطابق ۵ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم

سینتیسویں آیت

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:-

"و بعض اہل مدینہ خوگر شدہ اند بر نفاق تو نمے دانی ایشان را ما میدانیم ایشان را"

اور حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اور بعض مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تم ان کو نہیں جانتا ہم کو معلوم ہیں"

اس آیت میں "مدینہ" کے بعض نہایت گہرے منافقین کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی منافقت اتنی گہری ہے کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بھی ان کا پتہ نہیں بس ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

(لا تعلمهم) يعني انهم بلغوا في النفاق الى حيث انك لا تعلمهم يا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك على الاسرار (تفسير خازن ص ۲۳۷)

یعنی وہ ایسے گہرے درجے کے منافق ہیں۔ اور ان کا نفاق اتنا عمیق ہے کہ اے محمد! آپ بھی باوجود روشن دلی اور اطلاع اسرار کے ان کو نہیں جانتے۔

اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

(لا تعلمهم) اي يخفون عليك مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم في تحامي ما يشككك في امرهم (نحن نعلمهم) (تفسير مدارك التنزيل ص ۲۳۷)

(یعنی اے رسول!) باوجود کمال ذکاوت اور صحیح فراست کے آپ ان منافقین کو نہیں جانتے کیونکہ جو چیزیں ان کے معاملہ کو مشکوک کرنے والی ہیں وہ ان سے بچتے رہتے ہیں، اور اس میں خوب ماہر ہیں، لیکن ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:-

(لا تعلمهم) لا تعرفهم باعيانهم (نحن نعلمهم) ونطلع على اسرارهم ان قدروا ان يلبسوا عليك لم يقدروا ان يلبسوا علينا۔ (تفسير بيضاوي ص ۲۳۶)

(یعنی مطلب یہ ہے کہ اے رسول! آپ ان منافقین کو نہیں پہچانتے اور ہاں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم کو ان کی پوشیدہ باتوں کی اطلاع ہے وہ اگر آپ کو فریب دینے پر قادر ہو گئے تو ہم کو وہ دھوکہ نہیں دے سکتے۔

اور قریب قریب یہی علامہ حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ تفسیر جامع البیان ص ۴۳۲

—— ظاہر ہے کہ مدینہ کے جن منافقین کا ذکر یہاں کیا گیا ہے ان کا نفاق اور ان کے

دوست کے ظاہری و باطنی احوال سب "ما کان و ما یکون" میں سے ہیں لیکن اس آیت میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی منافقت اور منافقانہ ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا پس معلوم ہوا کہ آیت ہذا کے نزول تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا اور یہ آیت "سورۂ توبہ" کی ہے جس کے متعلق مفسرین کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تمام سورتوں سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

اڑتیسویں آیت

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"عفو کناد خدا از تو چرا دستوری دادی ایشاں را منع اذن تا آں وقت بود کہ ہویدا شدند راست گویاں و بدانی دروغ گویاں را۔"

اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دی تو نے ان کو جب تک معلوم ہوتے تجھ پر جنہوں نے سچ کہا اور جانتا تو جھوٹوں کو۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا اور اس کے لئے نفیر عام ہوئی تو منافقین نے آ آ کر مختلف قسم کے عذر پیش کئے اور اپنی مجبوریاں بیان کیں، اور اس غزوہ میں نہ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے ان سب کو اجازت دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ سے عتاب آمیز مگر نہایت پیارے انداز میں کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کے اعذار کذب اور جھوٹ معلوم ہونے سے پہلے کیوں ان کو اجازت دے دی۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وکان صلی اللہ علیہ وسلم اذن ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد

رہ جانے کی اجازت دی تھی ان کے اعذار کا سچ اور جھوٹ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت معلوم نہ تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خاص اسی آیت کے ذیل میں مروی ہے فرمایا

لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف المنافقین یومئذ (معالم تنزیل ص ۳)

اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو پہچانتے نہ تھے۔

اور واضح رہے کہ یہ آیت ۹ھ ہجری کی ہے کیونکہ غزوہ تبوک اسی سنہ میں ہوا ہے

اڑتالیسویں آیت

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ع ۸)

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:-

"و ہر آئینہ فرستادیم پیغمبران سابق از تو از ایشان کسے ہست کہ قصہ اش خواندہ ایم بر تو و از ایشان کسے ہست کہ قصہ اش نخواندہ ایم بر تو۔"

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

"اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو ان کا احوال اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسولوں میں بھی کچھ ایسے ہیں کہ جن کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا گیا اور آپ کو ان کے حالات کی اطلاع نہیں دی گئی امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:-

بعث اللہ عبداً حبشیاً نبیاً فھو ممن لم یقصص علی محمد:

اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا تھا اور وہ ان نبیوں میں سے ہیں جن کا قصہ

ہم ان کے اسمائے گرامی سے بھی مطلع نہیں فرمایا گیا۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ مکی ہے لیکن بالکل اسی کے ہم معنی آیت جو اوپر ہم درج کر چکے ہیں وہ مدنی ہے پس معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں بھی رہا۔ واللہ اعلم۔

چالیسویں آیت

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔ ([illegible])

اس کے ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں۔

"و چنانکہ فرستادیم پیغمبرانے کہ قصہ ایشاں گفتہ ایم بر تو پیش ازیں و پیغمبرانے کہ قصہ ایشاں نگفتہ ایم بر تو"

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اور کتنے رسول جن کا احوال سنایا تجھ کو آگے اور کتنے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو"

—— جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا یہ آیت بھی پہلی آیت کے ہم معنی ہے اور اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کا حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا گیا ہے اور بعض کا نہیں بیان کیا گیا۔

چنانچہ مفسر القرآن علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ اى لم نسمهم لك ولم نعرفك اخبارهم۔ (تفسیر خازن [illegible])	یعنی مطلب یہ ہے کہ کچھ پیغمبر ایسے ہیں کہ (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو ان کے نام نہیں بتلائے اور ان کے حالات کی اطلاع بھی نہیں دی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو قول بروایت طبرانی و ابن مردویہ پہلی آیت کے ذیل میں ہم درج کر چکے ہیں وہ بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی منقول ہے۔ (الدر المنثور ج ۲)

ان آیات میں مخالفین کی تاویلات

ابتداء سے تیسویں آیت تک ہم نے یہ التزام کیا تھا کہ مخالفین کی طرف سے ان آیات کی جو تاویلات کی جاتی ہیں، یا کی جاسکتی ہیں ان کا رد بھی ساتھ ہی ساتھ کر دیا جاتا تھا لیکن اس کے بعد جو دس آیتیں آپ تک پیش ہوئیں ان کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ جس مدعی علم غیب فریق کے مقابلہ میں ان آیات کو ہم نے پیش کیا ہے ان کی طرف سے ان آیات کی کوئی قابل اعتناء اور لائق سماعت تاویل نہ کی گئی ہے، نہ کی جاسکتی ہے۔

پہلی چار (اکتیسویں سے چونتیسویں تک) آیات کا تعلق واقعات سے ہے جن کو کسی تاویل و توجیہ سے نہیں بدلا جا سکتا اور بعد کی چار اور آیتیں بھی اپنے مضمون کی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے بالکل ہی ناقابل تاویل ہیں جیسا کہ ہر ناظر باد نیٰ توجہ سمجھ سکتا ہے ——— البتہ آخری دو متحد المعنی آیتیں جو ابھی مذکور ہوئیں ان کے متعلق ہمارے مخالفین کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اپنے مایہ ناز رسالہ "الکلمۃ العلیا مئلا" پر ان آیتوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"آیت شریفہ کی یہ مراد ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی کے قصہ نہیں کہا ——— یہ علم نہ ہونے کی دلیل نہیں "

اس لئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ وحی خفی کے اس پر مطلع فرمایا ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں :-

"ھذہ الآیۃ فی قولہ تعالیٰ (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ) لان

المنفی ھو التفصیل والثابت ھو الاجمال، والنفی مقید بالوحی الجلی والثبوت متحقق بالوحی الخفی۔"

"یعنی ہمارے حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ پس ہمارے حضرت کا انبیاء کی تعداد بتانا آیت کے منافی نہیں اس لئے کہ آیت میں نفی تفصیل کی ہے اور اجمال ثابت ہے، یا آیت کی نفی وحی جلی کے ساتھ مقید ہے اور ثبوت وحی خفی سے متعلق ہے۔"

ناظرین کرام نے اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا تو وہ خود ہی سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں انہوں نے کس قدر سخت مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے تاہم ان کے اس مغالطہ کی حقیقت ہم کو بھی ظاہر کرنی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض روایات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور رسولوں کا تین سو پندرہ (اور بعض دیگر روایات میں اس سے کم و بیش بھی) وارد ہوا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ "منھم من لم نقصص علیک" کا مفاد یہ ہے کہ بعض پیغمبروں کی اطلاع حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دی گئی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے عدد کی تعیین کیسے فرما سکتے ہیں؟ اس کا پہلا جواب تو علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ

"آیت قرآنی میں جو نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء کی تفصیل یا ان کے تفصیلی حالات ہم نے نہیں بتلائے اور حدیث سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعداد کا اجمالی علم تھا اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس جواب میں اس کو تسلیم کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور ان کے مفصل و مشخص حالات معلوم نہ تھے ——— لیکن اس کے باوجود بھی مولوی نعیم الدین صاحب اگر

اپنے خیال کو عدم تقیید سمجھ کر ان کی عبارت پیش کر رہے ہیں یا تو انہوں نے اپنے ناظرین کرام کو بالکل احمق سمجھ لیا ہے یا وہ خود ہی اس مرض کے مریض ہیں۔

دوسرا جواب علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شبہ کا یہ دیا کہ

"لم نقصص" کی نفی کو وحی جلی سے مقید کیا جائے اور حدیث مثبت کے متعلق یہ کہا جائے کہ پیغمبروں کا عدد حضور کو بذریعہ وحی خفی معلوم ہو گیا۔

علامہ موصوف نے اس دوسرے جواب میں جس امر کے متعلق یہ مانا ہے کہ وہ آپ کو وحی خفی سے معلوم ہو گیا تھا وہ صرف انبیا علیہم السلام کا عدد ہے کیونکہ حدیث سے صرف اسی کا ثبوت ہوتا ہے

بہر حال علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ کسی طرح نہیں معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی خفی کے ذریعہ سے ان پیغمبروں کے اسمائے گرامی اور تفصیلی احوال بھی بتلائے گئے تھے جن کے متعلق قرآن پاک میں "منھم من لم نقصص علیک" فرمایا گیا ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ جواب محض مغالطہ اور خالص سفسطہ ہے جو ان کے سادہ لوح مریدین و معتقدین پر شاید اثر انداز ہو سکے۔

اس باطل عقیدہ کے رد میں یہاں تک ہم چالیس آیات پیش کر چکے ان میں سے پہلی تیس آیتیں تو تمام مدعیان علم غیب پر حجت ہیں اور آخری دس صرف ان لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں جو حضور علیہ السلام کے لیے یوم ولادت یا لیلۃ الاسراء سے جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اگر خارجی دلائل و قرائن سے کام لیا جائے تو ان میں سے بھی اکثر کو پہلی فہرست میں داخل کیا جا سکتا ہے لیکن ہم نے قیل و قال سے بچنے اور بحث کو مختصر کرنے کے لیے ان کو دوسری فہرست میں داخل کیا ہے۔

قرآن مجید میں ابھی اور بھی آیتیں ایسی باقی ہیں جن میں ہمارے استدلال کے لئے کافی گنجائش ہے لیکن اس وقت ہم ان چالیس ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور اپنی کتاب کے باب اول کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اس باب کو جلد اول کا پہلا حصہ قرار دیتے ہیں۔ "اللھم لک الحمد فی الاولی والاخرۃ والشکر منک الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ"

ایک آخری تنبیہ

اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف سے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس کا تمام تر
تعلق صرف اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ علم غیب کلی یا علم جمیع ماکان ومایکون ہی سے ہے اس کو
اس پر محمول کرنا کہ معاذ اللہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی تنقیص مقصود ہے
انتہائی بے ایمانی اور اعلیٰ درجہ کی شیطنت ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد فضل علمی
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی درجہ ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
اللہ تعالیٰ نے جو علوم و معارف آپ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے
رسول یا کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطا نہیں ہوئے آپ ہی ہیں وہ جن کے متعلق
خدا کی مقدس کتاب نے شہادت دی۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا — اللہ نے آپ کو وہ علم سکھائے جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھے اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

آپ ہی وہ ہیں جن کے متعلق کتاب الٰہی کا بیان ہے۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى — خدا نے اپنے بندے کے دل میں ڈالا جو کچھ ڈال دیا۔

آپ ہی معارف الٰہیہ کے آخری معلم اور علوم ربانیہ کے آخری مبلغ لیکن با ایں ہمہ آپ کے
علوم کو علوم الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو ایک مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے نیز آپ کے علم
کی اس غیر معمولی بے نظیر وسعت کی وجہ سے جمیع ماکان ومایکون کا عالم بھی آپ کو نہیں کہا جا سکتا
کیونکہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی اس کے خلاف ناطق ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا پس ان نصوص کا انکار اور
سرتابی کرکے آپ کو عالم الغیب یا عالم جمیع ماکان ومایکون ماننا محبت نہیں بلکہ معصیت اور موجب قربت
نہیں بلکہ ایک بغاوت ہے، رسول اللہ روحی وقلبی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ فَقُوْلُوْا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ — تم مجھ کو حد سے نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا میں اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھ کو اس کا بندہ اور اس کا رسول کہو

احقر عباد اللہ **محمد منظور النعمانی** عفی عنہ

قائلین علم غیب سے آخری اپیل

اگر آپ لوگوں نے اس رسالہ کو ملاحظہ فرمایا ہے تو آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضور سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا عقیدہ اور آپ کے عالم جمیع ما کان وما یکون ہونے
کا عقیدہ قرآن عزیز سے کیسی کھلی بغاوت ہے ــــ کیا اس کے بعد بھی آپ کو یہ مغالطہ
ہے کہ آپ محب رسول ہیں؟ ــــ کیا آپ کی لائی ہوئی مقدس کتاب کی مخالفت
اور اس کی آیات سے سرتابی کے بعد بھی آپ اپنے کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا
فدائی سمجھتے ہیں؟ ــــ اور یہ امید رکھتے ہیں کہ اس محبت و فدائیت کی وجہ سے
حضور آپ کی شفاعت فرمائیں گے اور ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے؟
کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ تارکین قرآن قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے مدعا علیہ ہوں گے اور ان پر سرکار رسالت کی طرف سے عدالت خداوندی
میں یہ سنگین دعویٰ ہوگا کہ

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا
(سورۂ فرقان ع ۳)

اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے (جن میں آپ نے مجھے بھیجا اور میرے سامنے لائے تھے) اس مقدس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

قرآن کی حجت آپ حضرات پر قائم ہو چکی۔ یہ چالیس آیتیں اس عقیدۂ باطلہ کے
خلاف ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اور آپ کے مولوی صاحبان جو لاطائل
دلیلیں اور رکیک تاویلیں ان میں کیا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں ان کا بھی بقدر کافی رد
قرآن ہی کی روشنی میں کر چکے ــــ اور خدا جانتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ
تو جاہلی عصبیت کی وجہ سے کیا گیا ہے نہ اپنے سلف و اساتذہ اور اکابر کے عقیدہ کی بیجا
حمایت کے لیے بلکہ صرف احقاق حق اور ابطال باطل کی غرض سے ــــ
حق تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور آپ کو رجوع الی الحق کی توفیق دے۔

ــــ واللہ [illegible]

قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ

ناشر
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بوارق الغیب علی من یدعی لغیر اللہ علم الغیب

حصہ دوم

مسئلہ علم غیب و علم جمیع ماکان و ما یکون احادیث نبویہ کی روشنی میں:

تحفہ از کلمۃ اللہ ... ترجمہ از مظلوم عبد اللہ ...

کسی مسئلہ کا اطمینان بخش اور قطعی و آخری فیصلہ حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑی حجت حدیث نبوی ہے۔ اور ہم کو حکم ہے کہ اپنے تنازعات میں حضرت حق جل مجدہ کے بعد بارگاہ رسالت کی طرف رجوع کریں اور اسی دربار سے آخری فیصلہ لیں کہ وہ فیصلہ بھی خدا ہی کا فیصلہ ہے۔ "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" خود کتاب الٰہی نے جا بجا اسے مستقر فرمایا ہے کہ :-

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۔ القرآن پ ۵ نساء ع ۱

پس اگر تم لوگوں میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ کرو اور دیں سے اس کا فیصلہ چاہو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور اسی کا انجام خوشتر ہے۔

پھر جب اس دربار سے کوئی فیصلہ صادر ہو جائے تو مومن کا کام نہیں کہ اس سے سرتابی کرے یا اس میں شک بھی لائے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ

اور کسی ایمان دار مرد اور ایماندار عورت کے لئے گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو اللہ اور اس کے

میں جو احادیث و آثار و اقوال مفسرین نقل ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد دو سو ساٹھ ہے۔ اور ان کے حوالوں کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی تھی۔ آئندہ اسی حساب سے نمبر شمار ہوں گے۔

حدیث نمبر ۲۶۱ لغایت نمبر ۲۷۰

صحیحین بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے حضرت جبرائیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مکالمہ مروی ہے جو عرف علماء میں حدیث جبرئیل کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اس کا اجمالی ذکر کتاب ہذا کے حصہ اول صفحہ ۳۸ پر چند دیگر آیات کے ذیل میں بھی کیا جا چکا ہے۔ اور وہاں تفصیل کو حصہ دوم پر محول کر دیا گیا تھا۔ چونکہ یہ حدیث پاک اپنی اہمیت اور جامعیت کی وجہ سے ام السنۃ کہی جاتی ہے۔ اور اس کی اسی خصوصیت کے پیش نظر امام مسلم اور امام بغوی جیسے جلیل القدر محدثین نے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے۔ اس لئے ہم بھی اس حصہ کا آغاز اسی مقدس حدیث سے کرتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور یہ متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ یہاں ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ درج کرتے ہیں جس کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے کی۔

عن ابی هریرة قال كان النبی صلی الله علیه وسلم بارزا یوما للناس فاتاه رجل فقال ما الایمان قال الایمان ان تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث۔ قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد الله ولا تشرك به وتقیم الصلوة وتؤدی الزكوة المفروضة

ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور آخرت میں اس کے سامنے پیش ہونے پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کرو۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز کو قائم کرو۔ اور فرض

وتصوم رمضان قال ما
الاحسان قال ان تعبد الله
كانك تراه فان لم تكن
تراه فانه يراك قال
متى الساعة قال ما المسئول
عنها باعلم من السائل
وساخبرك عن اشراطها
اذا ولدت الامة
ربها واذا تطاول
رعاة الابل البهم
فى البنيان فى خمس لا
يعلمهن الا الله ثم
تلا النبى صلى الله
عليه وسلم ان الله
عنده علم الساعة
الآية ــــــ ثم ادبر
فقال ردوه فلم يروا
شيئا فقال هذا جبريل
جاء يعلم الناس دينهم
صحیح بخاری کتاب الایمان
باب سوال جبریل
(علیه الصلوٰة والسلام)
النبی صلی الله علیه

زکوٰۃ کیا ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو۔
پھر اس شخص نے عرض کیا کہ احسان کیا ہے۔ ؟
آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس ذوق اور خوشی
سے اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔
سو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔
پھر اس شخص نے عرض کیا کہ قیامت کب ہے۔
آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے
وہ خود سائل سے زیادہ اس بات کو نہیں جانتا۔
اور میں تم کو اس کی علامتیں بتائے دیتا ہوں۔ جب
لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کے
چرانے والے بڑی بڑی بلند عمارتیں بنانے لگیں۔
تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے۔ اور وقت قیامت
قرآن پانچ چیزوں میں ہے۔ جن کو خدا کے سوا کوئی
نہیں جانتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور
استشہاد سورۃ لقمان کی یہ آخری آیات تلاوت فرمائی
ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ جس کا
ترجمہ یہ ہے کہ بے تحقیق اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت
کے وقت خاص کا اور وہی اپنے علم کے مطابق
نازل کرتا ہے بارش کو اور وہی جانتا ہے اس کو
جو حملوں میں ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ
کل کیا کرے گا۔ اور کسی کو خبر نہیں کہ کس سرزمین میں
اس کو موت آئے گی۔ بے تحقیق اللہ ہی جاننے والا
ہے اور خبردار ہے۔ اس کے بعد وہ سوال کرنے

وہ شخص واپس چلا گیا تو حضور نے بعض حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس کو واپس لاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کے پیچھے گئے، مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حقیقت میں جبرئیل تھے لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم کرنے آئے تھے۔

مسلم عن الایمان و الاسلام و الاحسان و علم الساعۃ۔ و صحیح مسلم شرح کتاب الایمان

ابو داؤد نے اسی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔
(ابو داؤد کتاب السنۃ)

اور امام مسلم و ابن خزیمہ و ابو عوانہ نے اپنی صحاح میں اور امام احمد نے مسند میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کو بطریق مسند امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اس سے کچھ زیادہ تفصیل ہے۔ اور مسند احمد و معجم کبیر طبرانی و حلیۃ ابی نعیم میں بعض طرق سے یہ حدیث حضرت ابن عمر سے بلا واسطہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی مروی ہے۔

اور امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور بزار نے اپنے مسند میں حضرت انس سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

اور امام احمد نے اپنے مسند میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(فتح الباری الجزء الاول صفحہ ۱۰۵ و عمدۃ القاری المجلد الاول صفحہ ۲۸۹) نیز یہی حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی گئی ہے اخرجہما ابن عساکر کما فی کنز العمال صفحہ ۲۷ جلد اول

علم حدیث کا جو مختصر ذخیرہ اس وقت اس عاجز کے سامنے ہے اس کے محدود مطالعہ سے طبقہ صحابہ میں اس حدیث کے یہ دس راوی معلوم ہو سکے ہیں۔ پھر ذیل کے طبقات میں تو روایت کی اس قدر کثرت ہے کہ ان کا ضبط و شمار بھی مشکل ہے۔ ان تمام طرق و روایات کو یہ

فتساويا في عدم العلم به — کہ سائل و مسئول قیامت کا علم نہ جاننے میں برابر ہیں۔

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں اسی جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں

یعنی نیستم من داناتر از تو بداں یعنی من و تو ہر دو برابریم در نادانستن آں بلکہ ہر سائل و مسئول ہمیں حال دارد کہ آنرا جز خداوند تعالیٰ کسے نداند و حق تعالیٰ آنرا پنہاں داشتہ از ملائکہ و رسل بر آں اطلاع نداده (اشعۃ اللمعات ص ۳۴)

یعنی اس قیامت کے وقت کو میں تم سے زیادہ نہیں جانتا یعنی میں اور تم دونوں اس کے نہ جاننے میں برابر ہیں بلکہ ہر سائل و مسئول کا اس بارہ میں یہی حال ہے کہ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور حق تعالیٰ نے فرشتوں اور رسولوں میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو علم کی نفی پر ہی محمول کیا ہے اور اس کو عدم علم کا اعتراف قرار دیا ہے۔ چنانچہ ما المسئول عنہا باعلم من السائل کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔

فيه انه ينبغي للعالم والمفتي وغيرهما اذا سئل عما لا يعلم ان يقول لا اعلم وان ذالك لا ينقصه۔ (نووی علی مسلم ص ۲۹)

حضرت کے اس جواب میں اس کی تعلیم ہے کہ عالم اور مفتی وغیرہ کو چاہیئے کہ جب ان سے کسی ایسی بات کا سوال ہو جو انہیں معلوم نہ ہو تو صاف کہدیں کہ ہم کو علم نہیں اور اس سے ان کی شان نہیں گھٹتی۔

اور اسی کے قریب اس موقع پر امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ارقام فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فيه لا ادري من العلم لانه تواضع بعدم العلم وان ذالك لا ينقصه ولا يزيل ما عرف من جلالة قدره۔ (عمدۃ القاری ص ۲۹۰ ج ۱)

حضور کے اس جواب سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مجیب کا لا ادری یعنی نہیں جانتا کہدینا اور اپنے عدم علم کا اعتراف کر لینا بھی علم میں داخل ہے۔ اور اس سے اس کی شان نہیں گھٹتی اور اس کی جلالت قدر زائل نہیں ہوتی۔

بہرحال ان جلیل القدر شارحین حدیث کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ ان تمام حضرات

کے نزدیک حضور کے اس ارشاد ما المسئول عنها باعلم من السائل کی مراد اور اس کا قائل یہی ہے کہ اے سائل تیری طرح مجھے بھی قیامت کے آنے کا وقت معلوم نہیں ـــــ اور پھر حدیث کے سیاق و قرینہ لا یعلمهن الا اللہ نے اس مراد کو بالکل واضح بھی کر دیا کہ جس کے بعد کسی دوسرے مطلب کا احتمال ہی نہیں رہا۔

پس بعض اہل زیغ و ضلالت جو اپنے خود ایجاد اور زمانہ ساز عقیدہ کے تحفظ کے لئے اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ

"اس سے علم کی نفی تو نہیں نکلتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئول و سائل (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جناب جبریلؑ) دونوں ہی کو اس کا علم ہے" سوال کا یہ قول باطل اور خلاف حدیث ہے متعین و مردود ہے علاوہ ازیں اس خیال کے بطلان کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی بتصریح ہے کہ اس گفتگو کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو پہچانا نہیں تھا۔ اور آپ کو معلوم نہیں تھا کہ سائل جبریل ہیں بلکہ وہ اس وقت اجنبی شکل میں سائل بن کر آئے تھے۔ اور یہ آپ کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل امین تھے۔

چنانچہ اسی حدیث ابوہریرہ کی ابو فروہ والی روایت میں ہے۔

والذی بعث[۲۹] محمداً بالحق ما کنت باعلم من رجل منکم وانہ لجبریل۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۶، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۱)

قسم ہے اس رب جلیل کی جس نے محمد کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ میں اس سائل کو تم میں سے کسی ایک شخص سے بھی زیادہ نہیں جانتا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ جبریل تھے۔

اور سلیمان تیمی کی روایت میں ہے۔

والذی[۳۰] نفسی بیدہ ما شبہ علی منذ اتانی قبل مرتی ہذہ وما عرفتہ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب سے جبریل میرے پاس آتے ہیں وہ کبھی اس دفعہ سے پہلے مجھ پر مشتبہ نہیں ہوئے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا

حتی ولّی۔
(فتح الباری + عمدۃ القاری)

نہیں نے ان کو نہ پہچانا ہے اور اب سب کہتے ہیں سب نے ان کو نہیں پہچانا یہاں تک کہ وہ چلے گئے۔

اور حضرت ابو عامر اشعری کی حدیث میں ہے۔

والذی نفس محمد بیدہ ما جاءنی قط الا وانا اعرفہ الا ان تکون هذه المرة۔ (فتح ملہم)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے جبرئیل جب کبھی میرے پاس آئے میں ان کو پہچانتا تھا بجز اس دفعہ کے۔

اور حضرت ابو موسے اشعری کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فی صورة اعرابی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرفه (کنز العمال)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل ایک اعرابی کی شکل میں آئے اور حضور نے ان کو نہیں پہچانا تھا۔

اور حضرت عبدالرحمن بن غنم کی حدیث میں اصلی وارد ہوا ہے کہ

انه اتاه جبرئیل فی صورة لم یعرفه فیها۔ الحدیث (کنز العمال)

حضور کی خدمت میں جبرئیل ایسی شکل میں آئے کہ آپ اس شکل میں ان کو نہ پہچانتے تھے۔

ان تمام روایات کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات درجۂ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ اس صحبت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو پہچانا نہ تھا۔ اور آپ ان کو ایک نو وارد اعرابی سمجھ کر گفتگو فرما رہے تھے۔ پس یہ کیوں کر عقل میں آ سکتا ہے کہ جس شخص کو آپ ایک عامی اور اعرابی سمجھے ہوئے ہیں اس سے فرمائیں کہ مسئول و سائل یعنی مجھے اور تمہیں دونوں ہی کو قیامت کا وقت معلوم ہے۔ الغرض حدیث کے اس جزء کے ملاحظہ کے بعد یہ احتمال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

پس حدیث کے تمام اجزاء کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضور کے جواب ما المسئول عنها باعلم من السائل کا حاصل وہی مختصر سا ہے جو عام شارحین حدیث نے بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ اے سائل قیامت کا وقت خاص تیری طرح مجھے بھی معلوم نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور نے پھر سیدھا یوں ہی کیوں نہ فرمایا کہ اس کا علم مجھے نہیں

حـه قال الحافظ فی الفتح بعد ما ذکر بعض هذه الروایات دلت الروایات التی ذکرناها علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما عرف انه جبرئیل الا فی آخر الحال (فتح ج۱)

ہے یا یوں کیوں نہ فرمایا کہ اس کا علم مجھے تم سے زیادہ نہیں ہے اور یہ تعبیر کیوں اختیار کی مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے" ۔۔۔۔ تو اس کا جواب شارحین حدیث نے یہ دیا ہے کہ اس صورت میں صرف آنحضرت اور سائل ہی سے علم قیامت کی نفی ہوتی اور اس عام تعبیر سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کے معلوم نہ ہونے میں میری یا تمہاری ہی خصوصیت نہیں بلکہ ہر سائل و مسئول کا یہی حال ہے۔ کیونکہ اس کو مخلوقات میں سے کوئی جانتا ہی نہیں۔

امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وانما قال كذلك ليشعر بالتعميم تعريضا للسامعين ان كل سائل ومسئول فهو كذلك ۔۔
(عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۲۹۲)

یہ عام تعبیر آپ نے اس لئے اختیار فرمائی تاکہ لوگوں کو اس کی عمومیت معلوم ہو جائے۔ اور سامعین سمجھ جائیں کہ اس بارے میں ہر سائل و مسئول کا یہی حال ہے۔

اور اسی کے مثل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱

ان تمام مباحث کے بعد ہمارے استدلال کا مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نے اپنے اس جامع جواب کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان نہایت بلیغ انداز میں فرمایا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم کسی مخلوق کو نہیں۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کا اعلان قرآن پاک کی بہت سی آیات میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس موقع پر ان میں سے ایک آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ" کا حوالہ دے کر اپنے اس جواب کو قرآن پاک سے مؤید کر دیا ہے۔

پھر حضور اقدس نے آخر حدیث میں یہ فرمایا کہ ان جبریل جاء یعلمکم دینکم " کہ یہ جبریل امین تھے اس لئے آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعے تم کو تمہارے دین کی تعلیم دیں" ۔۔۔۔ یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس سوال و جواب سے جو کچھ تمہیں معلوم ہوا کہ ایمان، اسلام، احسان یہ ہے اور یہ کہ قیامت کے وقت خاص کا علم کسی مخلوق کو نہیں۔ اور اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی تمہارا دین اور ایمان ہے۔ جس پر تمہارا رب تمہیں قائم کرنا چاہتا ہے۔

حضورؐ کے اسی ارشاد گرامی "جاء یعلمکم دینکم" ہی سے شارحین حدیث نے یہ نتیجہ نکالا کہ قیامت پر یقین رکھنے کے ساتھ ہی اس کے وقت خاص کے کسی مخلوق کو معلوم نہ ہونے پر یقین رکھنا بھی جزو دین ہے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رکھنا اور اس کا معلوم ہونا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ایمان و اسلام اور احسان کی حقیقت سے واقف ہونا۔

چنانچہ امام محمود بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قلت: لأن اعتقاد وجودها وعدم العلم بوقتها لغير الله تعالى من الدين أيضاً (عمدة القاري)	قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اس کے ساتھ یہ یقین رکھنا کہ اس کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، جزو دین ہے۔

اور خطیب قسطلانی فرماتے ہیں کہ:

يدخل فيه اعتقاد وجود الساعة وعدم العلم بوقتها لغير الله تعالى لأنهما من الدين (ارشاد الساري)	امام بخاری کے ارشاد "یعلمکم دینکم" میں قیامت کے آنے کا اعتقاد اور اس کے وقت کے غیر خدا کو معلوم نہ ہونے کا یقین بھی داخل ہے، کیوں کہ یہ دونوں عقیدے جزو دین ہیں۔

اور شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحفۃ الباری شرح بخاری میں اس موقع پر بعینہٖ یہی لکھا ہے (تحفۃ الباری مع القسطلانی مصری ج۱)

نیز حضورؐ کے اسی ارشاد "ھذا جبریل جاء یعلمکم دینکم" سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ اس حدیث میں جو مضامین ہیں وہ بالکل محکم اور اٹل ہیں کہ خاص طور پر ان کی تعلیم دینے اور صحابہ کے مجمع میں سوال و جواب کے دلنشین انداز میں ان کے دہرانے کے لئے حضرت جبرئیل بھیجے گئے ——— بلکہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث پاک اپنی جامعیت اور غیر معمولی اہمیت کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ اس کو "ام السنہ" کہا جائے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فتح الباری میں اور امام عینی عمدۃ القاری میں ارقام فرماتے ہیں۔

قال القرطبي هذا الحديث يصلح	علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو

أن يقال: إنه أم السنة لما تضمنه من جملة علم السنة

ام السنہ کہنا مناسب ہے، کیونکہ یہ تمام علوم سنت پر اجمالاً مشتمل ہے۔

اور علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

اشتمل هذا الحديث على جميع وظائف العبادات الظاهرة والباطنة من عقود الإيمان ابتداءً وحالاً ومآلاً ومن أعمال الجوارح ومن إخلاص السرائر والتحفظ من آفات الأعمال حتى إن علوم الشريعة كلها راجعة إليه ومتشعبة منه

(فتح الباري ج١)

یہ حدیث مشتمل ہے ظاہری و باطنی عبادات یعنی تمام ایمانیات اور اعمال ظاہرہ اور اخلاص نیت وغیرہ روحانی ملکات اور آفات شیطانیہ کے تحفظات پر حاوی ہے۔ گویا کہ تمام علوم شریعت اسی کی طرف راجع ہیں اور اسی سے نکلتے ہیں۔ (ملخصاً)

بہرحال حدیث کی اس خاص حیثیت اور اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ گویا شریعت مطہرہ کا خلاصہ اور دین قیم کا نچوڑ ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس صحبت کے بعد حضور کو قیامت کے وقت خاص کا علم بھی دے دیا گیا ہوگا۔ خود اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ملاقات جس میں یہ سوال و جواب ہوئے، حضور کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔

امام بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما اسی حدیث کی شرح کے ذیل میں ناقل ہیں۔

بيّنه ابن منده في كتاب الإيمان بإسناده الذي على شرط مسلم من طريق سليمان التيمي في حديث عمر رضي الله عنه أوله: أن رجلاً في آخر عمر النبي صلى الله عليه وسلم جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر الحديث بطوله

(عمدة القاري ج١، فتح الباري ج١)

ابن مندہ نے کتاب الایمان میں اپنی اس اسناد سے جو بر شرط امام مسلم صحیح ہے سلیمان تیمی کے طریق سے بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کا شروع ہی یہ ہے کہ ایک شخص یعنی جبرئیل بصورت اجنبی حضور کی عمر کے آخری حصہ میں آپ کی خدمت میں آئے اور پھر آگے پوری حدیث ذکر کی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ بھی حضور کی آخری عمر کا ہے۔ جب کہ دین ہر طرح سے بالکل مکمل ہو چکا تھا اور اس کے اندر کسی کمی بیشی کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ امام بدر الدین عینیؒ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فدل هذا على ان هذا جاء بعد انزال جميع الاحكام لتقرير امور الدين التي بلغها متفرقة ۔ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰ ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب جبریل کی یہ آمد تمام احکام نازل ہو جانے کے بعد امور دین کو منضبط کر کے بیان کرنے کے واسطے ہوئی تھی

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اسی موقع پر لکھتے ہیں کہ

انما جاء بعد انزال جميع الاحكام لتقرير امور الدين التي بلغها متفرقة في مجلس واحد لتنضبط ۔

فتح الباری ص ۱۲۵

حضرت جبریل تمام احکام کے نزول کے بعد اس واسطے اس موقع پر آئے تھے کہ دین کی جو اصولی اور ضروری باتیں آپ نے مختصر اور متفرق طور پر اب تک پہنچائی تھیں ان کو ایک ہی مجلس میں بیان کر دیں تاکہ وہ منضبط ہو جائیں۔

بہرحال ابن مندہ کی مندرجہ بالا روایت اور اس کے متعلق علامہ عینی اور حافظ عسقلانی کی مذکورہ صدر تصریحات نے بھی اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اس واقعہ کے بعد حضور کو قیامت کے وقت کا علم دے دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کے جو مضامین (جن میں اللہ کے سوا کسی کے لئے قیامت کا علم نہ ہونا بھی داخل ہے) محکم ہیں اور اس میں دین کی آخری اور مکمل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔

اہل بدعت کی طرف سے اس حدیث میں ایک باطل ترین تاویل بلکہ نہایت جاہلانہ تحریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس میں وقت قیامت کے صرف علم ذاتی کی نفی ہے اور گویا حضور کے ارشاد ما المسئول عنها باعلم من السائل کا مطلب یہ ہے کہ اے سائل! مجھے وقت قیامت کا ذاتی علم تجھ سے زیادہ نہیں ——"

اور اس کی تائید میں علامہ قرطبی کی ایک عبارت بھی پیش کی جاتی ہے۔ جو انہوں نے اسی حدیث کے آخری ٹکڑے فی خمس لا یعلمهن الا الله کی شرح میں ارقام فرمائی ہے

اور جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی امام بدرالدین عینی اور خطیب قسطلانی نے شرح بخاری میں اور علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

قال القرطبي لا مطمع لاحد في علم شيء من هذه الامور الخمس لهذا الحديث وقد فسر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قول الله تعالى "وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو" بهذه الخمس وهو في الصحيح قال فمن ادعى علم شيء منها غير مسند الى رسول الله صلى الله عليه وسلم كان كاذبا في دعواه۔

قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث کی وجہ سے ان پانچ چیزوں (وقت قیامت، وقت نزول باراں وغیرہ) میں سے کسی چیز کے علم کی کسی کے لئے امید نہیں کی جا سکتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو" کی تفسیر انہی پانچ چیزوں سے کی ہے اور وہ حدیث صحیح میں ہے "پس جو شخص ان پانچ میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔

اس عبارت سے ہمارے مخالفین کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ـــــ اس کے آخری جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان پانچ چیزوں میں سے کسی بات کے علم کا دعوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے کرے تو اس کی تکذیب نہیں کی جائے گی۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ خود حضور کو یہ علوم حاصل تھے۔" انتہیٰ۔"

لیکن فی الحقیقت علامہ قرطبی کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا محض ناسمجھی یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان امور خمس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ان کے کلیات دوسرے ان کے جزئیات سو ان کے کلیات کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی طرح بھی نہیں یعنی یہ بات اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ وہ ان کے تمام افراد پر بطور کلی حاوی ہو اور آیت کریمہ ـــــ "ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ" اور "وعندہ مفاتح الغیب" میں اسی اصولی اور کلی علم کو صرف حق تعالیٰ کے لئے ثابت کرکے غیر سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن ان کے بعض جزئیات کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ تاہم وہ

جزئیات بھی مغیبات ہی میں سے ہیں۔ اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ امور غیب کی یقینی اور غیر مشکوک اطلاع جو وساوس شیطانیہ وغیرہ سے قطعی طور پر محفوظ ہو۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو براہ راست نہیں دی جاتی۔ جیسا کہ سورۂ جن میں ارشاد ہے۔

فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول الآیۃ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کے سوا کسی کو براہ راست اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ پس علامہ قرطبی کی مذکورہ بالا عبارت کا منشا صرف یہی ہے کہ چونکہ یہ امور خمسہ غیب میں سے ہیں۔ اس لئے ان کی کسی جزئی کے علم کا دعویٰ بھی اگر کوئی بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرے تو وہ کاذب ہوگا۔ کیونکہ غیب کی کسی بات کی بھی قابل وثوق اور لائق یقین اطلاع رسولوں کے سوا کسی کو نہیں دی جاتی ——— رہا ان امور خمسہ کا علم کلی سو وہ بالکل حق تعالیٰ ہی سے خاص ہے اور کسی مخلوق کو کسی طرح بھی حاصل نہیں۔ اور آیات قرآنیہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ اور وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو میں اسی کا بیان ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص بتلا کر غیر اللہ سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

بہر حال قرطبی کی ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ ان امور خمسہ کا علم کلی یا بالفاظ دیگر ان کے کلیات کا علم یا قیامت کے وقت معین کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعطاء الٰہی حاصل تھا اور قرطبی ہی پر منحصر نہیں کسی معتبر عالم دین نے بھی ایسا نہیں لکھا۔ اور نہ قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص کے خلاف کوئی محقق عالم ایسا لکھ سکتا ہے۔ اور جن علماء مصنفین کی اس قسم کی عبارات ہمارے مخالفین کی طرف سے اس بارے میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان سب میں امور خمسہ کے جزئیات ہی کا علم بعطاء الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقربین کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ——— اور ہم کتاب ہذا کے پہلے حصہ میں بحمد اللہ نہایت مدلل اور مفصل طور پر بتلا چکے ہیں کہ قرآن مجید میں امور خمسہ کے صرف علم کلی کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص بتلایا گیا ہے۔ اور اسی پر ہمارے استدلال کی بنیاد ہے۔

غیر امور خمسہ کی بحث تو یہاں استطراداً آگئی۔ اور چونکہ ہم حصہ اول میں اس پر مفصل

ہم لکھ چکے ہیں کہ اس سے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا اور خاص بحث یہاں وقت قیامت کے علم کی تھی اور ہم کو اس پر بحث کی۔ اس لیے ہمیں تاویل کا ابطال کرنا تھا کہ یہاں (حدیث جبریل میں) قیامت کے صرف علم ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا بڑا مستمسک علامہ قرطبی کی عبارت سے تھا۔ جس کی حقیقت ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکی۔

اس کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ علم ذاتی نہ ہونے میں قیامت کی کوئی تخصیص نہیں اور یہ سب کو مسلم ہے کہ حضور کو کسی ایک بات کا بھی علم ذاتی طور پر نہ تھا۔ بلکہ سب خدا کا دیا ہوا اور تعلیم کیا ہوا تھا پھر جب آپ نے حضرت جبریل کے دوسرے تمام سوالوں کا جواب صاف صاف دیدیا اور علم قیامت سے انکار کر دیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ حضور کو اس کا علم عطائی بھی نہیں ورنہ صرف اس کا اظہار کرنا تھا کہ مجھے اس کا ذاتی علم نہیں تو پھر ہر سوال کا یہی جواب دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ آپ کو کسی ایک سوال کے جواب کا بھی ذاتی علم حاصل نہ تھا۔

اور پھر آپ نے قیامت کے سوال کے جواب میں صرف "ما المسئول عنہا باعلم من السائل" ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ساخبرک عن اشراطہا" کہ میں تمکو اس کی کچھ علامتیں بتلاتا ہوں۔ اور پھر بتلائیں بھی۔ حالانکہ ان علامتوں کا علم بھی آپ کو ذاتی نہ تھا بلکہ خدا کی عطا اور اس کی تعلیم ہی سے تھا۔

ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھ کر معمولی سمجھ کا انسان بھی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ تاویل کس قدر باطل اور کیسی مہمل ہے اور اس کے پیش کرنے والے کس قدر سخت وہم اور فہم صحیح و علم سلیم سے کتنے محروم ہیں۔

بہر حال یہ حدیث پاک جس کو علماء اہلسنت پیش کرتے ہیں ہمارے مدعا پر نہایت محکم اور ناقابل تاویل دلیل ہے اور اس سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو قیامت کے وقت خاص کا علم عطا نہیں فرمایا گیا۔ اور اس حقیقت کے اعلان کو اتنا ضروری سمجھا گیا کہ تمام دین کے مکمل ہو جانے کے بعد حضرت جبریل سے مجمع صحابہ میں سوال کرائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی میں اس کا جواب دلوا کے سب پر

کو اس کا شاہد بنا دیا گیا اور ایمان و اسلام و احسان کی حقیقت کیساتھ اس عقیدہ کا سبق بھی ان کو خاص طور پر دیا گیا ۔

ہم پہلے مفصلاً بتا چکے ہیں کہ یہ حدیث دس صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہے ۔ اور ہر صحابی کی روایت کے مخرجین کا نام بھی ہم بتا چکے ہیں ۔ اور ان کتابوں کا حوالہ بھی لکھ چکے ہیں ۔ جن میں وہ روایات مذکور ہیں ــــ اور محدثین کا مسلم اصول ہے کہ صحابی کے تعدد سے حدیث کا تعدد ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک مضمون کی حدیث کو چار صحابی روایت کریں تو چار حدیثیں مانی جاتی ہیں پس یہاں تک گویا دس حدیثیں مذکور ہو چکیں ۔

حدیث نمبر ۱۱

عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب قرب الساعۃ)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اپنی وفات سے صرف ایک مہینہ پیشتر فرماتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم صرف خدا ہی کو ہے ۔

اس حدیث کو ابن ابی عاصم اور ابن مردویہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے ۔ (در منثور صفحہ ۶۲ ج ۳)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ۔

ھمزۃ الانکار مقدرۃ ای اتسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ ای لا یعرفھا الا ھو (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۲ ج ۵)

ہمزہ انکاری مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے ۔ یعنی اس کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا ۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے ترجمہ اور شرح میں ارقام فرماتے ہیں ۔

حضرت جابر شنیدم آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم کہ میگفت پیش از مرگ خود بیک ماہ تسئلونی عن الساعۃ می پرسید مرا از وقت

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات اقدس سے ایک مہینہ پہلے سنا آپ فرماتے

قیام قیامت (وانما علمها عند اللہ) نیست علم پس نیست وقت آں مگر نزد خداوند عزوجل یعنی از وقت وقوع قیامت کبریٰ کہ پرسید آں خود معلوم من نیست و آنرا بجز خداے تعالیٰ ہیچ کس نداند (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۲۲۲)

مجھ کو تم مجھ سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کرتے ہو حالانکہ اس کے وقت معین کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ... یعنی تم قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت مجھ سے پوچھتے ہو وہ تو خود مجھے معلوم نہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر (۱۲)

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الساعۃ قال علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو ولکن اخبرکم بمشاریطها وما یکون بین یدیها ان بین یدیها فتنۃ وهرجا (رواہ احمد) تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۲ ج ۲ و درمنثور ص ۱۵۰ جلد ۳ —

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ لیکن میں تم کو اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ اس سے پہلے فتنے ہوں گے اور قتل۔

حدیث نمبر (۱۳)

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الساعۃ وانا شاہد فقال لا یعلمها الا اللہ ولا یجلیها لوقتها الا هو ولکن ساخبرکم بمشاریطها وما بین یدیها من الفتن والهرج (اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ درمنثور ص ۱۵۰ ج ۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت کا سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ (یعنی اس کے وقت سے پہلے اس کی اطلاع نہیں دی جائے گی) لیکن میں تم کو اس کی بعض علامتیں اور اس سے پہلے جو فتنے اور خونریزیاں ہونے والی ہیں بتلائے دیتا ہوں۔ الخ

ان احادیث کے جواب میں بھی فریق مخالف کی طرف سے وہی دو باتیں کہی جاتی ہیں

جو صریح نقل اور اس مضمون کی آیات مندرجہ حصہ اول کے جواب میں ہم ان کی طرف سے نقل کرچکے ہیں اور ان کے جوابات دیئے ہیں جو داں ملاحظہ کئے جاچکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ناظرین خود جانچ فرماسکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام فتذاکروا الساعۃ فردوا امرھم الی ابراھیم فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی موسیٰ فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی عیسیٰ فقال اما وجبتھا فلا یعلم بھا احد الا اللہ تعالیٰ۔

اخرجہ سعید بن منصور واحمد وابن ابی شیبہ وابن ماجہ وابن جریر وابن المنذر والحاکم وصححہ وابن مردویہ والبیہقی فی البعث والنشور — درمنثور ج ۴ ص ۳۲۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا شب معراج میری ملاقات حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی تو وقت قیامت کا ذکر کیا۔ پس پہلے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر یہی سوال حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انہوں نے بھی فرمادیا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر یہی سوال حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ اس کے وقوع کے وقت کی خبر تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں الخ

بظاہر حضرت عیسیٰؑ ہی پر سلسلہ سوال کے ختم ہو جانے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس سوال کے پیش نہ ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے جواب کے بعد سوال کی گنجائش ہی نہیں رہی کیونکہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ و جناب موسیٰؑ کی طرح صرف یہی نہیں فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے بلکہ انہوں نے جواب یہ دیا کہ اس کے وقوع کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہی نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب اولوالعزم پیغمبر جیسی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کے ساتھ یہ فرماتے تو آگے سوال کی ضرورت بلکہ گنجائش بھی نہیں رہتی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

سوال نہیں ہوا یا یوں سمجھ لیجئے کہ حضورؐ کی طرف سے بھی وہی جواب سمجھ لیا گیا۔

نیز یہ کہ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کو قیامت کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے کہ وہ اس سے کچھ ہی پہلے دجالی فتنہ کے استیصال کے لئے تشریف لائیں گے۔ اور اسی لحاظ سے وہ اس کی قریبی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ "وانہ لعلم للساعۃ"

پس اگر وقت قیامت کا علم کسی مخلوق کو دیا گیا ہوتا تو بہت زیادہ قریں قیاس یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیا جاتا۔ پس جب ان کو بھی نہیں دیا گیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کسی کو عطا ہی نہیں فرمایا ہے۔ تو ممکن ہے کہ اس حیثیت سے بھی ان کے کو آخری سمجھا گیا ہو واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ اس آسمانی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش نہیں ہوا۔ اور اس واسطے وہاں حضورؐ نے اس کے متعلق اظہار خیال نہیں فرمایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہی آخری جواب سمجھ لیا گیا۔ لیکن جب بعد میں صحابہ کرام کے سامنے حضورؐ نے اس واقعہ کو نقل فرمایا اور حضرت عیسیٰ کے جواب اما وجبتہا فلا یعلمہا احد الا اللہ تعالیٰ کو بلا کسی استثناء اور اعتراض کے ذکر فرمایا تو گویا حضورؐ کی طرف سے بھی اس جواب پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔ اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان چاروں جلیل القدر اور عظیم الشان پیغمبروں نے اس عقیدہ پر اجماع اور اتفاق کر لیا کہ قیامت کے وقت خاص کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

امام الحدیث والتفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ اپنی بے نظیر تفسیر میں اسی جلیل القدر حدیث کو امام احمد کی سند سے نقل فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

فھؤلاء اکابر اولی العزم من المرسلین لیس عندھم علم بوقت الساعۃ	پس یہ اکابر اور خدا کے اولوالعزم رسول ان کو بھی قیامت کے وقت معین کا علم حاصل نہیں ہے۔
علی التعیین۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۳ ج ۳	(الحدیث)

حدیث نمبر ۱۵

اخرجہ عبد بن حمید وابو الشیخ عن الشعبی قال لقی عیسیٰ جبریل فقال السلام علیک یا روح اللہ قال وعلیک یا روح اللہ قال یا جبریل متی الساعۃ فانتفض جبریل فی اجنحتہ ثم قال ما المسئول عنہا باعلم من السائل ثقلت فی السموٰت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ (الدر المنثور ج ۳ ص)

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ (علی نبینا وعلیہ السلام) کی ملاقات جناب جبرئیل سے ہوئی (سلام وجواب کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے کہا اے جبرئیل قیامت کب تک ہوگی ـــ جبرئیلؑ نے اپنے بازو جھٹک کر (گویا لرز کر) جواب دیا مسئول کو سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ وہ قیامت تو بھاری ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں وہ اچانک اور بے خبری ہی میں آئے گی ـــ

"ما المسئول عنہا باعلم من السائل" کے معنی پر ہم پہلے بقدر کافی کلام کر چکے ہیں اور "ثقلت فی السموات والارض الآیۃ" کی تفسیر بھی پہلے حصہ میں گزر چکی ہے۔ اگر وہ سب آپ کے پیش نظر ہے تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت جبرئیل کے اس جواب کے معنی یہ ہوئے کہ ـــ جس سائل و مسئول کو قیامت کے وقت کا علم نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سے پوشیدہ ہے اور اس کے آنے تک یہ پوشیدگی اور عام مخلوق کی اس سے بے خبری قائم رہے گی ـــ بہرحال اگر غور کیا جائے تو اس روایت سے صرف اتنا ہی معلوم نہیں ہوا کہ حضرت جبرئیل و حضرت عیسیٰ کو وقت قیامت کا علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی اطلاع کسی مخلوق کو بھی نہیں دی گئی۔ اور اس کے آنے تک وہ راز ہی رہے گی۔ یہاں تک کہ بالکل اچانک اور بے خبری ہی میں وہ قائم ہو جائے گی۔

تنبیہ:- یہ روایت اگرچہ شعبی پر موقوف ہے لیکن چونکہ "ما لا یدرک بالقیاس" کے قبیل سے ہے، اس لئے حکماً مرفوع ہی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے در منثور میں اس کو عبد ابن حمید اور ابو الشیخ کی تخریج سے نقل کیا ہے اور ـــ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے حمیدی کی اسناد سے بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ص ۔۔ وعمدۃ القاری ص ۲۹۱)

حدیث نمبر (۱۲)

نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں ھذا حدیث صحیح الاسناد کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے ۔
(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۴۲)

پھر اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ۔
(اخرجہ ابن جریر کما فی الدر المنثور صفحہ ۱۶۹ ج ۵)

حدیث نمبر ۱۲۰

عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبۃ حمراء
اذ جاء رجل علی فرس فقال من انت ؟ قال انا رسول اللہ قال متی الساعۃ ؟ قال غیب
وما یعلم الغیب الا اللہ قال ما فی بطن فرسی ؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ قال فمتی تمطر ؟
قال غیب وما یعلم الغیب الا اللہ (اخرجہ ابن مردویہ در منثور صفحہ ۱۶۹ ج ۵)

حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
ایک سرخ خیمے میں رونق افروز تھے ۔ ایک شخص گھوڑی پر سوار آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون
ہیں ؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اس نے دریافت کیا کہ قیامت کب
آئے گی ؟ ارشاد فرمایا یہ غیب کی بات ہے اور اس غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ پھر
اس نے عرض کیا بتلایئے میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے ؟ ارشاد فرمایا یہ بھی غیب ہے
اور اس غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ پھر اس نے عرض کیا اچھا بتلایئے ہم پر بارش
کب ہوگی ؟ ارشاد فرمایا یہ بھی غیب ہے اور اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

حدیث نمبر ۱۲۱

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان اعرابیا وقف علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر علی
ناقۃ لہ عشراء فقال یا محمد ما فی بطن ناقتی ھذہ فقال لہ رجل من الانصار دع عنک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھلم الی حتی اخبرک وقعت انت علیھا وفی بطنھا ولد منک
فاعرض عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ان اللہ یحب کل حیی کریم متکرم
ویبغض کل لئیم متفحش ثم اقبل علی الاعرابی فقال خمس لا یعلمھن الا اللہ ان اللہ
عندہ علم الساعۃ الآیۃ ۔ (اخرجہ ابن مردویہ در منثور صفحہ ۱۶۹ ج ۵)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی غزوہ تبوک کے دن اپنی دس مہینہ کی حاملہ اونٹنی پر سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد! دبتلائیے کہ میری اس ناقہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ —— پس ایک انصاری صحابی نے غضبناک ہو کر اس سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر میرے پاس آتا کہ میں تجھے بتلاؤں —— تو نے خود اس اونٹنی سے مجامعت کی ہے۔ اور اس کے پیٹ میں تیرا بچہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اُن انصاری صحابی کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صاحب حیا صاحب وقار کو جو گندی باتوں کو ناپسند کرتا ہو دوست رکھتا ہے۔ اور ہر چھچورا بدزبانی کرنے والا اس کو مبغوض ہے پھر حضور اقدس اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ —— پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (وہی جو اوپر کی احادیث میں مذکور ہوئیں۔ اور ان میں ایک "مافی الارحام" بھی ہے۔

فائدہ اس روایت میں جو انصاری صحابی کا جواب مذکور ہے وہ درحقیقت اس اعرابی کے سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے بے جا سوال پر زجر و توبیخ ہے —— اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص دوسرے سے بے تکا سوال کرے کہ رات کیا کھایا تھا؟ تو وہ غصہ سے جواب دے۔ کہ تیرا سر کھایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے سوال کا جواب نہیں ہے بلکہ اس پر خفگی اور ناراضگی کا اظہار ہے۔ ٹھیک اسی طرح اس حدیث میں اس بدوی کے لغو اور بیہودہ سوال کے متعلق جو کچھ ان صحابی نے کہا وہ بھی صرف خفگی ہی کا اظہار تھا۔ اور اصل سوال کا جواب دینا ان کو مقصود ہی نہ تھا۔ اور نہ کسی صحابی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال ہوا ہو۔ اور وہ خود پیشقدمی کر کے اس کا جواب دینے لگے۔ کہ یہ بارگاہ رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔ پس بعض مدعیانِ علم غیب مولوی صاحبان کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان صحابی کو "مافی الارحام" کا علم حاصل تھا اور فی الحقیقت اس اونٹنی کے پیٹ میں اسی بدوی کی "نالائق حرکت" کا نتیجہ تھا انتہائی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نورہ

حدیث نمبر ۱۲

عن رجل من بنی عامر انہ استاذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال أألج؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لخادمہ اخرجی الیہ فانہ لا یحسن الاستیذان فقولی لہ فلیقل السلام علیکم ا ادخل؟ قال فسمعتہ یقول ذلک فقلت السلام علیکم ا ادخل؟ فاذن فدخلت فقلت بما اتیتنا بہ؟ قال لم آتکم الا بخیر اتیتکم ان تعبدوا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان تدعوا اللات والعزی وان تصلوا باللیل والنہار خمس صلوات وان تصوموا من السنۃ شہراً وان تحجوا البیت وان تاخذوا الزکوۃ من مال اغنیائکم فتردوھا علی فقرائکم قال فقال ھل بقی من العلم شیء لا تعلمہ؟ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیراً وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ۔

بنی عامر کے ایک شخص (صحابی) راوی ہیں کہ وہ کاشانۂ نبوت پر پہنچے اور عرض کیا کہ میں اندر آسکتا ہوں؟ حضور نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ شخص اجازت لینے کا (اسلامی طریقہ) نہیں جانتا جاکر اس کو بتلاؤ کہ اس طرح کہے کہ السلام علیکم کیا میں آسکتا ہوں؟ یہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضور کا یہ فرمان خود سن لیا اور عرض کیا کہ السلام علیکم کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ تو حضور نے مجھ کو اجازت دی۔ میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا آپ ہمارے لئے کیا (احکام) لائے ہیں؟ ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے بھلائی ہی بھلائی لایا ہوں۔ تمہارے لئے میری تعلیم یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کو چھوڑ دو اور دن رات میں پانچ وقت نماز پڑھو۔ اور ایک مہینہ کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اور دولت مندوں سے زکوٰۃ لو اور محتاجوں میں تقسیم کرو ——— راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کیا کوئی علم ایسا باقی ہے جس کو آپ نہ جانتے ہوں؟ ارشاد فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے بہت کچھ خیر بتلایا ہے اور بے شک بعض علوم وہ بھی ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (چنانچہ) پانچ چیزوں کا علم سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں (علم قیامت وغیرہ جو آیۃ مذکورہ میں ہے) اور حضور نے سورہ لقمان کی آخری آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ تلاوت فرمائی۔

اس حدیث کو سعید بن منصور نے تخریج کیا ہے اور امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں اور امام احمدؒ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس کو بہ اعتبار کی سند سے نقل کر کے لکھا ہے ———

هذا اسناد صحيح (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ...)

حدیث نمبر ۲۳

عن ابن عمر رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اوتیت مفاتیح کل شیئ الا الخمس ان الله عنده علم الساعة الآیة۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ہر چیز کے خزانوں یعنی ہر چیز کی کنجیوں کا علم دیا گیا ہے سوائے ان پانچ چیزوں کے جو سورۃ لقمان کی اس آخری آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں مذکور ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔

(در منثور جلد ۵ ... کنز العمال جلد ...)

اور حافظ الحدیث امام عماد الدین بن کثیر نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ...)

کتاب ہذا کے حصہ اول میں ہم دلائل کے ساتھ بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث میں جو کل شیئ کا لفظ وارد ہوا ہے، اس سے صرف کثرت مراد ہے نہ کل حقیقی اور یہ استعمال کلام عرب اور نیز محاورات قرآن و حدیث میں شائع و ذائع ہے۔ چنانچہ آیات و احادیث ذیل میں بلا شک و شبہ لفظ کل شیئ سے صرف اشیاء کثیرہ ہی مراد ہیں۔

(۱) فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیئ (انعام ۴۴)
(۲) اولم نمکن لهم حرما آمنا یجبی الیه ثمرات کل شیئ (قصص ۵۷)
(۳) ریح فیها عذاب الیم تدمر کل شیئ بامر ربها (احقاف ۲۵)

(۴) اور صحیح بخاری باب الاستسقاء میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم لما رأی من الناس ادبارا فقال اللهم سبعا کسبع یوسف فاخذتهم سنة حصت کل شیئ الحدیث۔

(۵) نیز اسی صحیح بخاری باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب ... حدیث میں ہے فسعوا له بکل شیئ۔

پس جس طرح ان آیات و احادیث میں لفظ کل شیئ سے صرف اشیاء کثیرہ مراد ہیں اسی

طرح ہماری پیش کردہ حدیث میں کل غیبی سے نفس کثرت کی مراد ہے۔ اور حدیث کی مزید یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہیبت کی چیزوں کے علوم اور ان کے مفاتیح عطا فرمائے بجز علوم خمس کے جو
اور اسی صورت میں اس حدیث کا معنا و قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کی الفاظ
قد علمنی خیرا و ارانی من تعلیم ما لا یعلمہ الا اللہ الخمس الحدیث کا ہے۔

حدیث نمبر ۲۳

عن الربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عرسی وعندی جاریتان تغنیان وتقولان "وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال اما ھذا فلا تقولاہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ" (رواہ ابن ماجہ)

یعنی ربیع بنت معوذ روایت کرتی ہیں کہ میری شادی کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں گا رہی تھیں۔ ان کے اشعار میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔ وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہم میں ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ مت کہو کیونکہ آئندہ کی باتوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

حدیث نمبر ۲۴

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بنساء من الانصار فی عرس لھن وھن یغنین

واھدی لھا کبشا تنحنح فی المربد   وزوجک فی البادی ویعلم ما فی غد

"فقال لا یعلم ما فی غد الا اللہ" ـــــ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن (فتح الباری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی کچھ عورتوں پر گزرے جو اپنے یہاں کی ایک شادی میں   تھیں۔ اور وہ مندرجہ ذیل شعر پڑھ رہی تھیں۔ جس کے دوسرے مصرع میں ما فی الغد یعنی کل ہونے والی بات کا ذکر کیا گیا تھا ـــــ حضور نے اس کو سن کر ارشاد فرمایا۔ کل کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر ۲۵

حدیث: مفاتح الغیب خمس لا یعلمھا الا اللہ۔ او جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

سے صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے اور جس کو نمبر ۲۱ میں درج کر چکے ہیں قریب قریب انہی
الفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے ـــــ علامہ
بدرالدین عینی حضرت ابن عمر والی حدیث کی شرح فرماتے ہیں ورواہ ابن مردویہ من طریق
عبداللہ بن سلمۃ عن ابن مسعود نحوہ" عمدۃ القاری

شروع سے یہاں تک جو دس حدیثیں مذکور ہوئیں ان میں باستثناء نمبر ۲۳، ۲۲ علوم خمسہ
ہی کا خصوصیت سے تذکرہ ہوا یا بیان کیا گیا ہے۔ اور تیئیسویں و چوبیسویں حدیث میں بھی انہی کی ایک
نوع "علم ما فی الغد" کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ ان تمام احادیث متعددہ سے بطور قدر مشترک
کے یہ بات بدیہی اور یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ان امور خمسہ (وقت قیامت، اوقات نزول
باران، ما فی الارحام، ما فی الغد اور ہر شخص کے مقام موت) کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے۔ اور
اس نے اپنی کسی مخلوق حتیٰ کہ اپنے محبوب سید الاولین و آخرین سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا ہے۔

حصہ اول میں پوری تفصیل کے ساتھ اور اس حصہ میں بھی حدیث جبرئیل کے تحت
میں اجمالاً ہم بتلا چکے ہیں کہ ان علوم خمسہ کے مختص بحق تعالیٰ ہونے کا کیا مطلب ہے اور
نصوص میں تمام ما سوا اللہ سے ان کے کس قسم کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ تاہم یہاں پھر اس کے
متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

نفس الامر میں یہاں تین ہی احتمال ہو سکتے تھے۔

(۱) ایک یہ کہ ان احادیث کا مطلب یہ ہو کہ ان امور خمسہ کا کسی قسم کا علم کسی مخلوق کو
نہیں نہ جزءاً نہ کلاً گویا ان کی کسی ایک جزئی کی اطلاع بھی کسی مخلوق کو نہیں ہوتی ـــ
ظاہر ہے کہ احادیث کی مراد یہ نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان میں سے بعض کی بعض جزئیات کا
باذن الٰہی بعض مخلوقات کو علم ہونا خود دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مستقبل کے متعلق سینکڑوں اور ہزاروں پیشگوئیاں فرمائی ہیں جو پوری ہو چکی
ہیں اور ہو رہی ہیں، حالانکہ مستقبل کے تمام واقعات "ما فی الغد" کے عموم میں داخل
ہیں۔ اور غزوہ خیبر کے موقع پر حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دن ارشاد

فرمایا تھا کہ

لاعطین ھذہ الرایۃ غداً رجلاً یفتح اللّٰہ علی یدیہ الحدیث۔	میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔

ایسے ہی غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صنادید کفار کی قتل گاہیں بوحی الٰہی پہلے سے متعین کر کے بتلا دی تھیں۔ اور ارشاد فرمایا تھا کہ کل کو اس اس جگہ فلاں فلاں قتل ہوں گے۔

"ھذا مصرع فلان غداً ان شاء اللّٰہ وھذا مصرع فلان غداً ان شاء اللّٰہ"

بہرحال امور خمس میں سے بعض کی بعض جزئیات کا علم بوحی الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ پس اگر ہماری پیش کردہ احادیث کو سلب کلی پر محمول کیا جائے۔ اور ان کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان پانچوں چیزوں کی کسی جزئی کا علم کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ تو احادیث میں صریح تعارض لازم آئے گا۔ لہٰذا ان احادیث کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان احادیث کو صرف علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا جائے اور ان کا مطلب صرف یہ ہو کہ ان امور خمسہ (وقت قیامت، مافی الارحام، مافی الغد وغیرہ) کا ذاتی علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے بھی یہی ہیں ـــــ تو یہ بھی صحیح نہیں ہو گا۔ کیوں کہ ہماری پیش کردہ بعض احادیث میں صراحۃً علم عطائی کی بھی نفی موجود ہے چنانچہ حدیث نمبر ۲۱ و ۲۲ کا مفاد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان امور خمسہ کا علم عطا نہیں فرمایا۔ پس ان احادیث کو صرف علم ذاتی کی نفی پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔

اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ صرف علم کلی کی نفی پر ان احادیث کو محمول کیا جائے۔ اس صورت میں ان کا مطلب یہ ہو گا کہ امور خمس کا علم کلی جو ان کے ہر ہر جزئی پر حاوی ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ ان امور کے کلیات کا علم خداوند کریم و خبیر کے سوا کسی کو نہیں۔ یعنی یہ بات کسی کو حاصل نہیں کہ وہ بطور کلی ان امور خمسہ کی تمام جزئیات پر حاوی ہو۔ بس یہی آخری احتمال یہاں متعین ہے اور اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض اور

کوئی اور اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔

اہل بدعت کی تاویلات

مدعیان علم غیب کی طرف سے ان احادیث کے عموماً دو جواب دیئے جاتے ہیں۔
(الف) ایک یہ کہ ان احادیث میں غیر اللہ سے امور خمس کے صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب کہ آپ کو یہ علوم عطا نہیں فرمائے گئے تھے۔ لیکن بعد میں یہ علوم آپ کو عطا فرما دیئے گئے۔ اور اس کی سند میں وہ بعض روایات پیش کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کو امور خمس کی بعض جزئیات کا علم بھی حاصل تھا۔ مثلاً غزوۂ بدر اور غزوۂ خیبر کی مذکورۃ بالا حدیثیں۔

علم ذاتی والے احتمال کا رد تو ہم ابھی احادیث ہی کی روشنی میں کر چکے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع "اوتیت مفاتیح کل شیئی الا الخمس" اور حضرت بنی عامر کی حدیث "قد علمنی اللہ عز وجل خیراً واتی من العلم لا یعلمہ الا اللہ الخمس" (الحدیث) کی موجودگی میں اس احتمال کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور اگر بالفرض علماء سابقین میں سے کسی نے یہ لکھا بھی ہو کہ احادیث میں امور خمسہ کے صرف علم ذاتی کی نفی ہے تو حتی الوسع ان کے قول میں مناسب تاویل کی جائے گی ورنہ یہ کہا جائے گا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ ان کی نظر ان روایات پر نہ ہوگی جن کا یہاں ہم نے حوالہ دیا ہے اور جن کا صریح مفاد یہ ہے کہ امور خمس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ یہ کہ ان کے قول کی وجہ سے احادیث نبویہ کو نظر انداز کر دیا جائے کہ یہ شان ایمان کے خلاف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تمام امت پر حاکم ہیں۔ نہ کہ افراد امت کے اقوال ارشادات نبوت پر۔ بالغرض جب صاف صریح احادیث مقدسہ نے یہ بتلا دیا کہ امور خمس کے صرف علم ذاتی ہی کی نفی غیر اللہ سے نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان کا علم عطائی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھا۔ تو زید و عمرو کے اقوال کی آڑ

ے کہ اس کے خلاف اعتقاد رکھنا اور یہ کہے جانا کہ آیات و احادیث میں ان امور کے صرف عطائی
کی نفی کی گئی ہے، کھلی ضلالت ہے۔ اگر پہلے کسی عالم نے کسی مسئلہ کی جملہ احادیث اور مسئلہ کے
تمام اطراف و جوانب کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا لکھ دیا ہو تو وہ معذور ہیں۔ لیکن جس
کے سامنے یہ سب چیزیں پیش کر دی گئی ہوں اس کے لئے اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔
اور تو وہ عند اللہ معذور ہو سکتا ہے کہ نا واقفی! جیسے امور میں اس وقت تک عذر ہے جب تک
کہ علم کی روشنی نہ آ جائے۔ لیکن قیام حجت کے بعد بھی اپنی غلط اور نا واقفیت پر مبنی رائے پر
جمے رہنا باطل پرستی اور عناد ہے ـــــ بہر حال اہل بدعت کی عطائی و ذاتی والی تاویل محض باطل
ہے اور خود نصوص احادیث اس کے بطلان پر شاہد ہیں۔

اسی طرح ان کا یہ دعویٰ بھی محض غلط اور بے بنیاد ہے کہ علوم خمس کی نفی والی احادیث
اس وقت کی ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم ابھی عطا نہیں فرمائے گئے تھے ہم دعویٰ
کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں کہ کسی وقت بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور خمسہ کا علم کلی عطا فرما دیا گیا ہو۔ اور مدعیان علم غیب اس کے ثبوت
میں جو بعض احادیث پیش کرتے ہیں، مثلاً غزوہ احد اور غزوہ خیبر کے موقع کی مذکورہ بالا دونوں
حدیثیں یا ام الفضل بنت الحارث کے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے حضور کا یہ ارشاد فرمانا کہ ان شاء اللہ
بطن فاطمہ سے لڑکا پیدا ہو گا جو تمہاری گود میں بیٹھے گا۔" وغیرہ وغیرہ

سو اول قرآن و حدیث سے صرف بعض جزئیات ہی کا علم ثابت ہوتا ہے جس سے
کسی کو انکار نہیں۔ اور خود ہمارا ایمان ہے کہ ایسی ایسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں جزئیات کا علم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے مقرب بندوں کو بھی عطا ہوا ہو گا۔

دوسرے یہ کہ ہماری پیش کردہ بعض احادیث کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ ان
واقعات کے بعد کے زمانے کی ہیں۔ چنانچہ انیسویں نمبر پر ہم نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں
حج کی فرضیت کا بھی ذکر ہے اور حج بنا بر قول محقق سنہ ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے پس اس
سے معلوم ہوا کہ وہ حدیث سنہ ۹ ہجری کے بعد کی ہے۔ اور غزوہ احد و غزوہ خیبر اور قتل حضرت
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت یہ سب واقعات اس سے پہلے ہیں ـــــ

اور حدیث جبرئیل جو ہم پچھلے صفحہ پر درج کر چکے ہیں اس میں بھی ان امور خمس کا ذکر آ چکا ہے اور ہم ذہن پر تفصیل سے بتلا چکے ہیں کہ وہ حدیث آخر عہد نبوت کی ہے جب کہ دین پوری طرح سے بالکل مکمل ہو چکا تھا۔ اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہی تھی —— پس یہ کہنا کہ وہ احادیث جن میں ان علوم خمس کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بجز اسوائے اللہ سے کی گئی ہے پچھلے زمانہ کی ہیں اور بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کو یہ علوم بھی عطا ہو گئے تھے محض باطل اور بے بنیاد ہے —— چونکہ اس بحث پر پوری روشنی ہم حصہ اول میں ڈال چکے ہیں۔ اور پھر حدیث جبرئیل کے ذیل میں بھی اس کے بعض گوشے مذکور ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

امور خمسہ کے علم کی بحث ختم کرنے سے پہلے اس کے متعلق چند باتیں اور بھی عرض کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں جو انشاء اللہ ناظرین کرام کے لئے مزید بصیرت کا باعث ہوں گی۔ تو جن حدیثوں یا احادیث اور جن آیات میں علوم خمسہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان کیا گیا ہے ان کے متعلق ایک عام سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیوب جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، انہیں پانچ میں منحصر نہیں ہیں، ان کے علاوہ بھی ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کا علم ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (وما یعلم جنود ربک الا ھو) تو پھر ان احادیث میں خصوصیت کے ساتھ انہی پانچ چیزوں کے علم کا اختصاص اور تفرد حق تعالیٰ کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا۔

شارحین حدیث نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں

منجملہ ان کے ایک جواب تو یہ ہے کہ ان علوم خمسہ کے ساتھ حق تعالیٰ کا تفرد بیان کرنے سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ کسی اور علم میں وہ منفرد اور لاشریک نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں بات کا علم صرف زید کو ہے تو اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس بات کے علاوہ کوئی اور بات ایسی نہیں ہے جس کا علم صرف زید ہی کو ہو

ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت انہی
پانچ چیزوں کے متعلق سوالات کئے جاتے تھے اس لئے سورت لقمان کی آیت اور بخاری
پیش کردہ احادیث میں انہی پانچ چیزوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ ان کا علم صرف حق تعالے
کو ہے اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی سے روپیہ مانگے اور یہ
جواب دے کہ روپیہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ بلکہ فلاں کے پاس ہے۔ تو اس سے ہرگز یہ نہیں
سمجھا جائے گا کہ بس روپیہ ہی اس کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اشرفی اور دوسری قسم کے اموال
ضرور ہیں۔

ایک تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے۔ یہ امور خمسہ تمام ان امور کو محیط ہیں جن سے
انسان کا دنیا یا آخرت میں تعلق ہو سکتا ہے۔ یوم قیامت آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہوگا
اور اسی دن ہر شخص کی پوری اخروی زندگی کا فیصلہ ہوگا۔

بارش سے بہت سی مخلوقات کی زندگیاں وابستہ ہیں۔ ما فی الارحام کا علم گویا تمام حیوانات
کے مبدء کا علم ہے۔ علم ما فی الغد ان کی معاش کا اور موت کے زمان و مکان کا علم ان کی دنیوی
زندگی کے خاتمے اور برزخی زندگی کے آغاز کا علم ہے۔

الغرض چونکہ یہ امور خمسہ تمام انسانوں بلکہ تمام حیوانوں کے مبدء، معاش، معاد اور ان
کی دنیا و آخرت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے علم کا حق
تعالے سے بیان کر دیا گیا تاکہ انسان اندازہ کر سکے کہ جب ایسی چیزوں کا پورا علم بھی کسی
مخلوق کو حاصل نہیں جو مخلوق ہی سے متعلق ہیں تو جو وراء الوریٰ کی چیزیں ہیں ان کو کسی مخلوق
کا علم کیوں کر محیط ہو سکتا ہے۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت
العلیم الحکیم ۵

(یہ تینوں جواب اجمالاً عمدۃ القاری میں مذکور ہیں)۔

امور خمس کا علم صرف حق تعالے ہی کو ہونا اور کسی مخلوق کے لئے اس کا حاصل نہ

ہونا قرآن و احادیث کی رو سے اتنا روشن مسئلہ ہے کہ اجلہ علماء امت نے اس کے خلاف دعا کرنے والوں کے حق میں سخت حکم لگایا ہے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ محمود بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ زجاج سے ناقل ہیں۔

من ادعی انه یعلم شیئا من هذه الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم۔

جو شخص ان پانچ میں کسی ایک کے علم کا بھی دعوے کرے تو وہ قرآن کا منکر ہے اور گویا اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔

عمدۃ القاری ص ج

چھبیسویں حدیث

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انا اول من یؤذن له یوم القیامة فی السجود ثم یؤذن لی فی رفع راسی فانظر بین امتی عن یمینی و عن شمالی قیل کیف تعرفهم یا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال غر محجلون من الوضوء۔ (الحدیث)
كنز العمال ص ۵۶

قیامت کے دن مجھے سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی چنانچہ میں سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اس کے بعد مجھے سر اٹھانے کا حکم ہوگا پھر میں اٹھ کر اپنی امت کو دائیں بائیں پہچانوں گا۔ عرض کیا گیا حضور! آپ کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا ان کے چہرے اور دیگر اعضاءِ وضو، وضو کے اثر سے چمکتے اور روشن ہوں گے۔

حدیث نمبر ۲۷ و ۲۸

نیز طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم کتاب الکنی میں حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں:۔

قیل یا رسول الله کیف تعرف من لم تر من امتک قال غر محجلون بلق من آثار الطهور۔ [كنز العمال ص ۵۶]
(الحدیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور نے اپنے جن امتیوں کو نہیں دیکھا ان کو آپ قیامت میں کیسے پہچانیں گے؟ ارشاد فرمایا ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے آثار سے روشن اور سفید ہوں گے۔

نیز طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے قریب قریب انہی الفاظ میں ایک حدیث روایت کی ہے البتہ اس میں "بلق" کا لفظ نہیں ہے۔ اور بجائے "من آثار الطہور" کے "من الوضوء" ہے۔

(ایضاً کنز ج ۵ ص ۵۶)

انتیسویں حدیث

نیز طبرانی کبیر میں امام احمد مسند میں، اور سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من امتی احد الا وانا اعرفه یوم القیامة قالوا کیف تعرفهم یا رسول الله فی کثرة الخلائق قال ارأیت لو دخلت صبرة فیها خیل دهم بهم وفیها فرس اغر محجل اما کنت تعرفه قالوا بلی قال فان امتی یومئذ غر من السجود محجلون من الوضوء

(کنز العمال

قیامت کے دن میں اپنے ہر امتی کو پہچان لوں گا بعض صحابہؓ نے عرض کیا حضور! آپ مخلوقات کی اس بے انتہا کثرت میں کیسے پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا بتلاؤ! اگر بہت سے سیاہ رنگ گھوڑے ایک جگہ جمع ہوں اور ان میں ایک چتکبرا ہو اور تم ان میں گھس جاؤ کیا ان کالے گھوڑوں میں نہیں پہچان سکو گے؟ سائل نے عرض کیا کیوں نہیں ہم ضرور پہچان لیں گے۔ آپ نے فرمایا پس میرے امتیوں کی پیشانیاں بھی اس دن سجدوں کے نشان سے روشن ہوں گی اور ان کے ہاتھ پیر وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔

تیسویں حدیث

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان رسول الله صلی الله علیه اتی المقبرة فقال السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء الله بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا، قالوا اولسنا اخوانک یا رسول الله قال انتم اصحابی واخواننا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا سلام ہو تم پر مسلمانوں کی اس بستی کے ساکنو! اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ جی چاہتا ہے کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا حضور! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں!

الذین لم یاتوا بعد فقالوا کیف تعرف من لم یات بعد من امتک یا رسول اللہ فقال ارایت لو ان رجلا له خیل غر محجلة بین ظهری خیل دهم بهم الا یعرف خیله قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال فانهم یاتون غرا محجلین من الوضوء وانا فرطهم علی الحوض الا لیذادن رجال عن حوضی کما یذاد البعیر الضال اناديهم الا هلم فیقال انهم قد بدلوا بعدک فاقول سحقا سحقا ۔

(صحیح مسلم باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء)

ورواه ایضا مالک والشافعی واحمد والنسائی و ابن ماجہ وابن حبان کما فی المشکوٰۃ

نہیں آئے ۔ عرض کیا گیا حضور کے جو امتی ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو آپ کیسے پہچانیں گے ۔ ارشاد فرمایا بتلاؤ ! اگر کسی شخص کے پچکلیان گھوڑے سیاہ خنگ گھوڑوں میں ملے جلے ہوں تو کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا ؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیوں نہیں پہچانے گا ضرور پہچان لے گا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے امتی قیامت میں اس امتیازی شان سے آئیں گے کہ وضو کی برکت سے ان کے چہرے روشن اور ان کے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے اور میں حوض کوثر پر ان سے پہلے انتظام درست کرنے کے لئے پہنچ جاؤں گا ۔

معلوم ہونا چاہئیے کہ کچھ لوگ میرے حوض سے ہٹا دیئے جائیں گے جس طرح گم شدہ اونٹ ہانک دیا جاتا ہے تو میں انہیں پکاروں گا کہ ادھر آؤ ! ادھر آؤ ! تو مجھے بتلایا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین بدل ڈالا تھا ۔ تو میں کہوں گا دور ! دور !

ان پانچوں حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں پیدا ہونے والے امتیوں کو وضو کی روشن نشانیوں سے پہچانے جائیں گے ۔ اور اس کا منشی یہ ہے کہ آپ یہاں ان کی شخصیتوں کو نہ جانتے ہوں گے کیوں کہ اگر آپ ان کو شخصی طور پر جانتے پہچانتے تو پھر اس علامت سے شناخت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی — اور یہ جب ہی متصور ہے کہ آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم قیامت تک بھی حاصل نہ ہوا ہو ۔

پھر حضرت کرم کا یہ سوال کرنا کہ حضور بعد میں پیدا ہونے والے اپنے امتیوں

کو جن کو آپ نے دیکھا نہ ہوگا کس طرح پہچانیں گے ـــــ یہ صاف بتا رہا ہے صحابہ کرامؓ کو حضورؐ کے متعلق علم جمیع ما کان وما یکون کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ورنہ اگر بالفرض انکا بھی یہ عقیدہ ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ کیا آج تک کبھی کسی کو حق تعالیٰ کے متعلق بھی یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے نیکوں اور بدوں کو کس طرح پہچانیگا ؟ ـــــ ظاہر ہے کہ جس کا علم محیط ہو اور جو حاضر ناظر ہو اس کے متعلق یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ان احادیث سے ایک طرف تو صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن تک بھی جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہیں ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل وکمال کے سب سے بہتر سمجھنے والے حضور کے بلاواسطہ شاگرد اور آپ کے سچے جاں نثار عاشق تھے۔ وہ بھی آپ کو عالم جمیع ما کان وما یکون نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آئندہ کسی وقت آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل ہونے والا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک کی وہ آیتیں اس وقت نازل ہو چکی تھیں جن سے مدعیان علم غیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط ثابت کرتے ہیں۔ بالخصوص آیات ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیئ الآیۃ ـــــ اور ـــــ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ الآیۃ ـــــ

جن پر فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خانصاحب نے دعویٰ علم جمیع ما کان وما یکون کی بنیاد رکھی ہے ـــــ ان احادیث کے زمانہ سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں کیونکہ ان میں پہلی آیت سورۂ یوسف کی ہے اور دوسری سورۂ نحل کی اور یہ دونوں سورتیں ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ احادیث مندرجہ بالا ہجرت سے بہت بعد کی ہیں کما لا یخفی علی اہل العلم وارباب التحقیق والتفصیل لا یسعہ ہذا المقام۔

بہرحال ان احادیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہو گئی کہ صحابہ کرام نے ان آیات سے وہ مطلب نہیں سمجھا تھا جو ہمارے زمانے کے یہ مدعیان عشق ومحبت لیتے ہیں ورنہ وہ حضور سے یہ سوال ہی نہ کرتے کہ آپ ان امتیوں کو کیسے پہچانیں گے۔ جن کو آپ نے دیکھا نہیں ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے جواب میں یہ ارشاد نہیں فرمایا

کہ حق تعالیٰ نے مجھے تمام ماکان وما یکون کا علم محیط عطا فرمادیا ہے یا وہ آئندہ مجھے عطا فرمادیا جائے گا۔ یا مجھے "حاضری ناظری" کی صفت عطا فرمائی جائے گی۔ اور اس لئے میں بعد میں آنے والے اپنے امتیوں کو بھی دیکھتا جانتا اور پہچانتا رہوں گا ——— نیز آپ نے اس سوال کے جواب میں یہ بھی نہیں فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن پاک میں فلاں فلاں آیتیں نہیں پڑھیں جن سے میرا "عالم الغیب" یا "عالم جمیع ماکان وما یکون" ہونا تم کو معلوم ہو جاتا" ——— بلکہ آپ نے یہ جواب دیا کہ میں بعد میں پیدا ہونے والے ان امتیوں کو وضو کے روشن نشانات سے شناخت کروں گا۔

الغرض ان احادیث پر سرسری نظر کرنے سے ایک طرف تو صاف طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک بھی علم محیط اور علم جمیع ماکان وما یکون عطا نہیں فرمایا جائے گا، اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے دل و دماغ اس غیر عقیدہ کے تصور سے بھی بالکل خالی تھے۔ اور تیسری بات یہ بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مدعیان علم غیب نبوی جن آیات قرآنیہ سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے "علم محیط" اور "علم جمیع ماکان وما یکون" ثابت کرتے ہیں، وہ ان کا محض اختراع ہے اور صحابہ کرامؓ نے ان آیات کا یہ مطلب نہیں سمجھا حالانکہ وہ قرآن پاک کے اولین مخاطب اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست اور بلاواسطہ شاگرد تھے۔

سرِ خدا کہ عارف و زاہد بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید!

پھر حضرت ابوہریرہؓ والی آخری حدیث میں جو حوض کوثر کا واقعہ مذکور ہے جو ہمارے دعوے کی ایک علیحدہ و مستقل دلیل ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بالفاظ مختلفہ بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جن میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اکتیسویں حدیث

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محشر کے بعض احوال بیان

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

وانه سيجاء برجال من امتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فاقول يا رب اصحابي فيقول انك لا تدري ما احدثوا بعدك فاقول كما قال العبد الصالح وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد (الى آخر الآية) فيقال ان هؤلاء لم يزالوا مرتدين على اعقابهم

صحیح بخاری باب کیف الحشر ج [illegible] صفحہ [illegible] و کنز العمال صفحہ [illegible]

کہ دیکھو میری امت کے بعض لوگ لائے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا تو میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی اور میرے آدمی ہیں، وہ فرمائے گا کہ تمہارے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ تمہیں معلوم نہیں ہیں، تب تو میں خدا کے نیک بندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا کہ خداوندا! میں جب تک ان میں رہا ان سے خبردار تھا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کی نگہبانی کرنے والا تھا۔ اور تو ہر چیز سے خبردار ہے، آخر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ یہ لوگ برابر ایڑیوں کے بل اور اپنے الٹے پھرتے رہے اور مرتد ہو گئے۔

بتیسویں حدیث

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

يرد علي يوم القيامة رهط من اصحابي فيحلؤون عن الحوض فاقول يا رب اصحابي فيقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك انهم ارتدوا على ادبارهم القهقرى —

(صحیح بخاری کتاب الحوض)

ورواہ ایضاً ابن ماجہ کما فی کنز العمال صفحہ [illegible]

قیامت کے دن میرے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت میرے پاس حوض پر آوے گی پھر وہ ہٹا دی جائے گی۔ (یعنی فرشتے خدا کے حکم سے ان کو حوض سے ہٹائیں گے) تو میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار! یہ میرے ساتھ والے ہیں وہ فرمائے گا:

انہوں نے تمہارے بعد جو نئی نئی حرکتیں کیں ہیں وہ تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ یہ بعد آپ کے بالکل مرتد ہو گئے۔

اکتالیسویں حدیث

مسند احمد اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں ارشاد فرمایا۔

انی علی الحوض انتظر من یرد علی منکم فو اللہ لیقطعن دونی رجال فلاقولن ای رب منی ومن امتی فیقول انک لاتدری ما عملوا بعدک مازالوا یرجعون علی اعقابہم۔

(صحیح مسلم ج۲ ص۲۴۹ و کنز العمال ج۷ ص۱۳۱)

میں حوض پر تم میں سے آنے والوں کا انتظار کروں گا۔ پس خدا کی قسم کچھ لوگوں کو مجھ سے دور ہی الگ کر لیا جائے گا تو میں کہوں گا خداوندا! یہ میرے ہیں اور میرے امتی ہیں۔ وہ ارشاد فرمائے گا۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا کرتوت کئے یہ برابر اپنے پاؤں دین سے پلٹتے رہے اور آپ کے بعد دین سے برگشتہ ہو گئے۔

حدیث نمبر ۳ سے یہاں تک کل بارہ حدیثیں ہیں جنہیں مختلف اسالیب و عنوانات سے حوض کوثر پر پیش آنے والے ایک واقعہ کی اطلاع دی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حشر کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر ہوں گے، اور اپنے امتیوں کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی و راحت رسانی کا انتظام فرما رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ آپ کی نظر پڑیں گے جن کو آپ پہچانتے ہوں گے کہ اتنے میں فرشتے آپ کی طرف آنے سے ان کو روک دیں گے اور دوزخ کی طرف ان کو چلتا کر دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ خداوندا! یہ تو مجھ سے تعلق رکھنے والے اور میرے امتی ہیں۔ جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی حرکتیں کیں اور کیا کرتوت کئے یہ تو بعد میں مرتد ہو گئے تھے۔ حضور علیہ السلام یہ جواب سن کر (ان سے) سر تسلیم خم کر دیں گے بلکہ فرمائیں گے کہ میرے بعد جنہوں نے دین کو برباد کیا وہ دور ہی ہوں سحقاً سحقاً۔

یہ ہے قریباً مشترک مضمون ان احادیث کا۔ جو اکثر کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب کہ آپ کے بعد انہوں نے جو تبدیلیاں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔

خود حق تعالیٰ دے گا۔ اور بعض روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ آپ کو یہ جواب دیگا اور تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ ہی یہ جواب دے گا۔ بہر حال یہ جواب اگرچہ فرشتہ ہی کی زبان سے ہوگا۔ لیکن وہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم سے دیا جائیگا

ان احادیث سے ہمارا استدلال صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت سے پہلے کسی وقت بھی جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل ہو گیا ہوتا تو ان مرتدین ومطرودین کا ارتداد اور ان کی دینی تبدیلیاں اور گمراہیاں بھی آپ کے علم میں ہوتیں اور محشر میں آپ سے یہ نہ کہا جاتا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ آپ کو معلوم نہیں ہے۔

بہر حال حدیث پاک کے یہ الفاظ کہ:-

(۱) "انک لا تدری ما احدثوا بعدک"	آپ در حقیقت نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد جو نئی نئی حرکتیں کیں۔
اور (۲) "انک لا علم لک بما احدثوا بعدک"	بیشک تمہیں علم نہیں ہے ان نئی نئی حرکتوں کا جو انہوں نے تمہارے بعد کیں۔
اور (۳) "ھل شعرت ما عملوا بعدک"	کیا آپ کو پتہ ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کرتوت کئے۔
اور (۴) "انک لا تدری ما عملوا بعدک"	یقیناً تمہیں معلوم نہیں ہے وہ جو انہوں نے تمہارے بعد کیا۔

غرض یہ سب الفاظ صاف اور واضح طور پر بتلا رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی آخری گمراہیوں اور بداعمالیوں کا علم نہیں تھا۔

ہمارے مخالفین کی ایک تاویل

مدعیان علم غیب ان صاف صریح احادیث میں بھی تاویل سے باز نہیں آئے ان نصوص صریحہ کو زیر و زبر کر کے اپنے موافق بنانے کے لئے انہوں نے خوب خوب علم دیانت کے جوہر دکھائے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ان احادیث کے

منسوخ جو کچھ ملتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ـــــ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے سب اگلے پچھلے اعمال کا علم تو حاصل تھا اور ان کی ظاہری کمزوریاں اور بد اعمالیاں آپ کو تفصیلاً معلوم تھیں۔ اور کوئی ایک حرکت بھی ان کی آپ سے مخفی نہ تھی۔ لیکن قیامت میں چونکہ حضور کے سامنے بہت سے کام ہوں گے، اور آپ کو بے انتہا مصروفیت ہو گی۔ لہذا اس وقت آپ کو ان کے انجام سے ذہول ہو جائے گا اور اس ذہول ہی کی بنا پر آپ ان کی شفاعت کا اقدام فرمائیں گے اور آپ کو جواب ملے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ـــــــ یعنی ـــــ آپ بھولے ہوئے ہیں۔

پھر اس تاویل کے لئے ان حضرات نے جو دلائل یا قرائن پیش کئے ہیں ۔ وہ یہ ہیں:

(۱) احادیث میں آتا ہے کہ عالم برزخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمالِ امت پیش کئے جاتے ہیں، از انجملہ وہ حدیث ہے جس کو بزار نے مسند میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من شیء استغفرت اللہ لکم۔	میری زندگی تمہارے لئے بہتر اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے، پس جو نیکی ہو گی اس پر حمد الٰہی بجا لاؤں گا۔ اور جو برائی ہو گی تمہارے لئے بخشش طلب کروں گا۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس دنیا میں بھی حضور کے سامنے آپ کی امت کے اعمال پیش ہو چکے ہیں، چنانچہ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجہا الرجل من المسجد وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا	مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ تنکا جسے آدمی مسجد سے نکالے، اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش ہوئے تو میں نے کوئی گناہ اس سے

اعظم من سورة من القرآن او اية اوتيتها رجل ثم نسيها۔

بڑا نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن عظیم کی کوئی سورت یا آیات دی جائے پھر اس کو بھلا دے۔

مدعیان علم غیب فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کے سامنے اچھے برے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آ چکے اور جو تاریخ میں بھی پیش کیے جائیں گے۔ لہذا حوض کوثر پر پیش آنے والے واقعہ کو اس پر محمول کیا جانا ضروری اور متعین ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہول ہو گیا۔ ملخصاً

(۲) ان کی دوسری دلیل یا دوسرا قرینہ جو ان صاحبان کے نزدیک اس بحث میں گویا ایک فیصل کن چیز ہے یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں خواب کی حالت میں وہ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلا دیئے گئے اور یہ حوض پر پیش آنے والا پورا واقعہ خواب کی حالت میں حضور پر گزر چکا۔ اس لئے اس کے سوا کوئی مفر نہیں کہ حوض پر پیش آنے والے واقعہ کو ذہول پر محمول کیا جائے ——— صحیح بخاری کی وہ حدیث یہ ہے۔

بينا انا نائم فاذا زمرة حتى اذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم فقال هلم فقلت اين قال الى النار والله قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك على ادبارهم القهقرى

میں سو رہا تھا تو ایک گروہ کو دیکھا یہاں تک کہ جب میں نے انہیں پہچان لیا ایک شخص نے میرے اور ان کے بیچ سے نکل کر ان سے کہا آؤ! میں نے کہا کہاں؟ اس شخص نے کہا خدا کی قسم دوزخ کی طرف۔ میں نے کہا ان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پیچھے پھر گئے۔

(۳) تیسرا قرینہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی روایت سے جو حدیث حوض وارد ہوئی ہے اس میں یہ الفاظ وارد ہیں "هل شعرت ما عملوا بعدك" اور اس میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔ لہذا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ یعنی ان کی نفی سے اثبات کو تعبیر کیا ہے۔ اور جب اس ایک حدیث میں ہمزہ انکاری کا ہوگا تو دوسری روایات میں ہمزہ کو مقدر مانا جائے گا۔ لہذا سب روایات کا مطلب یہ ہوگا کہ —

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا!

یہ ہیں ہمارے مخالفین کے زبردست دلائل! اور ان کی حقیقت! تو سنا کی چار دو مغالطے سے

اور اب نمبروار ان کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے!

(۱) اعمال امت کی پیشی کے متعلق جو حدیثیں ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں اول تو ان میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ پیشی اجمالی ہوتی ہے یا تفصیلی بلکہ شارحین حدیث نے اس کو اجمالی پیشی پر محمول کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ پیشی صرف امت اجابت یعنی مسلمانوں ہی کے اعمال کی ہوتی ہے نہ کہ تمام امت دعوت کے اعمال کی جس میں کفار و مرتدین اور مشرکین و منافقین کے اعمال بھی داخل ہیں۔ چنانچہ خود ان احادیث میں اس کا واضح قرینہ موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مسند بزار کے حوالے سے اوپر مذکور ہوئی ہے۔ اس کے ان آخری الفاظ پر غور فرمایئے!

فما كان من حسن حمدت الله عليه وما كان من سيئ استغفرت الله لكم

یعنی جو عمل اچھا میرے علم میں آئے گا، اس پر میں خدا کا شکر کروں گا اور جو برا عمل ہوگا۔ اس پر میں تمہارے لئے مغفرت کروں گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور پر صرف وہ گناہ پیش کئے جائیں گے۔ جن کی مغفرت ہو سکے گی اور جن پر آپ بارگاہ خداوندی میں معافی کی سفارش فرما سکیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ کفر و شرک اور ارتداد ایسا گناہ نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مذکور ہوئی اس میں بھی تصریح ہے کہ میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن کی کوئی سورت یا آیت بھلا دے۔

اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آپ پر صرف مسلمانوں کی نیکیاں اور بدیاں پیش ہوتی ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اور مرتدین کے گناہ (کفر و ارتداد وغیرہ) قرآن پاک بھلا دینے سے بدرجہا بڑے سنگین ہیں۔

الغرض عرض اعمال کی تمام ہی احادیث بتلا رہی ہیں کہ آپ پر صرف مسلمانوں کے ثواب یا گناہ کے کام پیش ہوتے یا بعد وفات پیش ہوں گے۔ کفار یا مرتدین کے گناہوں کے پیش ہونے

کا ان احادیث میں کہیں ذکر نہیں ـــــ اور حوض کوثر پر جن لوگوں کے متعلق آپ سے کہا جائے گا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں ۔ یہ مرتدین ہوں گے جیسا کہ احادیث مذکورہ سابقہ کے الفاظ انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم ـــــ اور ـــــ انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقریٰ سے ظاہر ہے ـــــ پس عرض اعمال کی ان احادیث کی بنا پر اگر ان کا تعلق صرف مسلمانوں کے اعمال سے ہے تو یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ ان مرتدین کے مرتدانہ اعمال بھی حضور پر پیش ہو چکے اور آپ کے علم اقدس میں آ چکے تھے ۔

(۱۸) ـــــ صحیح بخاری کی جس حدیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور کو یہ لوگ خواب میں دکھائے جا چکے اور یہ پورا واقعہ خواب کی حالت میں آپ پر گزر چکا ـــــ اگر اس حدیث کے متعلق ان حضرات کے بیان کو بالکل صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو ان اعمال کی تفصیل بھی معلوم ہو گئی ۔ جن کے متعلق آپ سے آخرت میں کہا جائے گا کہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک ـــــ یا ـــــ انک لا علم لک بما احدثوا بعدک ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا اصل استدلال حدیث کے اسی خاص جز سے ہے ۔ فتفکروا ولا تغفلوا فان الفرق دقیق ۔

(۱۹) علاوہ ازیں یہ کس قدر افسوسناک بددیانتی ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب (الکلمۃ العلیا صفحہ [illegible]) صحیح بخاری کا نام لے کر یہ حدیث لکھ دیتے ہیں اور اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے کہ اس موقع پر صحیح بخاری کے نسخوں میں ایک اہم اختلاف ہے ۔ ایک نسخہ "بینا انا نائم" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت پر خواب میں گزرا ۔ اور دوسرا نسخہ "بینا انا قائم" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں جب کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا یہ واقعہ پیش آئے گا ۔ اور اسی دوسرے نسخے (بینا انا قائم) کو علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ترجیح دی ہے اور اسی کو اوجہ لکھا ہے ۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری صفحہ [illegible] و فتح الباری صفحہ [illegible] ۔

پس جب کہ ایک نسخہ بینا انا قائم موجود ہے اور شارحین اسی کو ترجیح دے رہے ہیں اور وہی دوسری روایات کے بھی موافق ہے تو پھر دوسرے مرجوح نسخے کو سند میں پیش کرنا

کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اختلاف روایت کا نہیں ہے بلکہ اختلاف نسخوں کا ہے یہی
ایسی صورت میں اس سے اور اس کے بھی مرجوح نسخے سے استدلال و استناد کسی طرح درست نہیں
ہوسکتا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ــــ یہ ہے حال ان حضرات کی اس دلیل اور
اس سند کا جس کو یہ اپنی سب سے بڑی دستاویز سمجھتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم کی حضرت اسماء والی روایت کے یہ لفظ "ما شعرت" کو بھی ان حضرات نے دلیل
کی سند میں پیش کیا ہے ــــ اس کے متعلق پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا ہمزۂ استفہام کا ہمیشہ انکاری
کے لئے ہونا لازمی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر اس کی کیا دلیل ہے کہ اس روایت میں ہمزۂ
استفہام انکاری ہی کے لئے ہے؟ ــــ اور اگر بالفرض ہمزہ کو انکاری ہی کے لئے مانا جائے تو پھر یہ
بھی ہوسکتا ہے کہ "ما" زائدہ ہو اور کلام عرب میں حروف نفی "ما" "لا" وغیرہ کی زیادت بکثرت ہے اور یہی
زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیوں کہ حضرت اسماء کی اسی حدیث میں صحیح بخاری کی روایت میں "ما شعرت"
کے بجائے "هل شعرت" بغیر حرف نفی کے واقع ہوا ہے۔ پس دونوں روایتوں میں پوری پوری
تطبیق اسی طرح ہوسکتی ہے کہ مسلم کی روایت میں "ما" کو زائدہ مانا جائے۔ اس صورت میں
"هــــل شعرت" اور "اما شعرت" دونوں کا مفاد بالکل ایک ہو جائے گا۔ نیز ان دوسری
حدیثوں سے بھی کامل موافقت اور مطابقت ہو جاتی ہے جن میں "ما ادری"، "انك لا تدری"، "لا تعلم"
"علم ملك" وغیرہ الفاظ وارد ہوتے ہیں جو نفی علم میں صاف صریح اور نا قابل تاویل و توجیہ ہیں۔
چنانچہ احادیث کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ "اما شعرت" کا استعمال زیادہ تر ایسے ہی مواقع
پر ہوا ہے کہ مخاطب کو پہلے سے اس چیز کا علم نہیں ہوتا۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت ابو امامہ سے
مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اما شعرت ان اللہ عز وجل قد زوجنی
فی الجنۃ مریم بنت عمران وکلثم اخت موسٰی وامراۃ فرعون" (کنز العمال ج ۱)
ظاہر ہے کہ حضور جس سے یہ فرما رہے ہیں اس کو اس سے پہلے اس کی کیا خبر ہوگی۔
پھر خود حدیث اسماء کی مسلم والی ہی روایت میں "اما شعرت ما عملوا بعدك" کے بعد جو
یہ جملہ ہے کہ "واللہ ما برحوا بعدك یرجعون علی اعقابهم" یہ صاف دلالت کر رہا ہے
کہ حضور کو ان کی اس رجعت قہقری کا علم نہیں تھا اور اب آپ کو بتلایا جا رہا ہے ــــ
ورنہ اگر بالفرض "اما شعرت" سے اثبات علم مقصود ہوتا ــــ جیسا کہ ہمارے خوش فہم مخاطبین

کا دعویٰ ہے تو پھر آپ کو ان کے ارتداد کی روداد و نتائج نے اور اس کو بھی قسم سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا "انا لا شعرت ما عملوا بعدك"۔ الغرض قطع نظر دوسری احادیث سے اسی مسلم کی روایت کا یہ آخری جملہ مدعیان علم غیب کی اس تاویل کی بیخ کنی کر رہا ہے کہ "کان لا یخفی علی من لم یغلب اوانی الجمیع دھو شھید"۔

الحاصل ہمارے مخالفین نے بعد حدیث حوض کو تجاہل پر محمول کرنے کے لیے جو شواہد و قرائن پیش کئے ہیں وہ درحقیقت محض مغالطے اور سفسطے ہیں جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا۔

پھر اس ساری بحث سے قطع نظر، الکبیرتی تفسیر پر ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے حوالہ سے درج کی ہے۔ اس کا آخری حصہ تو اس تجاہل کے احتمال کو بالکل ہی ختم کر دیتا ہے۔ ذرا پھر ان الفاظ پر ایک نظر فرمائیے۔

ارشاد ہے کہ جب ان لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ تو عرض کروں گا "یا رب اصحابی" خدایا یہ میرے ساتھی ہیں۔ ارشاد ہوگا "انك لا تدری ما احدثوا بعدك" آپ کے بعد انہوں نے جو نئی نئی حرکتیں کیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں عرض کروں گا:

"كنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد"

میں جب تک ان میں رہا ان سے خبردار تھا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

("شہید" اور "رقیب" کا ترجمہ "خبردار" حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے)

حدیث کے اس حصہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کو اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں احوال امت کا جیسا علم تھا بعد کے احوال کی ایسی خبر نہیں ہوئی اور اگر بفرض تجاہل مانا جائے تو "زمانہ حیات" اور "بعد وفات" کی یہ تفریق بے معنی ہوگی۔ "کما لا یخفی علی من اوتی الفہم السلیم والعقل المستقیم"۔

حاصل بحث یہ کہ واقعہ حوض کی مندرجہ بالا بارہ حدیثیں ہمارے دعویٰ کی غیر مشکوک

دلیلیں ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں کے حالات قیامت تک مخفی رہیں گے، پس جمیع ما کان و ما یکون کے علم تفصیلی محیط کا دعویٰ ان احادیث سے بھی باطل ہے۔ واضح رہے کہ کثرت سے محدثین کے اصول پر جن کی یہ احادیث متواترہ ہو جاتی ہیں اور ایک صاحب بصیرت کے لئے ان کے موجب علم یقینی ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ فللہ الحجۃ السامیۃ ولہ الحمد۔

بیالیسویں حدیث

صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے شفاعت کی جو طویل حدیث مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل محشر جب دیگر انبیاء اولو العزم کے پاس سے سب تھک ہار کر واپس ہو کر میرے پاس آئیں گے تو میں فوراً "شفاعت" کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گا۔

ثم اخر ساجداً ثم يفتح الله علي من محامده وحسن الثناء عليه شيئاً لم يفتحه على احد قبلي الحديث۔ (صحیح بخاری ج۲ تفسیر سورہ بنی اسرائیل و صحیح مسلم کتاب الایمان ص۱۱۱)

اور میں سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی بہترین تعریفیں منکشف فرمائے گا، اور بہترین ثنا کا مجھے الہام ہوگا کہ مجھ سے پہلے کسی کو حمد و ثنا کا وہ طریقہ نہیں بتلایا گیا ہوگا۔ الخ

تینتالیسویں حدیث

نیز صحیحین (بخاری و مسلم) اور دوسری کتب حدیث میں شفاعت کی یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس موقع پر اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فاستأذن على ربي فيؤذن لي ويلهمني محامد احمده بها لا تحضرني الآن فاحمده بتلك المحامد الحديث (صحیح بخاری ج۲ کتاب التوحید وصحیح مسلم ج۱ کتاب الایمان ص۱۱۱)

میں بارگاہ الٰہی میں حاضری کی اجازت چاہوں گا پس مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں پس میں ان ہی تعریفوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا۔ الخ

ان دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی

وقت ابہام فرماتے جائیں گے اور اس سے پہلے سے آپ کے علم اقدس میں نہ ہوں گے لہٰذا تو اگر ہمارے مخالفین کے دعوے کے مطابق ابتدائے آفرینش عالم سے دخول جنت و نار تک کل ماکان کا علم تفصیلی محیط آپ کو اس دنیا میں حاصل ہو گیا ہوتا تو یہ کلام بھی علم شریف میں آ گئے ہوتے۔ پس یہ دونوں حدیثیں بھی علم جمیع ماکان و مایکون کے اس ادعا کو باطل کرتی ہیں۔

چوالیسویں حدیث

صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الناس یصعقون یوم القیامة فاکون اول من یفیق فاذا انا بموسٰی آخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقة الطور۔
(صحیح بخاری ج ۱ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲)

قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پس سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو اچانک میں جناب موسیٰ کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہیں معلوم نہیں کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا نہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ عوض دیا گیا کہ وہ اس موقعہ پر بے ہوش نہیں ہوئے۔

پینتالیسویں حدیث

نیز صحیحین (بخاری و مسلم) اور دوسری کتب حدیث میں قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسٰی باطش بجانب العرش فلا ادری اکان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عز وجل۔
(صحیح بخاری ج ۱ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۶)

لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ پس اچانک میں دیکھوں گا کہ جناب موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہیں۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دن کی بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

اگر کسی کو حدیث کا صحیح ذوق حاصل ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں فلا ادری کا لفظ جس سیاق میں واقع ہوا ہے۔ اس کا اقتضاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوش میں آنے کے بعد حضرت موسیٰ کو کھڑا دیکھیں گے۔ تو اس وقت بھی آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ آیا موسیٰ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا پہلے ہوش میں آ گئے۔ ـــــ حالانکہ اگر آپ کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو یہ چیز آپ کے علم سے باہر نہ ہوتی۔

بہرحال یہ دونوں حدیثیں بھی علم جمیع ماکان و مایکون کے خلاف واضح دلیلیں ہیں۔

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

حدیث نمبر ۴۴

صحیح بخاری، صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یقول اللہ تبارک و تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ذخرا من بلہ ما اطلعتم علیہ ثم قرأ فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الم تنزیل السجدۃ و صحیح مسلم ص ۳۷۸ ج ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ان چیزوں کو بطور ذخیرہ تیار کر کے رکھا ہے۔ جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہے۔ نہ کسی کان نے سنا ہے۔ اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ بھی گزرا ہے۔ اور یہ چیزیں سوائے جنت کی ان نعمتوں کے ہیں جن کی واقفیت تم کو اطلاع ہے۔ پھر آپ نے بطور استشہاد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین۔"

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام بخاری و امام مسلم کے علاوہ امام احمد، امام ترمذی، امام ابن ابی شیبہ، حافظ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن الانباری اور امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (درمنثور ص [illegible] ج [illegible])

اور صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

شہدت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلسًا وصف فیہ الجنۃ حتی انتھی ثم قال فی آخر حدیثہ فیھا ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر الحدیث۔ (صحیح مسلم ص ۳۷۹ ج ۲)

(ترجمہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں حاضر ہوا آپ نے اس میں جنت کا حال بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ ختم فرما دیا پھر اپنے کلام کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اس میں (جنت میں) وہ چیزیں بھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی کے دل میں ان کا خطرہ ہی گزرا ہے۔ الخ

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام احمد نے بھی اپنے مسند میں روایت کیا ہے (ابن کثیر)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت سہل ساعدی کی ان دونوں حدیثوں کا صاف مفاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں کچھ نعمتیں ایسی بھی تیار کر رکھی ہیں جن کا کسی طرح کا علم بھی کسی کو حاصل نہیں، نہ سمعی، نہ بصری، نہ قلبی۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور آپ کے لئے بھی جنت کی وہ خاص نعمتیں ان سنی ان دیکھی اور ان جانی ہیں ——— نیز حدیث کے سیاق سے یہ بھی ہر صاحب ذوق کے لئے بالکل ظاہر ہے کہ قیام قیامت بلکہ ان نعمتوں کے مستحقین کو دیئے جانے تک یہ نعمتیں اسی طرح سب سے مخفی اور سب کے لئے نامعلوم رہیں گی۔ حالانکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط مانا جائے تو پھر آپ کو ان خاص نعمائے جنت کا علم بھی ماننا پڑے گا۔ — درپھر مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں جو علم کی نفی کی گئی ہے، وہ صحیح نہ رہے گی۔ بہرحال یہ دونوں حدیثیں بھی ہمارے مدعا کی نہایت واضح دلیلیں ہیں۔ —— "

چونکہ کتاب ہذا کے حصہ اول کی ستر ہویں آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ کے ذیل میں ان دونوں حدیثوں پر بھی بقدر کافی بحث کی جا چکی ہے۔ اور مدعیان علم غیب کی طرف سے ان کے جواب میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے یا کہا گیا ہے۔ اس سب کی تحقیق و تفصیل جواب سے وہاں فراغت حاصل کی جا چکی ہے۔ اور اس بحث کا تمام مالہ وما علیہ وہاں لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان حدیثوں کے اندراج ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس

سے متعلق ضروری بحثیں حصہ اول صفحہ [illegible] تا [illegible] پر دیکھی جائیں۔

حدیث نمبر ۴۸

کنز العمال میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بحوالہ دیلمی مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سألت الله ان يجعل حساب امتي اليّ لئلا تفتضح عند الامم فاوحى الله تعالى اليّ يا محمد بل انا احاسبهم فان كان منهم زلة سترتها عنك لئلا تفتضح عندك۔ (کنز العمال [illegible])

ترجمہ: میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کا حساب کتاب میرے حوالے کر دیا جائے تاکہ دوسری امتوں کے سامنے ان کی رسوائی نہ ہو۔ پس حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی جواب ملا کہ اے محمد! میں خود ان کا حساب کتاب کروں گا۔ پس اگر ان کی کوئی لغزش ہوگی تو میں اس کو تم سے بھی پوشیدہ رکھوں گا تاکہ تمہاری آنکھوں میں بھی وہ رسوا نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کے بعض افراد کی لغزشیں ہمیشہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی رہیں گی۔ حالانکہ اگر آپ کو "علم محیط" یا "علم جمیع ما کان وما یکون" ہوتا تو کسی مخلوق کا کوئی حال بھی آپ کے احاطہ علم سے باہر نہ ہوتا۔

فائدہ: نیز اسی حدیث سے ہمارے اس خیال کی بھی صاف تائید ہوتی ہے کہ بعض احادیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اعمال امت کی پیشی کا ذکر آتا ہے تو اس سے تفصیلی پیشی مراد نہیں ہے بلکہ اجمالی پیشی مراد ہے۔ کیونکہ اگر وہ پیشی پوری تفصیلات اور تعینات شخصیہ کے ساتھ ہو، تو پھر کسی امتی کا کوئی اچھا برا عمل آپ کے علم شریف سے باہر نہ رہے۔ حالانکہ حدیث مندرجہ بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ افراد امت کی کچھ لغزشوں کو آپ سے بھی مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۹

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری مرض کا ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ سے اس طرح مروی ہے۔

ثقل النبي صلى الله عليه وسلم فقال اصلى الناس قلنا لا وهم ينتظرونك يا رسول الله قال ضعوا لي ماء في

المخضب قالت ففعلنا فاغتسل فذهب لينوء فاغمي عليه ثم افاق فقال اصلى الناس قلنا لا هم ينتظرونك يا رسول الله قال ضعوا لي ماء في المخضب قالت فقعد فاغتسل ثم ذهب لينوء فاغمي عليه ثم افاق فقال اصلى الناس قلنا لا هم ينتظرونك يا رسول الله قال ضعوا لي ماء في المخضب فقعد فاغتسل ثم ذهب لينوء فاغمي عليه ثم افاق فقال اصلى الناس قلنا لا هم ينتظرونك يا رسول الله والناس عكوف في المسجد ينتظرون النبي صلى الله عليه وسلم لصلوٰة العشاء الآخرة فارسل النبي صلى الله عليه وسلم الى ابي بكر بان يصلي بالناس الحديث

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب انما جعل الامام لیؤتم بہ صحیح مسلم صفحہ ...)

(ترجمہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ سخت ہو گیا تو ایک دن آپ نے دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ (یعنی کیا مسجد میں جماعت ہو چکی؟) عرض کیا گیا ابھی نہیں، وہ سب حضورؐ کے منتظر ہیں۔ ارشاد ہوا میرے لئے ٹب میں پانی رکھو، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور پانی رکھ دیا گیا۔ حضورؐ نے غسل فرمایا۔ پھر آپ کھڑے ہونے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد آپ کو افاقہ ہوا تو پھر آپ نے دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں وہ حضورؐ کے انتظار میں ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا میرے لئے ٹب میں پانی رکھو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور پھر پانی رکھ دیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور پھر اٹھنے لگے۔ لیکن پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ عرض کیا گیا نہیں وہ حضورؐ کے انتظار میں ہیں۔ پھر وہی ارشاد ہوا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو چنانچہ پھر ہم نے رکھ دیا۔ اور آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا اور پھر کھڑے ہونے لگے۔ مگر پھر آپ کو غشی ہو گئی۔ جب کچھ دیر میں افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں، وہ حضورؐ ہی کے انتظار میں ہیں۔ اور لوگ عشاء کی نماز کے لئے حضورؐ کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ تم نماز پڑھا دو۔ الخ

یہ حضورؐ کے آخری زمانہ ہی کی نہیں بلکہ آخری دنوں کی حدیث ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط نہیں حاصل ہوا تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو نہ تو آپ کو بار بار گھر والوں سے یہ دریافت فرمانے کی ضرورت ہوتی کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ اور نہ ہر بار آپ غسل فرما کر اٹھنے کا ارادہ فرماتے

کیونکہ اس صورت میں آپ کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ یہ ارادہ پورا ہونے والا نہیں ہے۔

الغرض حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بار بار جماعت کے متعلق استفسار فرمانا اور کئی بار غسل فرما کر تشریف آوری کا ارادہ فرمانا اس امر کی نہایت واضح اور روشن دلیل ہے کہ اس دن تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۵

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ

لما استعز برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا عندہ فی نفر من المسلمین دعاہ بلال الی الصلوٰۃ فقال مروا من یصلی للناس فخرج عبداللہ بن زمعۃ فاذا عمر فی الناس وکان ابوبکر غائبا فقلت یا عمر قم فصل بالناس فتقدم فکبر فلما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوتہ وکان عمر رجلا مجھرا قال فاین ابوبکر یابی اللہ ذلک والمسلمون یابی اللہ ذلک والمسلمون (سنن ابی داؤد ... کتاب السنۃ)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض غالب ہوگیا تو ایک دن جب کہ میں اور چند اور مسلمان حاضر خدمت اقدس تھے بلال نے حسب عادت آپ کو نماز کے لئے پکارا، آپ نے فرمایا جو نماز پڑھا سکے اس سے کہو ....

.... راوی حدیث عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ حضور کے اس حکم پر میں نکل کر مسجد میں آیا، یہاں حضرت عمر موجود تھے اور حضرت ابوبکر غیر حاضر تھے۔ چنانچہ میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ آپ ہی کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ وہ میرے عرض کرنے پر آگے بڑھ گئے۔ اللہ اکبر کہی اور وہ ایک بلند آواز انسان تھے۔ حضور اقدس نے ان کی آواز سن لی۔ اور فوراً فرمایا ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ کو یہ منظور نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو، اللہ کو یہ منظور نہیں ہے اور مسلمانوں کو (یعنی سوائے ابوبکر کے کسی کی امامت) الخ

یہ حدیث بھی حضور کے آخری مرض کی ہے۔ اور اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس دن تک آپ کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ حضرت عمر سے نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے گا

ہے۔ اور آپؐ نماز شروع سے پہلے ہی روکے بیٹھے۔ حالانکہ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہی اور حضورؐ نے اس کو سنا تب آپ نے اس کو محسوس کیا کہ نماز ابوبکرؓ نہیں پڑھا رہے بلکہ عمرؓ پڑھا رہے ہیں اور اس پر آپ نے اسی وقت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز آپ نے دریافت فرمایا "فاین ابوبکر" یعنی ابوبکر کہاں ہیں؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کو اس وقت یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ابوبکر اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں بلکہ فلاں جگہ گئے ہوئے ہیں الغرض یہ حدیث بھی ہمارے مدعا پر نہایت واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۵

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ عام کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی (الحدیث) —— (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم و صحیح مسلم کتاب الوصایا)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی زیادہ سختی ہو گئی تو ایک دن آپ نے فرمایا لکھنے کی کوئی چیز لاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھوا دوں۔ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حاضرین میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور پر اس وقت تکلیف بہت زیادہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہی ہے (جو کہ حضور کے ذریعہ سے دنیا میں آئی) وہ ہم کو کافی ہے۔ پس اس بارے میں حاضرین میں باہم اختلاف رائے ہوا اور گفتگو بڑھ گئی۔ تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ چلے جائیے" الخ

یہ حدیث "حدیث قرطاس" کے نام سے مشہور ہے۔ اور حضورؐ کی وفات شریف سے صرف چار دن پہلے کی ہے۔ اور تمام مباحث سے قطع نظر کر کے یہاں صرف یہ چیز اس میں قابل غور ہے کہ حضورؐ نے ایک "نوشتہ" لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور اس کے لئے لکھنے کا سامان بھی طلب فرمایا پھر کسی وجہ سے آپ نے وہ خیال ترک فرما دیا۔ اور وہ نوشتہ نہیں لکھا گیا —— اب اس کی مشہور توجیہیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ حضورؐ کو حاضرین کے باہمی تنازع اور شور و شغب سے ناگواری

ہوئی در اصل یہ ہے آپ نے وہ خیال ہی ترک فرما دیا۔ (اور چونکہ وہ کتابت الشیٔ کوئی ضروری نہ تھی۔
بلکہ ارشاد الی الاصلح کے قبیل سے تھی۔ اس سے حضورؐ کے لیے اس کے ترک میں بھی گنجائش تھی)۔
اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بات سن کر خود حضورؐ کی رائے بدل گئی۔ اور اس لئے آپ نے پھر
وہ نوشتہ نہیں لکھوایا (جیسا کہ اور بھی بہت سے مواقع میں اسی طرح آپ کی رائے بدلی) ———
اب ان دونوں توجیہوں میں سے کسی کو اختیار کیا جائے، یہ نتیجہ بہر صورت نکلے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو اس وقت تک جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہیں تھا کیونکہ علم محیط کی صورت
میں جو کچھ بعد کو پیش آنے والا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی جو رائے ظاہر ہونے والی تھی اس
کا علم آپ کو پہلے سے ہوتا اور آپ ابتدا ہی سے وہ ارادہ ظاہر نہ فرماتے جس سے بالآخر آپ
کو کسی وجہ سے پسپائی کرنا پڑتا۔ (کما لا یخفی)

نیز اسی حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا عالم جمیع ماکان وما یکون نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ
ہرگز اپنی مذکورہ بالا رائے کے اظہار کی جرأت نہ فرماتے واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۲۵

کنز العمال میں بحوالہ مسند احمد و تخریج سعید بن منصور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپ
کے آخری مرض کی حدیث اسی کے سلسلہ میں مروی ہے۔

قال: امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ ما لا تضل امتہ بعدہ فخشیت ان
تفوتنی نفسہ قلت انی احفظ قال اوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وما ملکت ایمانکم (کنز العمال ج ۷)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے حضورؐ نے حکم دیا کہ ایک طبق لاؤں جس پر وہ چیزیں لکھوا دی
جائیں جس کے بعد امت گمراہ نہ ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے خوف ہوا کہ کہیں میرے آنے تک روح مبارک
پرواز نہ کر جائے۔ لہٰذا میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں یوں ہی یاد رکھ سکتا ہوں تو آپ نے فرمایا میں
وصیت کرتا ہوں نماز کی اور زکوٰۃ کی اور غلاموں باندیوں سے حسن سلوک کی۔

اس حدیث میں بھی غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
وقت تک بھی جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو پہلے سے

معلوم ہوتا کہ میرے علم جواب میں ملی یہ کہیں گے، بس آپ شروع ہی میں طلبِ قلم لانے کا حکم نہ دیتے بلکہ یونہی زبانی وصیت فرما دیتے جس طرح بعد میں فرمائی۔

نمبر ۳۱ سے یہاں تک یہ چار حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق واقعات سے ہے اور ہمارا استدلال ان واقعات ہی پر مبنی ہے۔ اس لئے قرآن میں زمانی و مکانی کی کوئی تفریق نہیں ہو سکتی ہے۔ اور نہ کسی قسم کی کوئی ادبی تاویل ہو سکتی ہے۔ نیز چونکہ یہ چاروں واقعے نزولِ قرآن کے اختتام کے بعد اور خاص ایامِ مرض کے ہیں اس لئے مدعیانِ علمِ غیب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان واقعات کے بعد آپ کو علمِ محیط یا علمِ جمیع ماکان و مایکون عطا فرما دیا ہوگا۔ کیونکہ ان کا دعویٰ تو نزولِ قرآن کے ساتھ اس علمِ محیط کی تکمیل کا ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں پوری تفصیل اور تنقیح کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔ بہرحال یہ چاروں احادیث ہمارے مدعا کی نہایت مستحکم اور ناقابلِ تاویل و توجیہ دلیلیں ہیں۔

اس کے بعد چند ایسی احادیث پیش کی جاتی ہیں جو اگرچہ آخر زمانہ کی نہیں ہیں۔ لیکن ان میں حضور اقدس علیہ السلام کی عمومی حالت یا کوئی مستمر عادت ایسی مذکور ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علمِ محیط حاصل نہ تھا۔ اور یہی آپ کی مستمر کیفیت رہی۔

حدیث نمبر ۳۵

کنز العمال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فقد الرجل من اخوانه ثلاثة ايام سأل عنه فان كان غائبا دعا له وان كان شاهدا زاره وان كان مريضا عاده (کنز العمال ص ۳۰ ج ۴)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ تھی کہ جب کسی کو تین دن تک نہ دیکھتے تو اس کا حال دریافت فرماتے۔ پھر اگر معلوم ہوتا کہ وہ کہیں باہر گیا ہوا ہے تو اس کے لئے دعائے خیر فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ وہ گھر ہی پر ہے (اور یونہی کسی وجہ سے آ نہیں سکا ہے) تو خود تشریف لے جا کر اس سے ملتے۔ اور اگر معلوم ہوتا کہ وہ بیمار ہے تو اس کی مزاج پرسی کے لئے

تشریف لے جا سکے ۔

اب اس حدیث میں حضور کی ایک عام زندگی عادت مبارکہ بیان ہوئی ہے ۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ حضور کو کسی کا حال کسی سے دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی ۔

حدیث نمبر ۵۴ و ۵۵

خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیکر بکری کے گوشت کے ساتھ زہر کھلا دیا گیا تھا اس کے بعد سے آپ نے از راہ احتیاط یہ اصول مقرر فرما لیا تھا کہ جب کوئی ہدیہ لاتا تو جب تک لانے والا خود اس میں سے نہ کھاتا آپ بھی تناول نہ فرماتے ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل من ھدیۃ حتی یامر صاحبہا ان یاکل منہا للشاۃ التی اھدیت لہ بخیبر۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۳ جلد ۸)

اور کنز العمال میں بحوالہ ابن ابی الدنیا و ابن جریر و بیہقی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث کے ضمن میں یہی مضمون بایں الفاظ مروی ہے ۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل ھدیۃ حتی یاکل منہا صاحبہا للشاۃ التی اھدیت لہ بخیبر۔ (کنز العمال صفحہ ۲۰۳، حدیث ۲۸۵ جلد چہارم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ میں سے اس وقت تک تناول نہ فرماتے تھے جب تک کہ ہدیہ لانے والا خود اس میں سے کچھ نہ کھا لیتا ۔ اور آپ نے یہ اصول اس زہر آلود بکری کی وجہ سے از راہ احتیاط مقرر فرما لیا تھا ۔ جو آپ کو خیبر میں پیش کی گئی تھی ——— ان دونوں حدیثوں سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ۔ ورنہ آپ کو اس احتیاطی تدبیر کی ضرورت نہ ہوتی ۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۵۶

جمع الفوائد میں بحوالہ سنن نسائی حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے :-

انہم خرجوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فرای قبرا جدیدا فقال ما ھذہ ؟ قالوا ھذہ فلانۃ مولاۃ بنی فلان رقدت ظہرا ۔ ماتت ظہرا وانت صائم قائل فلم نحب ان نوقظک بہا فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف الناس

خلفہ فکبر علیہا ثم قال لا یموت فیکم میت ما دمت بین اظہرکم الا آذنتمونی بہ فان صلاتی لہ رحمۃ (مجمع الزوائد [illegible])

(ترجمہ) ایک دن بعض صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں باہر نکلے حضور کی نظر ایک نئی قبر پر پڑی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ عرض کیا گیا کہ فلاں شخص کی فلاں باندی کی ہے۔ اس نے دوپہر میں انتقال کیا اور حضورؐ قیلولہ فرما رہے تھے اور پھر روزے سے بھی تھے۔ اس لئے ہم نے آپ کو نماز کے لئے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا ——— پس حضرت وہیں کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے پیچھے صف بندی کی اور آپ نے قبر پر ہی نماز پڑھی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب تک میں تم میں موجود ہوں جب کسی مسلمان کا انتقال ہو مجھے ضرور خبر کی جائے کیوں کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے۔

اس حدیث بالخصوص اس کے آخری خط کشیدہ حصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے۔ آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا اور روزمرہ کے معمولی حوادث (کسی کے مرنے جینے وغیرہ) کی اطلاع بھی عام طور آپ کو کسی کے خبر دینے ہی سے ہوتی تھی۔ فتفکر

حدیث نمبر (۱۵)

مجمع الزوائد میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعی الی جنازۃ سأل عنہا فان اثنی علیہا خیرا قام فصلی علیہا وان اثنی علیہا غیر ذلک قال لاھلہا شأنکم بہا ولم یصل علیہا (مجمع الزوائد [illegible])

(یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول تھا کہ جب کسی جنازہ کی نماز کے لئے آپ کو بلایا جاتا تو آپ میت کے (حال اور اس کے چال چلن کے) متعلق دریافت فرماتے تھے پھر اگر اس کا حال اچھا بتلایا جاتا تو آپ اس پر نماز پڑھتے اور اگر اس کا حال برا بتلایا جاتا تو آپ اس کے گھر والوں سے فرما دیتے کہ تم خود ہی پڑھ لو اور خود اس کی نماز نہ پڑھاتے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی یا جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ مرنے والوں کے حالات کے متعلق آپ کو اس تفتیش کی ضرورت نہ ہوتی اور آپ کے نماز جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا مدار دوسروں کی شہادت پر نہ ہوتا۔

واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۵۸

جمع الفوائد میں صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :-

جاء عبد فبایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الہجرۃ ولم یشعر انہ عبد فجاء سیدہ یریدہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعنیہ فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احداً بعد حتی یسأل اعبد ھو؟ (جمع الفوائد ص۲۲۴ جلد اول)

یعنی ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہجرت پر حضرت سے بیعت کی اور حضور کو یہ پتہ نہ تھا کہ یہ غلام ہے ۔۔۔۔ بعد ازاں اس کا مالک اس کو لینے کے ارادہ سے آیا تو حضور نے اس سے فرمایا کہ اب تم اس کو ہمارے ہاتھ بیچ دو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلاموں کے بدلہ میں اس کو خرید لیا۔ پھر آپ کسی کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ جب تک کہ یہ دریافت نہ فرما لیتے کہ وہ غلام تو نہیں ہے؟

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع غیوب یا جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ اس تلخ تجربے کے بعد آپ کو ہر بایع کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ عبد ہے یا حر؟

حدیث نمبر ۵۹

مسند احمد، سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئاً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔ (کنز العمال ص۲۲۱ ج۲)

یعنی کوئی شخص میرے کسی صحابی کی طرف کوئی چیز مجھ تک نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آؤں کہ میرا سینہ تمہاری طرف سے صاف ہو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ کسی کے متعلق کسی کے کچھ بیان کرنے کا کوئی اثر آپ پر

نہ ہوتا ــــ

حدیث نمبر ۲

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم

(جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۲۳ و کنز العمال ج ۱ ص ۲۰۶)

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کا فصل معلوم نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ نازل ہوتی (یعنی بسم اللہ کے نزول سے آپ سمجھ جاتے کہ یہ سورت پہلی نازل شدہ سورت سے علیحدہ ہے ۔)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا ۔ ورنہ سورتوں کا باہمی فصل معلوم کرنے میں آپ کو نزول بسم اللہ کی ضرورت نہ ہوتی واللہ اعلم ۔

حدیث نمبر ۱۲

صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انی لاقوم الی الصلوٰۃ وانا ارید ان اطول فیها فاسمع بكاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی كراهية ان اشق على امه ۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۲۴)

(یعنی حضور نے ارشاد فرمایا میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ خوب لمبی نماز پڑھوں ۔ پس اچانک کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کیوں کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کی ماں اس کے رونے سے پریشان ہو ۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا ۔ ورنہ آپ کو معلوم ہو جایا کرتا کہ اس نماز میں فلاں بچہ روئے گا اور آپ پھر شروع ہی سے لمبی نماز کا ارادہ نہ فرماتے ۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک حدیث الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ صحیح بخاری میں

مسلم، مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۲۰)

حدیث نمبر ۹۳

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینتظر ما سمع وقع نعل" (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۱۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک انتظار فرماتے تھے جب تک کہ کسی آنے والے کی جوتیوں کی آہٹ (چپل) کی آواز سنتے۔

اس حدیث سے بھی صاف اور واضح طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کے انتظار کا دارومدار آنے والے کی جوتیوں کی آہٹ اور چپل پر نہ ہوتا بلکہ آپ اپنے علم شریف کے مطابق عمل فرماتے۔ بکا لا یخفیٰ۔

حدیث نمبر ۹۴

امام بخاری و امام احمد و امام بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی لانقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی فارفعھا لاکلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیھا (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۴۱ وصحیح بخاری کتاب اللقطۃ)

یعنی ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر جاتا ہوں اور اپنے بستر پر کھجور پڑی پاتا ہوں اور اس کو کھانے کے ارادہ سے اٹھا لیتا ہوں۔ پھر مجھے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو رکھ دیتا ہوں اور نہیں کھاتا۔

حدیث نمبر ۹۵

نیز اسی مضمون کی ایک حدیث کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمر بالتمرۃ فما یمنعہ ان یاخذھا الا مخافۃ ان تکون صدقۃ" (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۲۸)

یعنی [illegible] کھجور پر سے گزرتے [illegible] [illegible] صدقہ کی ہو [illegible] [illegible] علم حاصل نہ تھا۔

مگر ایسا ہوتا تو آپ کو معلوم ہو جایا کرتا کہ یہ افشاء وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں آپ کو وہ تردد نہ ہوا کرتا جس کا ذکر مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں ہے۔

حدیث نمبر ۲۲

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

(قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم اني لاعلم اذا كنت عني راضية واذا كنت علي غضبى فقلت من اين تعرف ذالك؟ فقال اما اذا كنت عني راضية فانك تقولين لا ورب محمد واذا كنت غضبى قلت لا ورب ابراهيم. قلت اجل والله يا رسول الله ما اهجر الا اسمك.

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۲۹)

(یعنی حضرت صدیقہ ناقل ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب غصہ میں ہوتی ہو ——— حضرت صدیقہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا آپ کس طرح پہچانتے ہیں؟ ——— فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت کہتی ہو کہ "رب محمد کی قسم" اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو "رب ابراہیم کی قسم" (صدیقہ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں اس وقت بھی صرف (ظاہر میں) آپ کے نام کو چھوڑ دیتی ہوں (نہ یہ کہ میرا دل آپ سے علیحدہ ہو جاتا ہے بلکہ دل سے علیحدہ نہیں ہوتا)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع غیوب اور تمام ماکان وما یکون کا علم کلی حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کے لئے کسی کی خوشی و ناخوشی وغیرہ کیفیات کو ان ظاہری علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہ ہوتی ——— بلکہ یونہی سب کے دلوں کا حال آپ کو معلوم ہوتا ——— نیز حضرت صدیقہؓ کا یہ سوال کہ من این تعرف ذالک یعنی آپ میری خوشی و ناخوشی کو کس طرح معلوم کرتے ہیں؟ صاف بتا رہا ہے کہ وہ بھی حضور کے لئے کلی جمیع ماکان وما یکون کا علم نہیں سمجھتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۲۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

کہ دو فریق اپنا ایک معاملہ لے کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے فریقین
کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق
فاقضی له بذلک فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیاخذها او لیترکها
صحیح بخاری کتاب الاحکام و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۴ و موطا امام مالک و ابو داؤد ایضاً و کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۔

یعنی میں ایک بشر ہی ہوں اور میرے پاس فریق اپنے مقدمات لے کر آتے ہیں۔
ایسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی فریق دوسرے سے اچھا بولنے والا ہو (جس کی لسانی
کی وجہ سے) میں یہ سمجھ لوں کہ وہ سچا ہے۔ اور میں اس کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ دے دوں حالانکہ
حق اس کا نہ ہو۔ پس اس طرح نادانستہ طور پر میں جس کسی کو دوسرے مسلمان کا حق دلاؤں تو
وہ اس کے لئے جائز نہیں ہو جاتا بلکہ وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ اب خواہ وہ اسے لے
لے یا چھوڑ دے۔

حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت صاف ہے۔ اور ہمارے مدعا (عدم علم
غیب) پر اس کی دلالت بھی بالکل واضح ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب
یا جمیع ماکان وما یکون کا علم اگر حاصل ہوتا تو اس کا احتمال ہی نہ تھا کہ آپ جھوٹے فریق کو اس کی
لسانی اور چرب زبانی کی وجہ سے سچا سمجھ لیتے۔

چونکہ ہمارے مخالفین نے اس صریح حدیث پر بھی تاویل و تحریف کی خوب خوب مشق
کی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتے یا لکھتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی کچھ
عرض کر دیا جائے۔

ایک بات تو ہمارے مخالفین کی طرف سے یہ کہی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم
تو سب کچھ ہوتا تھا لیکن آپ مقدمہ کی ظاہری روداد اور مسل کے مطابق فیصلہ کرنے پر
من جانب اللہ مامور تھے۔ اس لئے آپ نے یہ فرمایا ـــــ اس تاویل کی بیخ کنی کے لئے
اس حدیث کا لفظ "فاحسب انه صادق فاقضی له بذالک"

ف فی الفتح لعل هنا بمعنی عسی (ج ۱۳ ص ۱۵۲) فلا تتحقق منه شفقته

سے رکھنا (یعنی یہ ہو کہ وہ چرب زبان فریق کا چرب زبانی کی وجہ سے سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں [illegible]

کافی ہے۔ کیوں کہ جو شخص حقیقت حال سے براہ راست واقف ہو، بالخصوص حبیب خدا کا رسول خدا کے الہام سے اصل حقیقت جانتا ہو تو یہ نا ممکن ہے کہ کسی تیز طرار کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر وہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھنے لگے ——— نیز اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں

انما اقضی بینکم برائی فیما لم ینزل علی فیہ (ابوداؤد) (یعنی جن معاملات میں خدا کی وحی مجھے نہیں آتی اس میں اپنی رائے سے تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔) حدیث کے ان الفاظ نے بھی نہایت صفائی کے ساتھ اس غلط اور باطل خیال کی تردید کر دی۔ کیوں کہ حدیث کے اس فقرہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ جن مقدمات کی حقیقت آپ کو خدا کی طرف سے معلوم ہوتی تھی ان میں آپ اسی کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔ ہاں جن معاملات میں وحی نہ ہوتی وہاں آپ اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے تھے۔

ایک دوسری بات اس حدیث کے جواب میں ہمارے مخالفین کی طرف سے یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس حدیث میں جن قضیت لہ بحق مسلم قضیہ شرطیہ ہے جس میں مقدم کا صدق ضروری نہیں بلکہ یہ حضرت نے علی سبیل الفرض فرمایا ہے اور حضرت کا منشا صرف یہ ہے کہ اگر بالفرض حالات میں کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے دوسرے کا حق اس کو دلوا دوں تو وہ اس کو جائز نہ سمجھے بلکہ وہ پھر بھی اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہی ہے (ملخصاً انکلمۃ العلیا)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا استدلال اس قضیہ شرطیہ سے نہیں ہے بلکہ حدیث کے ابتدائی جز سے ہمارا اصلی استدلال ہے۔ جس میں حضرت نے اپنی بشریت کی بنا پر غلطی کا امکان ظاہر فرمایا ہے۔

بہر حال یہ حدیث ہمارے اس دعوے کی نہایت روشن اور قطعاً نا قابل تاویل دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا، مزید تائید کے لئے حضرات شارحین کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:-

قولہ: انما انا بشر اى من البشر ولا ادرى باطن ما يتحاكمون فيه عندى ويختصمون فيه لدى وانما اقضى بينكم على ظاهر ما تقولون (عینی)

ترجمہ: حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں جنس بشر ہی سے ہوں۔ لوگ جو مقدمات اور جو تنازعات فیصلہ کے لئے میرے پاس لاتے ہیں مجھے ان کی اندرونی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور میں تو تم ہی لوگوں کے ظاہری بیانات پر فیصلہ دیتا ہوں۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الشہادات میں بھی ایک جگہ آئی ہے اس جگہ اس کی شرح میں بھی علامہ عینی رقمطراز ہیں:

(انما انا بشر) یعنی کواحد منکم ولا اعلم الغیب وبواطن الامور کما هو مقتضى الحالة البشرية وانا احكم بالظاهر (عینی)

ترجمہ: میں بشر ہوں یعنی تمہارے ہی افراد کی طرح ہوں اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور تمہارے معاملات کے اندرونی احوال کو نہیں جانتا جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے۔ اور میں تو ظاہری حال پر فیصلہ دیتا ہوں۔

نیز یہی حدیث صحیح بخاری کی کتاب المظالم میں بھی آئی ہے۔ اس موقعہ پر بھی اس کی شرح کرتے ہوئے عینی نے قریب قریب یہی لکھا ہے مگر اس پر اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ

ولو شاء الله لاطلعه على باطن الامور حتى يحكم باليقين لكن امره الله بالاقتداء به امته فلذلك اجرى احكامه على الظاهر (عمدة القاری)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو تمام معاملات کی حقیقت و اصلیت پر بھی مطلع فرما دیتا۔ حتیٰ کہ آپ اس اطلاع یقینی ہی سے ہر فیصلے دیتے۔ لیکن اللہ نے چونکہ آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اس لئے آپ کے فیصلوں کو ظاہر پر رکھا تاکہ امت آپ کی اقتداء کر سکے۔

نیز یہی مضمون فتح الباری اور ارشاد الساری میں بھی ہے۔

اور علامہ شہاب خفاجی اسی حدیث کے پہلے لفظ انما انا بشر کی شرح کرتے ہوئے یہ کلام فرماتے ہیں۔

[93] انما انا بشر لا اعلم الغیب وانکم تختصمون الیّ الخ (نسیم الریاض ص ۳۶۲ ج ۳) — میں بشر ہی ہوں یعنی مجھے علم غیب تو ہے نہیں۔ اور تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو الخ

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اسی حدیث کے اسی لفظ انما انا بشر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

[94] قولہ انما انا بشر ای کواحد من البشر فی عدم علم الغیب (فتح الباری ج ۱۳ ص [illegible])

یعنی بشر ہی ہوں یعنی علم غیب نہ ہونے میں دیگر انسانی افراد ہی کی طرح ہوں

اور ایک دوسرے موقع پر اسی حدیث کے اسی لفظ کی شرح کے ذیل میں فرماتے ہیں

[95] اتی بہ ردًا علی من زعم ان من کان رسولاً فانہ یعلم کل غیب۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص [illegible])

یعنی یہ لفظ انما انا بشر خاص طور پر ان لوگوں کے خیال باطل کی تردید کے لئے حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے جو گمان کرتے ہیں کہ رسول کو کل غیب کا علم ہونا چاہیئے۔

اور امام نوویؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا بشر معناہ التنبیہ علی حالۃ البشریۃ وان البشر لا یعلمون من الغیب وبواطن الامور شیئاً الا ان یطلعہم اللہ تعالیٰ علی شیء من ذلک وانہ یجوز علیہ فی امور الاحکام ما یجوز علیہم وانہ انما یحکم بین الناس بالظاہر واللہ یتولی السرائر فیحکم بالبینۃ وبالیمین ونحو ذلک من احکام الظاہر مع امکان کونہ فی الباطن خلاف ذلک۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۷۴)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انما انا بشر کا مقصد حالت بشریہ پر تنبیہ کرنا ہے۔ اور یہ جتلانا ہے کہ بشر کو غیب اور باطنی امور کا علم نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی چیز کی ان کو اطلاع دے دے۔ اور نیز اس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ فیصلوں کے معاملہ میں جس طرح دوسروں سے یہ ممکن ہے کہ واقعیت کے خلاف فیصلہ ہو جائے۔ اسی طرح آپ پر بھی جائز ہے اور آپ بھی لوگوں کے درمیان ظاہری حال ہی پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اندرونی رازوں کا سر رشتہ خدا سے ہے، پس آپ گواہ یا قسم یا اسی قسم کی اور ظاہری چیزوں پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اس کا امکان ہوتا ہے کہ امر واقعہ اس کے خلاف ہو۔

اور علمائے کرام نے اسی حدیث سے یہ بھی سمجھا ہے کہ جن معاملات اور مقدمات میں حضور پر وحی نازل نہ ہوتی تھی۔ آپ ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وفیہ[۹۹] انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقضی بالاجتہاد فیما لم ینزل علیہ فیہ شیئ۔ (فتح الباری ص۱۳۴ ج۹)

یعنی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس معاملہ میں حضورؐ پر وحی نہیں ہوتی تھی۔ اس میں آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے۔

اور علامہ بدرالدین عینیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

وفیہ[۹۹] دلالۃ علی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجتہاد (عمدۃ القاری ص۱۳۶)

یعنی اس حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے (بھی) فیصلہ کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ اجتہاد اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب کہ آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم نہ ہو۔

بہرحال مذکورہ بالا حدیث کے تمام طرق اور شارحین کی مندرجہ صدر تصریحات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارا مدعا واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے۔ اور مدعیان علم غیب "وعلم جمیع ما کان وما یکون" کی طرف سے بھی جو تاویلات اس حدیث میں کی جاتی ہیں۔ ان سب کی غلطی اور سخافت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ فللہ الحجۃ البالغۃ۔

حدیث نمبر ۶۲

کنز العمال میں حدیث مندرجہ صدر ہی کے ہم مضمون ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی بحوالہ ابن ابی شیبہ مروی ہے الفاظ یہ ہیں۔

انما[۱۰۰] انا بشر ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فمن قضیت لہ من حق اخیہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار۔ (کنز العمال ص۱۳۴)

یعنی میں بشر ہی تو ہوں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض دوسرے سے زیادہ طرار اور لسان باز ہوں پس میں جس کے لئے اس کے دوسرے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو گویا میں اس کو آگ

کو ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔

اس حدیث کا مضمون چونکہ بالکل وہی ہے جو اوپر والی حدیث کا تھا۔ اس لئے اس کے متعلق کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں، ہمارے استدلال کی تقریر یہاں بھی وہی ہے جو پہلی حدیث میں کی گئی اور مخالفین کی طرف سے جو کچھ اس کے جواب میں کہا جائے اس کا جواب الجواب بھی ہماری طرف سے وہی ہے جو حدیث سابق کے ذیل میں عرض کیا گیا۔

حدیث نمبر ۱۴۹ تا ۱۵۱

صحیح مسلم کتاب الدعوات میں حضرت زید ابن ارقمؓ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ (الحدیث) (صحیح مسلم ص۳۵۰ ج۲)

(ورواہ ایضاً احمد وعبد بن حمید والنسائی وابونعیم فی حلیہ وکنز العمال ج۱ ص۱۹۲)

(یعنی اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ اس علم سے جو نافع نہ ہو)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیر نافعہ عطا نہیں فرمائے گئے، بلکہ آپ نے خود ان سے اللہ کی پناہ مانگی۔ حالانکہ جمیع علوم ماکان ومایکون میں ہر قسم ہی کے علوم داخل ہیں، خواہ وہ نافع ہوں جیسے علوم دینیہ وعلوم مفیدہ وغیرہ یا غیر نافع ہوں جیسے بہت سے علوم سفلیہ خبیثہ۔

نیز مسند امام احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بھی یہی مضمون انہی الفاظ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (کنز العمال ص۱۹۲ ج۱)

نیز مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون انہی لفظوں میں مروی ہے (حوالہ بالا ص۱۹۲)

پھر جامع ترمذی اور سنن نسائی میں یہی مضمون انہی الفاظ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (حوالہ بالا ص۱۹۲)

حدیث نمبر ۱۵۲ تا ۱۵۵

صحیح ابن حبان، مستخرج سعید بن منصور، معجم اوسط للطبرانی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ   کنز العمال صفحہ

(اے اللہ میں تجھ سے علم نافع مانگتا ہوں اور غیر نافع علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

نیز اسی مضمون کو انہی الفاظ کے ساتھ طبرانی نے اوسط میں حضرت عائشہ صدیقہ سے بھی روایت کیا ہے (حوالہ بالا)

پھر یہی مضمون انہی الفاظ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (ایضاً حوالہ بالا)

ان تمام احادیث کا مشترک اور واضح مفاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم غیر نافعہ سے حق تعالیٰ کی پناہ لی اور بے شک آپ کے رب عزوجل نے ان غیر نافع علوم سے آپ کو محفوظ رکھا اور ہمارا ایمان ہے کہ ان علوم غیر نافعہ سے آپ کا محفوظ رہنا ہی آپ کے حق میں کمال ہے اور ظاہر ہے کہ جمیع ماکان وما یکون کے علوم میں یہ علوم غیر نافعہ بھی داخل ہیں۔

ان احادیث کے جواب میں ہمارے مخالفین کی طرف سے ایک بات تو یہ کہی جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی علم غیر نافع ہے ہی نہیں ——— اس کے جواب میں ہم صرف یہ عرض کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ احادیث مندرجہ بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "علوم غیر نافعہ" سے پناہ مانگنا خود اس کی دلیل ہے کہ دنیا میں کچھ علم ایسے بھی ہیں جو نافع نہیں۔ ورنہ کسی ایسی معدوم محض چیز سے حضرت کا پناہ مانگنا بے معنی اور عبث ہوگا۔ جس کا دنیا میں کوئی مصداق ہی نہ ہو۔ علاوہ ازیں کسی علم کے دینی نقطۂ نظر سے غیر نافع ہونے سے انکار بداہت کا انکار ہے جس شخص کو بھی دین میں کوئی بصیرت ہو وہ بیقین جانتا ہے کہ بہت سے علوم ایسے ہیں جن کا دین میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور تو اور خود مدعیان علم غیب کے راس و رئیس فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب "علم سیمیا" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ وہ ایک نہایت ہی ناپاک علم ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ صفحہ)

اب فرمایا جائے کہ جو علم ناپاک ہو کیا اس کے "غیر نافع" ہونے میں کوئی شبہ ہے؟

علاوہ ازیں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض علوم کے متعلق غیر نافع ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا۔

"علم النسب علم لا ینفع وجہالۃ لا تضر" — علم نسب ایک غیر نافع علم اور ایک غیر مضر جہالت ہے۔

(رواہ ابی عبدالرحمن عن ابی ہریرۃؓ و کنز العمال صفحہ ۲۲)

واضح رہے اس "علم نسب" سے مراد وہ ہے جس میں اہل عرب کو بہت زیادہ افراط تھا۔ کہ آدم علیہ السلام تک نسب یاد رکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حالانکہ وہاں تک کا پورا نسب غیر معلوم ہے، اور حتی کہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کا نسب بھی پشت با پشت تک یاد رکھتے تھے۔ اور اس کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اسی علم نسب کو حضرت نے اس حدیث میں غیر نافع فرمایا ہے۔ ورنہ نسب کا فی الجملہ علم جس میں افراط نہ ہو۔ اس کے مفید ہونے میں کلام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نسب مبارک عدنان تک تو بیان فرماتے تھے۔ اور آگے بیان نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ بیان کرنے والوں کو غلط کار اور غلط گو بتلاتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۵ سے معلوم ہوگا۔

ایک مغالطہ ان احادیث کے جواب میں یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ان علوم غیر نافعہ کا علم حق تعالیٰ کو تو یقیناً ہوگا۔ پس جب اللہ پاک کو ان کا علم ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ کیوں شایان شان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حق تعالیٰ کے لئے باعث کمال ہو وہ مخلوق کے حق میں بھی کمال ہو ——— مثلاً ہر ایک کو ہر حال میں دیکھنا حق تعالیٰ کی شان ہے۔ لیکن کسی بشر کے لئے ہرگز روا نہیں کہ وہ انسانوں کو ہر حال میں دیکھنے کی کوشش کرے ——— در حقیقت ہمارے مخالفین کی ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ

وہ مقربین بارگاہ خداوندی کو ہر معاملہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اور اسی میں ان کی عظمت و رفعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح گمراہی ہے۔

"این العبد من المعبود واین المخلوق من الخالق"

حدیث نمبر ۴۸

کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا انتسب لم يجاوز في نسبه معد بن عدنان بن ادد ثم يمسك ويقول كذب النسابون قال الله تعالى وقرونا بين ذلك كثيرا۔ (کنز العمال صفحہ ۲۹/۴۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان بن ادد سے آگے نہیں بڑھتے تھے، رک جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اوپر کا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان بہت سے قرن گزرے ہیں۔ اس سے حضرت کا منشا یہ تھا کہ ان قرنوں کو قرآن پاک نے بیان مبہم رکھا ہے۔ ان کی پوری تفصیل غیر معلوم ہے۔ لہٰذا جو لوگ نسب آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں وہ کاذب ہیں۔

الغرض اس حدیث کا ظاہر مفاد بھی یہی ہے کہ نسب کا یہ غیر معلوم حصہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف میں بھی نہ تھا۔ حالانکہ ما کان و ما یکون میں وہ بھی داخل ہے۔

چونکہ کتاب ہذا کے حصہ اول میں بذیل آیت نمبر ۲ اس بحث پر تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بحث کا مالہ وما علیہ دیکھنے کے لئے حصہ اول صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۴۰ ملاحظہ ہو۔

حدیث نمبر ۴۹

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم مر بقوم يلقحون فقال لو لم تفعلوا لصلح قال فخرج شيصا فمر بهم فقال ما لنخلكم قالوا قلت كذا وكذا قال انتم اعلم بامر دنياكم۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۶۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جو کھجور کے درختوں میں ان کے معروف طریقہ پر قلم لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو ٹھیک ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ تو کھجوریں ناقص آئیں۔ پھر ایک دفعہ آپ کا ادھر گزر ہوا۔ تو آپ نے ان لوگوں سے

دریافت فرمایا کہ تمہاری کھجوروں کو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضرت! اس قدر کم ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری ان دنیوی باتوں کا علم تمہیں زیادہ ہے۔

یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ مسند اور سنن ابن ماجہ میں بھی حضرت انس رضی اور حضرت عائشہ رضی ہی سے مروی ہے۔ اور کنز العمال میں اس کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا کان شیئ من امر دنیاکم فانتم اعلم به۔ واذا کان شیئ من امر دینکم فالیّ۔ (کنز العمال ۱۲۳/۱۱۹)

(یعنی) جب کوئی تمہارا دنیوی معاملہ ہو تو اس کے زیادہ جاننے والے ہو اور جب کوئی دینی امر ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

اس حدیث سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ دینی احکام کی طرح دنیوی معاملات میں بھی آپ کا ہر ارشاد حتمی اور واجب الاطاعت ہوتا اور اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کی رائے کی کوئی قیمت نہ ہوتی بلکہ حضور کے ہوتے ہوئے کسی کو غور و فکر اور رائے زنی کا بھی حق نہ ہوتا۔ حالانکہ اس کے برعکس آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

اپنے دنیوی معاملات کو تم ہی زیادہ جاننے والے ہو۔

حدیث نمبر ۹

اور بحوالہ مسند احمد کنز العمال حضرت ابو قتادہ رضی سے مروی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا :۔

ان کان امر دنیاکم فشانکم به وان کان امر دینکم فالیّ (کنز العمال ۱/۱۲۴)

(ترجمہ) اگر تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم جانو اور اگر کوئی دینی امر ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

حدیث نمبر ۱۰

اور صحیح مسلم میں تابیر نخل کا مذکورہ بالا واقعہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی فانما انا بشر۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۴ ج ۲)

(ترجمہ) میں ایک انسان ہی ہوں۔ پس اگر میں تم کو دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس پر ضرور عمل کرو۔ اور جب دنیوی معاملات میں، میں کوئی بات اپنے خیال سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں (اور میری رائے ایک بشری رائے ہے)

اس حدیث کے لفظ "انما انا بشر" کی شرح میں علامہ علی قاری شرح شفا میں ارقام فرماتے ہیں۔

(انما انا بشر) مثلکم فقد اصیب وقد اخطئ۔ (شرح شفا، ص ۲۵۹ ج ۲)

یعنی میں تم جیسا ایک بشر ہی ہوں۔ دنیوی معاملات میں میری رائے ٹھیک بھی ہوتی ہے اور کبھی غلطی بھی کرتی ہے۔

اور اسی موقعہ پر علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ارقام فرماتے ہیں۔

(فقال انما انا بشر) اصیب واخطئ فی امور الدنیا التی لم یوحی الی فیہا شیئ وکل اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی ای مما یکون دنیا فی امور الدنیا الصرفۃ (فانما انا بشر) مثلکم قد ارای رائیا والامر بخلافہ فی امور الدنیا فلا یجب اتباعہ۔ (نسیم الریاض ص ۲۸۱ ج ۴)

حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہی ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن دنیوی امور کے بارے میں مجھ پر وحی نہیں ہوتی ان میں میری رائے ٹھیک بھی ہوتی اور غلط بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب میں تم کو کسی دینی بات کا حکم دوں تو اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جب میں کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنے خیال سے کوئی بات کہوں تو بس میری شان تمہاری طرح ایک بشر کی ہے۔ کبھی میں ان دنیوی امور میں ایک رائے قائم کرتا ہوں۔ اور معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں میری رائے کی پیروی ضروری نہیں ہے۔

اور امام نووی انہی احادیث کی شرح ذیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

قالوا رأیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امور المعایش وظنہ کغیرہ ...... ولا نقص فی ذٰلک و سببہ تعلق ھممہم بالاخرۃ ومعارفہا (مسلم مع نووی صفحہ ۲۶۴/۲)

علمائے کرام نے فرمایا کہ امور معیشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے دوسرے انسانوں کی رائے کی طرح ہے ...... اور اس کی وجہ سے آپ کے مرتبہ عظیمہ میں کوئی نقصان پیدا نہیں آتا۔ کیوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تر توجہ آخرت اور معارف آخرت کی طرف ہوتی ہے۔

اور انہی احادیث کی بنا پر علامہ قاضی عیاض شارح مسلم نے شفا شریف میں فرمایا۔

اما احوالہ فی امور الدنیا ...... فقد یعتقد فی امور الدنیا الشیٔ علی وجہ ویظہر خلافہ او یکون منہ علی شک او ظن بخلاف امور الشرع (شفا شریف صفحہ ۱۵۵)

دنیوی امور میں حضور کا حال یہ ہے کہ کبھی ان معاملات میں حضرت ایک خیال قائم فرماتے ہیں۔ اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ان دنیوی امور میں آپ کو ظن اور شک بھی ہو سکتا ہے بخلاف شرعی امور کے وہاں یقین ہی یقین ہوتا ہے۔ ظن اور شک کے لئے وہاں راہ ہی نہیں۔

(ضروری تنبیہ) ——— واضح رہے کہ یہاں ہمارا استدلال تابیر نخل کے واقعہ سے نہیں ہے کہ اس کے جواب میں شیخ سنوسی یا شیخ عبدالحق یا ملا علی قاری کا تعلیم نخل کے متعلق عدم علم یا شارحین کا نکتہ پیش کیا جائے بلکہ ہمارا استدلال حدیث کے اس آخری ٹکڑے سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امور دین اور امور دنیا میں تفریق کر کے دونوں کے متعلق اپنی صحیح پوزیشن متعین فرمائی ہے۔ اور امت کے عمل کے لئے ایک مستقل ضابطہ مقرر فرمایا۔

یہاں تک جو حدیثیں پیش کی گئیں وہ مدعیان علم غیب کے ہر فریق پر یکساں طور پر حجت ہیں۔ ان پر بھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جمیع ما کان وما یکون کا علم

ولادت طیبہ سے بھی پہلے مسلّم اور بھی ہیں مانتے ہیں ان پر بھی جو شب معراج میں اس علم کے
حصول کے قائل ہیں۔ اور ان پر بھی جو ختم نزول قرآن کے وقت اس علم محیط کی تکمیل کا عقیدہ
رکھتے ہیں ——— ۵۲ نمبر تک جو احادیث پیش کی گئی ہیں، ان کی اسی حیثیت پر توہم سابق
میں مختصر سی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور اس کے بعد سے اب تک جو اٹھائیس حدیثیں مذکور ہوئیں
ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی حالت یا استمرار
مبارکہ کا ذکر ہے۔ اور بعض میں آپ نے بعض خاص قسم کے علوم سے اپنی برأت ظاہر فرمائی
ہے اور ان سے پناہ مانگی ہے۔ اور بعض میں حضورؐ نے اپنی مستقل پوزیشن واضح فرمائی ہے
اور جتایا ہے کہ نہ میں عالم الغیب ہوں، نہ مجھے کل باطنی حقیقتوں کا علم ہے۔ بالخصوص جب
خالص دنیوی معاملات میں میں کوئی بات اپنے خیال سے کہوں تو تمہارے لئے اس کا
اتباع بھی ضروری نہیں۔ ایسی دنیوی باتیں تم ہی زیادہ جانتے ہو۔ الی غیر ذالک مما سبق ذکرہ
ظاہر ہے کہ ان احادیث کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حکماً منسوخ ہیں یا کہ یہ
ختم نزول قرآن سے پہلے کی ہیں۔ اور اس وقت حضور کی یہی حالت ہوگی۔ لیکن بعد میں
آپ کو ان تمام چیزوں کا بھی علم حاصل ہو گیا تھا۔ یا حاصل ہو گیا ہو گا ——— کیوں کہ
ان احادیث کا واضح مفاد یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اور مستمر حالت یہی
رہی۔ کما لا یخفی علی من اوتی القلب السلیم والفہم المستقیم ؕ

اب اس کے بعد جو احادیث پیش کی جائیں گی وہ صرف پہلے دو فریقوں پر حجت
ہوں گی اور آئندہ بحث میں ہمارے مخالف وہی لوگ ہوں گے

"واللہ الہادی الی سبیل الرشاد وہو المسئول لتوفیق الصواب والسداد"

حدیث نمبر ۴۱

[اب جو احادیث اس سلسلہ میں پیش کی جا رہی ہیں ان میں صرف اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ ہجرت سے بعد کی ہوں اور ان سے صرف ان لوگوں پر حجت قائم کرنا مقصود ہے جو ہجرت سے پہلے شب معراج میں یا اس سے بھی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کل . . . یا . . . علم جمیع ماکان و ما یکون کے حصول کے قائل ہیں اور ترتیب میں بھی تاریخ کا لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی پہلے سلسلہ کی احادیث اس سے پہلے کی ہوں گی پھر سنہ ہجری و علی ہذا القیاس فقط]

صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فتعلمت له كتاب يهود بالسريانية وقال اني والله ما آمن يهود على كتابي فما مر بي نصف شهر حتى تعلمته وحذقته فكنت اكتب له اليهم واقرأ له كتبهم ——— جمع الفوائد ج۲

یعنی حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مخصوص سریانی تحریر سیکھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بخدا اب میں اپنی خط و کتابت میں یہود کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں چنانچہ میں نے نصف مہینے سے بھی کم میں اس کو سیکھ لیا۔ پھر میں ہی آپ کی طرف سے یہود کو خط لکھتا اور ان کے جو خطوط آتے تھے میں ہی انہیں حضور کو پڑھ کر سناتا تھا!

اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد کہ خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔ یعنی مجھے ان کی فریب بازی، دروغ اور شرارت پسندی سے خطرہ رہتا ہے۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب یا علم جمیع ماکان و ما یکون حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ اس صورت میں آپ کو یہود کی دسیسہ کاری اور دغا بازی سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کی خط و کتابت میں اگر کوئی چھل فریب کرتے بھی تو

تو آپ کو معلوم ہو جاتا بلکہ پہلے سے معلوم ہو کہ ان کا یقینی ..... اور حضرت نے نتیجہ یہ ثابت کو یہ حکم ہجرت کے پہلے ہی سال جبکہ مدینہ منورہ پہنچے ہی دیا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی تصریح بھی ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال صفحہ ۲۷۳ جلد ۵۔

حدیث نمبر ۲۴۵۵

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا جس میں مسلمانوں نے مشرکین کو شکست فاش دی اور ان کے ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار بھی ہو گئے ان کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وزیران خاص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا کہ۔

وقال ابن عباس دو فی حدیث عمر رضی اللہ عنہ: فلما اسروا الاسارٰی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر وعمر ما ترون فی ھؤلاء الاساری فقال ابوبکر یا نبی اللہ ھم بنو العم والعشیرۃ اری ان تاخذ منھم فدیۃ فتکون لنا قوۃ علی الکفار فعسی اللہ ان یھدیھم للاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تری یا ابن الخطاب قال قلت لا واللہ یا رسول اللہ ما اری ما رای ابوبکر ولکن اری ان تمکنا فنضرب اعناقھم فتمکن علیا

آپ لوگوں کی ان کے متعلق کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ سب تو ہمارے قبیلے کے لوگ ہیں۔ سب اپنے اہل قرابت ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ہم کو مالی قوت ہو گی۔ اور پھر یہ بھی امید ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی ہدایت کر دے۔ اور یہ راہ حق پر آ جائیں ــــ آنحضرتؐ نے پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے عرض کیا حضرت! میری ہرگز یہ رائے نہیں ہے۔ بلکہ میں تو یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور ان کو ہمارے قبضہ میں دے دیں اور پھر ہم ان سب کی گردنیں ماریں۔ عقیل ابن ابی طالب کو ان کے بھائی علی کے حوالہ کیا جائے۔ اور میرا فلاں عزیز مجھے حوالے کیا جائے۔ اور میں خود اپنے ہاتھ سے

سے بھی مروی ہے۔ (ابن کثیر)

ان تمام روایات میں باوجود اختلاف الفاظ و عنوانات اتنی چیز بطور قدر مشترک کے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی فدیہ والی رائے کو قبول فرمایا اور پھر آپ کو اس کا افسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل ہوتا تو یہ صورت پیش نہ آتی۔

حدیث نمبر ۴۹

اسی غزوہ بدر کے سلسلہ میں ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ جب اسلامی لشکر بدر کے قریب پہنچا تو مخالف لشکر کا ایک آدمی ہاتھ آگیا۔ جس کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ اور اس سے دشمن کی تعداد اور ان کے سامان جنگ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے چاہے۔ لیکن اس نے صاف صاف کچھ نہ بتایا حتیٰ کہ جب کچھ سختی سے بھی پوچھا گیا تو اس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ "وہ بہت زیادہ ہیں۔ اور ان کے پاس بڑی طاقت اور بڑا سامان ہے" ــــ آخرکار صحابہ کرامؓ اس کو حضور کی خدمت میں لائے۔ آپ نے بھی اس سے وہی دریافت کرنا چاہا اور پوچھا کہ ــ

"فقال له كم القوم؟ قال هم والله كثير عددهم شديد بأسهم فجهد النبي صلى الله عليه وسلم أن يخبرهم كم هم فأبى ثم إن النبي صلى الله عليه وسلم سألهم كم ينحرون من الجزر فقال عشراً كل يوم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم القوم ألف كل جزور لمائة وتبعها" (الحديث)

وہ لوگ کتنے ہیں؟ اس نے پھر وہی کہا کہ ان کی شمار بہت ہے ان کی طاقت بڑی زبردست ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح وہ صاف صاف بتلا دے لیکن اس نے نہیں بتلایا۔ پھر حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ وہ کھانے کے لئے روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں اس نے بتلا دیا دس اونٹ روز۔ پس آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بس ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ ایک اونٹ سو آدمیوں کے لئے مع ان کے خادم وغیرہ کے۔

فقال من این تلک هذه؟ فقلت یا رسول الله تمر جئت به من المدینة ... من ذلک ... ربیع تمر ... تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ تمر تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ حضرت جابر نے عرض کیا حضرت! یہ مدینہ طیبہ سے ساتھ لے کر چلا تھا۔ الخ

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم غیب حاصل نہ تھا جس کے مدعی ہمارے مخالفین ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو حضرت جابر سے دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ یہ کھجوریں تم کو کہاں سے ملیں؟

حدیث نمبر ۱۹

غزوہ احد سے چار مہینے کے بعد صفر سنہ ۴ ہجری میں بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا اصل یہ ہے کہ بعض قبائل عرب کے کچھ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے (بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ انہوں نے یہ آدمی تبلیغ اسلام اور تعلیم کتاب وسنت کے لئے طلب کئے تھے) بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو منظور فرمایا۔ اور اصحاب صفہ میں سے ستر منتخب مسلمان جو شب وروز دینی تعلیم اور دیگر دینی خدمات ہی میں مصروف رہتے تھے۔ اور گویا جنہوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت واشاعت ہی کے لئے وقف کر دیا تھا، ان کے ساتھ کر دیئے۔ چند منزل جانے کے بعد ان لوگوں نے غداری کی اور راستے ہی میں مشرک قبائل کے سفاکوں سے ان مقدس اسلام کو شہید کرا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان فرزندان اسلام کی شہادت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ بقول حضرت انسؓ کسی اور ایسے حادثہ پر آپ کو اتنا رنجیدہ اور محزون نہیں دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ان غداروں اور سفاک قبائل کے حق میں ایک ماہ تک بددعا فرمائی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی ج [illegible] ص [illegible] وصحیح مسلم ج ۱ ص [illegible] وزاد المعاد ج ۲ ص [illegible])

یہ واقعہ بھی اس کی واضح تر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب یا علم جمیع ما کان وما یکون نہیں تھا۔ ورنہ آپ ان غداروں کے فریب میں نہ آتے۔

حدیث نمبر ۹۲

یہی سنہ اور اسی مہینہ میں بالکل اسی قسم کا ایک اور افسوسناک واقعہ بھی پیش آیا۔
جو تاریخ اسلام میں غزوہ ذات الرجیع کے نام سے معروف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص غرض سے (صحیح بخاری کی روایت کی
بنا پر دشمنان اسلام کی کچھ خاص خبریں اور ان کی تیاریوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے
اور بعض اہل تفسیر کی روایت کے مطابق اہل مکہ کی درخواست پر) اپنے مخلصین کی ایک جماعت
کو حضرت عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں بھیجا۔ جب یہ حضرت عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچے
تو دشمن اسلام قبیلہ ہذیل والوں کو ان کا پتہ چل گیا اور انہوں نے ان کو گھیر کر شہید کر ڈالا۔ اور ان میں
سے دو حضرات (حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ) کو زندہ گرفتار کر کے اہل مکہ کے ہاتھ
فروخت کر دیا۔ اور پھر انہوں نے نہایت جلادی اور سفاکی سے ان کو بھی شہید کر دیا

(ملخصاً صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرجیع و معالم التنزیل صفحہ ۱۹۴)

یہ معروضہ مندرجہ بالا واقعہ کی طرح اس واقعہ سے بھی ہمارے مدعا کا ثبوت
ظاہر ہے۔

حدیث نمبر ۹۳

جامع ترمذی، تفسیر ابن جریر، وابن المنذر و ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں
سورۂ نساء کی آیات اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (الآیات)
کے شان نزول میں حضرت قتادہ بن نعمان کی روایت سے ایک طویل واقعہ مذکور ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-
راوی حدیث جناب قتادہ کے چچا رفاعہ کے مکان میں نقب لگا کر چوری کی گئی جس
میں کچھ کھانے کا سامان اور کچھ ان کے ہتھیار چوری ہو گئے۔ تفتیش سے بالیقین معلوم ہوا
کہ یہ حرکت بنو ابیرق کی ہے۔ قتادہ اپنے چچا رفاعہ کے کہنے سے اس معاملہ کو لے کر حضور کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سنایا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ ہم کو تحقیق سے معلوم ہوا ہے
کہ یہ کام واقعی بنو ابیرق کا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہتھیار ہم کو واپس مل

جائیں۔ حضور نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمایا ——— جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو انہیں میں سازش کر کے وہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! قتادہ اور اس کے چچا رفاعہ نے ہمارے بعض آدمیوں پر جو مسلمان اور صالح ہیں، بلا گواہ اور بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے ——— قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور میں نے کچھ عرض کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا۔

"عمدت الی اھل بیت ذکر منھم اسلام وصلاح ترمیھم بالسرقۃ من غیر بینۃ ولا ثبت"

تم نے قصداً بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے ایک ایسے گھرانے کے لوگوں کو چوری کی تہمت لگائی ہے جن کو مسلمان اور صالح بیان کیا جاتا ہے۔

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سے یہ سن کر واپس آگیا اور مجھے بہت رنج ہوا کہ کاش میں اس معاملہ میں حضور سے کچھ عرض ہی نہ کرتا۔ اور جب میرے چچا میرے پاس آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ اس معاملہ میں تم نے کیا کیا؟ تو میں نے ان کو جواب سنا دیا۔ ان کی زبان سے نکلا "اللہ المستعان" پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت پر وحی نازل ہوئی جس نے ساری حقیقت کھول دی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو حکم ہوا آپ بنو ابیرق کی حمایت نہ فرمائیں وہی اصل مجرم ہیں۔ اور قتادہؓ سے آپ نے جو فرمایا اس پر استغفار کریں۔ چنانچہ اس وحی کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مسروقہ ہتھیار قتادہ کو دلوا دیئے۔

(ملخصاً جامع ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نساء ص ۱۲۱ ج ۲)

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ آپ قتادہ کو وہ جواب نہ دیتے جو روایت میں مذکور ہوا۔ اور جس پر آپ کو منجانب اللہ استغفار کا حکم ہوا۔ کما لا یخفی ——— اور یہ واقعہ بھی سنہ ۴ کا ہے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد میں محمود بن لبید کی روایت سے مروی ہے۔ (ص ۴۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۴

اور اسی سنہ ۴ھ ماہ ربیع الاول میں بنو نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کو

رزین نے حضرت عمرو بن امیہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ :

كتب عامر بن الطفيل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال قتلت رجلين لهما منك جوار فابعث بديتهما فانطلق صلى الله عليه وسلم إلى ما أخر صار إلى بني النضير يستعينهم في ديتهما ومعه نفر من المسلمين فاستند إلى جدار فكلمهم فقعدوا ثم فقام أحدهم فصعد على رأس الجدار ليدلي عليه صخرة فجاء جبريل فقام ثم انصرف المسلمون فقال لقد همت اليهود بقتلي فقال لمحمد بن مسلمة اذهب إلى اليهود فقل اخرجوا من المدينة لا تساكنوني فيها فأجلاهم صلى الله عليه وسلم بعد أن أراد غير ذلك

عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ مجھ سے دو ایسے آدمی قتل ہو گئے ہیں کہ آپ کی طرف سے ان کا معاہدہ تھا۔ لہذا ان کا خون بہا بھیج دیجئے تاکہ ادا کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تب تشریف لے گئے اور وہاں سے بنی نضیر کی بستی میں گئے تاکہ ان سے بھی دیت کے بارے میں اس دیت میں امداد لیں۔ اور آپ کے ساتھ چند مسلمان اور بھی تھے۔ آپ وہاں پہنچ کر ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے اور ان لوگوں سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی۔ انہوں نے دیت میں شرکت کا اقرار کیا۔ ابھی یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف یہ حرکت ہو رہی تھی کہ ان میں سے ایک شخص اس دیوار پر چڑھ گیا تاکہ وہاں سے حضور پر پتھر کی ایک چٹان گرا دے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل نے اس مکر کی اطلاع دے دی۔ آپ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے بتایا کہ ان یہودیوں نے میرے قتل کی سازش کی تھی۔ پھر اس غداری پر آپ نے ان کی جلا وطنی کا حکم صادر فرما دیا حالانکہ پہلے آپ کا یہ ارادہ نہ تھا۔

اس واقعہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ دیت کی شرکت کی امید پر وہاں تشریف ہی نہ لے جاتے نیز آپ کو ان کے متعلق رائے مبارک بدلنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور پہلے ہی سے

آپ کا فیصلہ وہ ہوتا جو بعد میں ہوا۔ حالانکہ روایت کا آخری فقرہ بتلا رہا ہے کہ ان کے بارے میں آپ نے رائے بدلی۔

حدیث نمبر ۱۵۵ و ۱۵۶

صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بطرق مختلفہ اور بالفاظ متقاربہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:-

ایک غزوہ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا، وہاں میرا ایک ہار جاتا رہا، اس کی تلاش کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور آپ کے ساتھ دوسرے اہل لشکر کو بھی ٹھہر جانا پڑا۔ اس موقعہ پہ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

انقطع عقد لی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علی التماسہ واقام الناس معہ۔ (الحدیث)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ ہیں کہ:-

عن عائشۃ انھا استعارت من اسماء قلادۃ فھلکت فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناسا من اصحابہ فی طلبھا۔ (الحدیث)	حضرت عائشہؓ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کا ہار مانگ کے لائی تھیں وہ گم ہو گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اس کی تلاش میں بھیجا۔ الخ

اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ:-

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسید بن حضیر واناسا معہ فی طلب قلادۃ اضلتھا عائشۃ۔ (الحدیث)	حضرت عائشہؓ کا اپنا ایک ہار گم ہو گیا تھا۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے حضورؐ نے اسید بن حضیر کو اور ان کے ساتھ چند آدمیوں کو بھیجا

بہرحال ان تمام احادیث کے الفاظ اس پر متفق ہیں کہ اس ہار کے تلاش کی وجہ سے حضرتؐ نے اس منزل میں قیام فرمایا اور اپنے بعض اصحابؓ کو اس کے تلاش کرنے کے لئے بھیجا ——— پھر آخر حدیث میں مذکور ہے کہ:-

فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فاصبنا العقد تحتہ ۔	پھر جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے ہی وہ ہار مل گیا۔

(صحیح بخاری شریف کتاب التیمم صحیح مسلم جلد ۱ باب التیمم صفحہ ۱۶۰ ابوداؤد جلد ۱ باب التیمم موطا مالک باب التیمم وسنن نسائی باب التیمم)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل غیوب یا جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ ہار تلاش کرنے کے لئے آپ کو قیام فرمانے اور لوگوں کو ادھر ادھر بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ جیسے ہی حضرت صدیقہؓ نے آپ سے عرض کیا تھا۔ آپ فرما دیتے کہ تمہارے اونٹ کے نیچے ہے۔

اور یہ واقعہ اکثر محدثین اور اہل سیر کی رائے کے مطابق غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا ہے جو شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ فتح مکہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔ جو اواخر ۸ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۶۲)

اور یہی واقعہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۱ باب التیمم ونسائی جلد ۱ ایضاً باب التیمم)

حدیث نمبر ۹

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ احزاب کی ایک رات کو جب کہ بڑی تیز ہوا چل رہی تھی اور بڑی سخت سردی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مخاطب کرکے فرمایا :-

الا رجل یاتینی بخبر القوم جعلہ اللہ عز وجل معی یوم القیامۃ فسکتنا فلم یجبہ منا احد ثم قال الا رجل یاتینا بخبر القوم جعلہ اللہ عز وجل معی یوم القیامۃ	کیا کوئی ایسا مرد ہے جو دشمن کے لشکر کی خبر لاکر مجھے دے، خدا قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اس کو میری معیت نصیب کرے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں ہم سب خاموش رہے۔ پھر حضورؐ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ ارشاد

فسكتنا ثم قال فسكتنا فقال قم يا حذيفة فأتنا بخبر القوم (الحديث)
صحیح مسلم ج۲

فرمایا۔ پھر آپ نے حضرت حذیفہ کو نامزد کر کے حکم دیا۔ حذیفہ تم اٹھو! اور دشمن کی فوج کا پتہ نکال کے لاؤ۔ چنانچہ حضرت حذیفہ گئے اور خبریں حاصل کر کے حضور کو پہنچائیں۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ غزوۂ احزاب تک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کل غیوب یا جمیع ما کان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ دشمن کی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے کسی کو روانہ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور غزوۂ احزاب بنا بر قول راجح سنہ ۵ھ میں ہوا ہے۔

(ملاحظہ فتح الباری ج۷)

حدیث نمبر ۹

اور اسی غزوۂ احزاب میں ایک دن اور ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اور اس روز آنحضرت کے حکم کی تعمیل کی سعادت حضرت زبیرؓ نے حاصل کی۔ اور اسی دن موصوف نے حواری الزبیر کا جلیل القدر خطاب پایا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے اس طرح مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاحزاب من يأتينا بخبر القوم؟ فقال الزبير انا ثم قال من يأتينا بخبر القوم؟ فقال الزبير انا ثم قال من يأتينا بخبر القوم؟ فقال الزبير انا ثم قال ان لكل نبي حواريا وحواري الزبير"
(صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق ج۲)

غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو ہم کو ان لوگوں کی خبر لا کے دے؟ زبیر نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کون ہے جو ہمیں ان لوگوں کے حالات کی خبر لا کر دے؟ پھر زبیر ہی نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ پھر تیسری مرتبہ آپ نے وہی ارشاد فرمایا اور پھر زبیر ہی نے اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا ہر پیغمبر کے لئے کچھ حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔

یہی واقعہ کسی قدر اختصار کے ساتھ صحیح مسلم کتاب المناقب میں بھی مروی ہے۔

(صحیح مسلم صفحہ ۱۰۱ جلد ۲)

حدیث نمبر ۹۹

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مطلب بن ابی صفرہ کی روایت سے اسی غزوہ احزاب کے واقعات میں مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخاف ان یبیتھم ابو سفیان ان بیتم فان عوانکم حٰم لا ینصرون "

رواہ ابن ابی شیبہ کنز العمال صفحہ ۲۸۷ جلد ۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ ابو سفیان اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر شب خون مارے تو آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اگر ایسا ہو تو تمہارا شعار (نعرہ) حٰم لا ینصرون ہونا چاہیے۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی یا علم جمیع ماکان وما یکون حاصل ہوتا تو آپ کو شب خون کا کوئی خطرہ نہ ہوتا۔ اور معلوم ہوتا کہ ایسی کوئی واردات ہونی نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۰

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں غزوہ بنی قریظہ کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مروی ہے۔

لما رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبرئیل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیھم، قال فالی این؟ قال ھٰھنا واشار الی بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم (صحیح بخاری باب مرجع النبی)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس ہوئے اور اپنے جسم اقدس سے ہتھیار علیحدہ کئے اور غسل فرمایا تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہم نے تو ابھی تک نہیں اتارے۔ ادھران کی طرف چلئے آپ نے فرمایا کدھر؟ انہوں نے اشارہ سے بتلایا کہ بنی قریظہ کی طرف (جنہوں نے غزوہ خندق ہی کے موقع پر عہد شکنی

الی بنی قریظہ صحیح مسلم صفحہ ۹۵ (خطرناک غداری کی تھی)
چنانچہ آپ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ادھر تشریف لے گئے اور ان کا محاصرہ کیا۔ الخ۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت علم غیب کلی یا جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ کو پہلے سے علم ہوتا کہ اس کے بعد ہم کو بنی قریظہ کی طرف جانا ہے۔ اور ہتھیار نہ اتارتے اور نہ آپ کو حضرت جبرئیل سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہوتی کہ "الی این" (یعنی اب کدھر جانا ہے؟)

حدیث نمبر ۱۱

اور ۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا اور اس کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب آپ نے ولیمہ کے کھانے پر لوگوں کو مدعو کیا تو کچھ لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی وہیں اسی حجرہ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جس سے حضرتؐ کے آرام اور مشاغل میں خلل پڑا اور آپ بایں خیال وہاں سے اٹھ گئے کہ یہ لوگ سمجھ جائیں اور اٹھ جائیں۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد آپ یہ سمجھ کر واپس تشریف لائے کہ اب وہ لوگ جا چکے ہوں گے، لیکن یہ حضرات ابھی تک بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور انہیں حضرتؐ کے منشا کا بالکل احساس نہیں ہو سکا چنانچہ حضرتؐ پھر واپس باہر کو تشریف لے گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد اس خیال سے تشریف لائے کہ اب وہ لوگ جا چکے ہوں گے، چنانچہ اس مرتبہ وہ جا چکے تھے۔ تو آپ اندر حجرہ میں تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے اور اس کے جس حصہ سے ہمارے استدلال کا تعلق ہے وہ حضرت انسؓ کے یہ الفاظ ہیں :- " ثم ظن انهم خرجوا فرجع ورجعت معه حتى اذا دخل على زينب فاذا هم جلوس لم يقوموا فرجع النبي صلى الله عليه وسلم " (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الہدیۃ، وصحیح مسلم)

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم محیط بالعلم جمیع ما کان وما یکون نہ تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ کے متعلق ایسا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ ورنہ حضرت مغیرہ کو اپنی معذوری دکھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اگرچہ اس واقعہ کا سنہ متعین طور پر معلوم نہیں تاہم یہ یقینی ہے کہ یہ ۵ھ یا اس کے بعد ہی کا واقعہ ہے کیونکہ حضرت مغیرہ ۵ھ عام الخندق ہی میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۱۱

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نیز دیگر کتب حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطرق مختلفہ یہ واقعہ مروی ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے چند آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور آپ سے بیعت کی۔ پھر جب چند دنوں کے بعد مدینہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہ آئی اور وہ کچھ بیمار پڑ گئے تو انہوں نے آنحضرت سے اجازت چاہی کہ ہم کو اونٹوں کے گلوں کے ساتھ جنگل میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ بیت المال کے اونٹوں کے ساتھ رہیں اور ان کا دودھ وغیرہ پئیں۔ چند دنوں میں وہ اچھے ہو گئے اور انہوں نے یہ غداری اور سفاکی کی کہ اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور سب اونٹوں کو لے کر فرار ہو گئے۔ ایک چرواہا جو ان سے بچ گیا تھا وہ دوڑا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ ایسا واقعہ ہو گیا اور میرے ساتھی کو وہ لوگ قتل کر کے سارے اونٹوں کو ہنکا لے گئے۔ حضور نے فوراً چند مسلمان سواروں کو کرز بن جابر فہری کی سرکردگی میں ان کے تعاقب کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ سواروں کا یہ دستہ ان کو گرفتار کر لایا۔ اور پھر ان مرتد غداروں کو نہایت عبرتناک سزا دی گئی تفصیلاً

(صحیح بخاری کتاب الطہارت، ایضاً کتاب المغازی، و صحیح مسلم باب حکم المحاربین والمرتدین ص ۵۷ ج ۲)

اس واقعہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی

پہنچ سکیں تاکہ ان دو ماہ کے دوران حاصل شدہ علاقوں میں ان مرتدوں کی جو نقل و حرکت اور ان کے ناپاک اور خطرناک ارادوں پر آپ کو پہلے سے اطلاع ہو جائے اور آپ کو یہ موقع نہ دیتے۔ اور یہ واقعہ امام ابو اسحاق کے قول کے مطابق جمادی الاخری سنہ ۶ھ میں اور واقدی و ابن سعد و ابن حبان کے قول کے مطابق شوال سنہ ۶ھ میں پیش آیا اور یہی زیادہ مشہور بھی ہے۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۰۳

اوائل ذی قعدہ سنہ ۶ھ کے آخر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قریباً چودہ سو اصحاب کرام کے ساتھ بہ نیت عمرہ مکہ معظمہ کا قصد فرمایا اور جب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں سے آپ نے احرام باندھا اور قربانی کے لئے جو قریباً ستر اونٹ آپ کے ساتھ تھے قربانی کی نشانی کے طور پر آپ نے ان کے گلے میں قلادے ڈلوائے اور اشعار کیا اور وہیں سے ایک شخص خزاعہ نامی کو جاسوس کی حیثیت سے آگے روانہ فرمایا اور آپ اپنے قافلے کے ساتھ برابر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ جب مقام غدیر الاشطاط پہنچے تو اس جاسوس خزاعی نے آکر آپ کو خبر دی کہ قریش نے آپ کے مقابلے کے لئے تمام قبیلوں اور جماعتوں کو جمع کیا ہے اور انہوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ مکہ کے داخلے سے آپ کو روکیں گے اور اس کے لئے جنگ کریں گے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الرائے اصحاب کو جمع کر کے ان کا مشورہ لیا اور یہ طے پایا کہ اسی طرح چلے چلیں اور اپنی طرف سے جنگ کے لئے کوئی پیشقدمی نہ کریں۔ اگر قریش ہمارے راستے میں خود ہی حائل ہوں اور ہم سے جنگ کریں تو مدافعانہ جنگ کی جائے۔ یہ طے ہو جانے کے بعد آپ خدا کے نام پر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ وادی حدیبیہ میں جا کر آپ نے مقام فرمایا اور پھر خود قریش کی طرف سے مصالحت کی گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور بالآخر وہ معاہدہ جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اور اس میں منجملہ اور چیزوں کے یہ بھی طے ہوا کہ اس سال آپ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق آپ نے مع اپنے پورے قافلے کے واپسی کا ارادہ فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ قربانی کے جو جانور

ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو قربانیاں ذبح کرنے اور اپنے سروں کے بال منڈوا کے احرام کھول دینے کا حکم دیا
جائے. لیکن لوگ اس صلح کی ظاہری مغلوبیت سے گویا اس قدر متاثر تھے کہ کوئی بھی اس
کے لئے اپنی جگہ سے نہ اٹھا. یہاں تک کہ حضرت نے تین دفعہ اس ارشاد کا اعادہ فرمایا اس
پر بھی جب آپ نے کسی کو اٹھتے نہ دیکھا تو آپ خیمہ میں تشریف لے گئے اور زوجہ مطہرہ ام
سلمہ سے جو غالباً ان کے استفسار پر اس صورت حال کا تذکرہ فرمایا. انہوں نے مشورۃً عرض
کیا کہ اگر حضور چاہتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں تو آپ ان سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خود باہر تشریف لے
جا کر سب کے سامنے پہلے خود اپنی قربانی ذبح کر دیں. اور اپنے بال اتروا دیں. اس کے بعد
وہ لوگ خود بخود آپ کی تقلید کریں گے چنانچہ حضرت نے ان کے اس مشورہ ہی پر عمل فرمایا. اور
خود باہر تشریف لا کر سب سے پہلے آپ نے قربانی کی اور حلاق کو بلا کر اپنے بال اتروائے
جب لوگوں نے یہ دیکھا تو خود انہوں نے بھی اپنی اپنی قربانیاں کر لیں اور بال اتروانے شروع
کر دیئے. اور اسی طرح عمرہ کا وہ احرام ختم کر کے آپ مدینہ کو واپس ہو گئے.

یہ خلاصہ ہے ان احادیث کا جو اس واقعہ سے متعلق صحیحین میں مروی ہیں. (دیکھو
صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الشروط اور صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ)

اس واقعہ میں دو چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمارا مدعا خاص طور پر ثابت ہوتا ہے.
ایک آنحضرت کا خود گویا مشورہ کے لئے تحریک ـــــ. اور دوسرے لوگوں کو قربانیاں
کرنے اور بال اتروانے پر آمادہ کرنے کے لئے پہلے زبانی ارشاد فرمانا. اور پھر حضرت ام سلمہ
کے مشورہ کے بعد اس کے لئے دوسرا طریقہ اختیار فرمانا. یعنی یہ تو ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل ہوتا تو قریش کے حالات اور ان کے
ارادوں کی دریافت کے لئے آپ کو کسی جاسوس کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی. اور لوگوں
کو قربانیاں کرنے اور بال اتروانے پر آمادہ کرنے کے لئے جو طریقہ آپ نے حضرت ام سلمہ
کے مشورہ کے بعد اختیار فرمایا. اسی کو سب سے اول آپ پہلے ہی اختیار فرماتے

واللہ اعلم

حدیث نمبر ۱۰۵

صلح حدیبیہ سے واپسی پر حضور نے بیس دن مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد محرم ۷ھ میں غزوہ خیبر ہوا۔ اس کے مشہور واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ اور مسلمانوں کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد حسب قانون جنگ کے مطابق غنیمت کے گرفتار شدہ مرد و عورت غلام اور باندیاں بنائے گئے۔ تو دحیہ نامی ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک باندی ان میں سے مجھے عطا فرما دی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جاؤ ایک باندی لے لو۔ انہوں نے گرفتار شدہ عورتوں میں سے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ اتنے ہی میں ایک اور صحابی حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا حضور! آپ نے صفیہ بنت حیی کو دحیہ کو عطا فرما دیا حالانکہ وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار ہے۔ ان صحابی کا مطلب یہ تھا کہ اس سے ایک تو صفیہ اور اس کی قوم کی دل شکنی ہوگی کہ اس کی سیادت اور عالی مرتبی کے باوجود وہ ایک معمولی سپاہی کے حوالہ کر دی گئی۔ دوسرے اس سے اور مسلمان مجاہدوں پر دحیہ کے امتیاز اور تفوق کا شبہ ہوگا۔ بہر حال اس قسم کے مصالح کی وجہ سے ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مشورۃً یہ عرض کیا کہ صفیہ کو حضور خود اپنے پاس رکھیں۔ تو آپ نے ان صحابی کا یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ دحیہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کی بجائے تم اور کوئی باندی لے لو اور حضرت صفیہ کو آپ نے آزادی دے کر خود زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفخذ۔ و صحیح مسلم کتاب النکاح ص ۴۵۹)

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب یا علم محیط ما کان و ما یکون نہ تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ شروع ہی میں صفیہ کو دحیہ کے لئے عطا نہ فرماتے۔ نیز اس صورت میں ان دوسرے صحابی کو خدمت اقدس میں اپنا مشورہ اور اپنی رائے پیش کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۰۶ و ۱۰۷

اور اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ جس کو ابن جریر کے حوالہ سے کنز العمال

میں عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ کی روایت سے نقل کیا ہے جو یہ ہے :-

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بامرأۃ مقتولۃ فقال من قتل ھذہ؟ فقال رجل انا یا رسول اللہ اردفتھا خلفی فارادت ان تقتلنی فقتلتھا فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدفنھا ۔"

(رواہ ابن جریر کنز العمال ص ۲۹۸ ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مقتول عورت پر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس کو گرفتار کر کے اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا تھا تو اس نے مجھے قتل کر دینا چاہا۔ پس میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیا جائے ۔

اس واقعہ سے بھی ہمارا مدعا صاف ظاہر ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب کلی" یا "علم جمیع ماکان وما یکون" حاصل ہوتا تو مقتولہ کے متعلق آپ کو یہ دریافت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ "من قتل ھذہ" (اس کو کس نے قتل کیا؟)

نیز قریب قریب اسی مضمون کی ایک روایت اسی کنز العمال میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۲۹۸ ج ۲

حدیث نمبر ۱۰۸

نیز اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور بکری کے گوشت کے ساتھ زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے۔ اور اگرچہ بفضلہ تعالیٰ آپ کے حق میں اس کا ناپاک ارادہ پورا نہ ہوا لیکن آپ کے ساتھی بشر بن معرور ایک صحابی نے شبہ کے باوجود صرف حضرت کے لحاظ سے لقمہ منہ سے اگلنا مناسب نہ سمجھا، جانبر نہ ہو سکے اور اسی زہر ہی نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اگرچہ اس وقت اس زہر کا اثر زیادہ نہ ہوا لیکن تین برس کے بعد مرض الوفات میں آپ نے اس کا بہت زیادہ اثر محسوس کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہ سے آپ نے فرمایا۔

"یا عائشہ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذلک السم" (دیکھئے بخاری[۹۹] باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

(یعنی تین سال سے برابر میں اس زہر آلود کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں جو خیبر میں مجھے کھلایا گیا تھا۔ اور اس وقت اسی زہر ہی کے اثر سے میری رگ جان کٹتی سی معلوم ہو رہی ہے۔)

اس واقعہ سے بھی ہمارا مدعا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی یا علم جمیع ماکان وما یکون حاصل ہوتا تو اس یہودیہ کی یہ حرکت آپ کو پہلے سے معلوم ہوتی اور یہ المناک واقعہ پیش ہی نہ آتا۔

اس واقعہ کی مزید تفصیل اگر درکار ہو تو کتب سیر کے علاوہ فتح الباری[۲۰۳] باب الشاۃ التی سمت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر ص ۴۹۱ ج ۷ میں بھی ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۰

اور اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں حضرت زید بن ثابت سے ایک واقعہ یہ بھی مروی ہے کہ:-

[۲۴۲] غزونا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ خیبر فاصبنا ضبابا فاشتوی الناس منھا واشتویت ثم اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضعتہ بین یدیہ فاخذ عودا فجعل یعد بہ اصابعہ فقال ان امۃ من الامم مسخت دواب وانی لا ادری ای امۃ فلم یاکل۔ الحدیث

(رواہ ابن جریر کنز العمال ص ۵۲ ج ۸)

غزوہ خیبر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے تو ہم نے بہت سی گوہوں کا شکار کیا، اور لوگوں نے ان کو بھون بھی لیا۔ میں نے بھی بھونا۔ پھر میں نے اس کو لاکر حضور کے سامنے رکھ دیا۔ تو آپ نے ایک لکڑی لی اور اس کی انگلیاں شمار کرنے لگے۔ پھر فرمایا اگلی امتوں میں سے ایک امت کو مسخ کر کے زمین پر رینگنے والے جانور بنا دیا گیا تھا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ وہ مخلوق کی کونسی قسم ہے۔ پھر حضور نے اس کو کھایا نہیں۔ الخ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت

امرأة من نسوة الحضور اخبرن رسول الله صلى الله عليه وسلم بما قدمتن له فقلن هو الضب يا رسول الله فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده۔ الحديث (صحيح مسلم ص۱۵۳ ج۲) (صحيح بخاری كتاب الذبائح والصيد باب الضب)

وہاں حاضر تھیں ان میں سے کسی نے کہا کہ جو چیز آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے وہ حضور کو بتلا دینی چاہیے چنانچہ عرض کیا گیا کہ حضرت یہ گوہ ہے۔ تو آپ نے اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اسی دوسری روایت میں ہے کہ دسترخوان پر جو رکھا گیا تھا آپ نے صرف وہی کھایا۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم غیب کلی اور جمیع ماکان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضور کو خود ہی اس کا علم ہوتا کہ میرے سامنے یہ گوہ پیش کی گئی ہے۔ اور آپ شروع ہی سے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں "وانه كان لا يعلم من المغيبات الا ما علمه الله تعالى" (فتح الباری شرح بخاری ص۵۷۵ ج۹) یعنی اس حدیث سے منجملہ اور چیزوں کے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی صرف وہی چیزیں معلوم ہوتی تھیں جن کی اللہ تعالے کی طرف سے اطلاع دی جاتی تھی۔

اور یہ حدیث سنہ ۷ھ کے بعد کی ہے۔ کیونکہ حضرت میمونہ کو حضور کی زوجیت کا شرف عمرۃ القضاء میں حاصل ہوا ہے۔ جو ذیقعدہ سنہ ۷ھ میں ہوا تھا اور حضرت خالد بن ولید اس کے بھی بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں پس یہ واقعہ لا محالہ سنہ ۷ ہجری کے بعد ہی کا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۱۹

صحیح مسلم و سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بواسطہ ابن عباس حضرت میمونہ سے مروی ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم اصبح يوما

ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت

لے ملاحظہ ہو فتح الباری ص۵۷۵ ج۹ مطبوعہ مصر

يوماً واجماً فقالت له لقد استنكرت هيئتك منذ اليوم فقال ان جبريل كان وعدني ان يلقاني فلم يلقني اما والله ما اخلفني فظل يومه على ذلك ثم وقع في نفسه جرو كلب تحت فسطاط فامر به فاخرج ثم اخذ بيده ماء فنضح مكانه فلما امسى لقيه جبريل فقال صلى الله عليه وسلم لقد كنت وعدتني ان تلقاني البارحة قال اجل ولكنا لا ندخل بيتا فيه كلب ولا صورة

الحدیث (جمع الفوائد ج۲ ص۲۱۰)

(صحیح مسلم ج۲ ص۱۹۹)

میمونہؓ کے یہاں تھے اور کچھ غمگین تھے۔ انہوں نے عرض کیا آج برابر میں آپ کو اداس سا دیکھ رہی ہوں فرمایا۔ ہاں! جبریل نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہ نہیں ملے۔ اور خدا کی قسم انہوں نے وعدہ خلافی نہیں کی پھر اس دن بھر آپ کی یہی کیفیت رہی۔ پھر آپ کو خیال آیا کہ گھر میں کتے کا بچہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے نکال دینے کا حکم دیا۔ اور وہ نکال دیا گیا۔ پھر آپ نے پانی لے کر اس جگہ چھڑکا۔ پھر جب شام ہوئی تو جبریل تشریف لائے آپ نے کہا تم نے کل رات ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا بے شک لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہو ہم اس گھر میں نہیں جاتے ہیں۔ اھ

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ پہلے ہی اس کتے کو نکلوا دیتے۔ نیز اس صورت میں حضرت جبریل سے رکنے کا سبب معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۷ ہجری کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت میمونہؓ اواخر سنہ ۷ھ ہی میں حضورؐ کی زوجیت سے مشرف ہوئی تھیں۔

اور یہی واقعہ یا اسی قسم کا دوسرا واقعہ صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے ایک چارپائی کے نیچے کتے کا پلا دیکھا تو حضرت صدیقہؓ سے دریافت فرمایا۔

"متی دخل هذا الکلب ههنا؟ یہ کتا کب یہاں گھس گیا تھا؟" انہوں نے عرض

کیا "واللہ ما ادری بیت" خدا کی قسم مجھے کچھ پتہ نہیں۔ (صحیح مسلم ص ۱۹۹/۲)

پس اس روایت میں حضرت عائشہؓ سے آپ کا یہ سوال ہمارے استدلال کے لئے ایک مستقل اور جداگانہ وجہ بن سکتا ہے۔

اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بحوالہ مسند احمد و سنن نسائی و ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ و مستخرج سعید بن منصور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے آنحضرتؐ کے مزاج میں ایک بار کچھ تغیر سا محسوس کیا تو اس کا سبب دریافت کیا تو اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے یہ واقعہ نقل فرمایا کہ

انی حسست فی الحجرة حرکة
فقلت من هذا؟ قال انا جبرئیل
قلت ادخل قال لا، اخرج. فلما
خرجت قال ان فی بیتک
شیئا لا یدخله ملک ما دام
فیه قلت ما اعلمه یا جبریل
قال اذهب فانظر فذهبت
ففتحت البیت فلم اجد غیر
جرو کان یلعب به الحسن
فقلت ما وجدت الا جروا قال
انها ثلث لم یلج ملک ما دام فیها
ابدا واحد منها کلب او جنابة
او صورة (کنز العمال ص ۱۲۹/۳)

مجھے حجرہ میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی
تو میں نے کہا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں جبرئیل ہوں
میں نے کہا تشریف لائیے! انہوں نے کہا نہیں
آپ ہی باہر تشریف لے آئیے چنانچہ میں باہر
آگیا تو انہوں نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں کوئی
ایسی چیز ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے فرشتے
داخل نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم
نہیں انہوں نے کہا آپ جا کر دیکھئے۔ چنانچہ میں
آیا اور دروازہ کھولا تو سوائے کتے کے ایک
بچے کے جس سے حسن کھیل رہے تھے اور
کچھ نہیں ملا تو میں نے آکر کہا کہ میں نے تو کتے
کے ایک بچہ کے سوا کچھ بھی نہیں پایا۔ انہوں نے
کہا کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جہاں ان میں سے
کوئی ایک ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، کتا، جنابت یا صورت!

اس حدیث سے بھی ہمارا استدلال ظاہر بلکہ اظہر ہے اور یہ واقعہ بھی کم از کم سنہ ۳ یا سنہ ۴ ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت رمضان المبارک

سنہ ۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر چار یا پانچ برس سے کیا کم ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۴۰

صحیحین اور سنن ابی داؤد میں حضرت میمونہؓ سے مروی ہے۔

عتقت وليدة ولم تستاذن النبي صلى الله عليه وسلم فلما كان يومها قالت اشعرت يا رسول الله اني اعتقت وليدتي؟ قال او فعلت قالت نعم قال اما انك لو اعطيتها اخوالك كان اعظم لاجرك.

(صحیحین وابی داؤد مع الفاظ متقاربہ)

کہ انہوں نے ایک باندی آزاد کی اور حضورؐ سے اس کے متعلق اجازت نہیں لی۔ پھر جب ان کی باری آئی تو انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کیا حضورؐ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی اس باندی کو آزاد کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم کر چکیں؟ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں کر چکی۔ فرمایا اگر تم اپنے ماموؤں کو عطا کر دیتیں تو اس میں تمہارے لئے زیادہ ثواب ہوتا۔

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم غیب حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کو پہلے سے اس کا علم ہوتا۔ اور پہلے ہی آپ ان کو یہ مشورہ دے دیتے۔ اور یہ واقعہ بھی ان کا سنہ ۷ھ کے بعد ہی کا ہے کما لا یخفی۔

حدیث نمبر ۱۴۱

صحیحین (بخاری و مسلم) اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بیت الخلاء تشریف لے گئے تو میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی تیار کر کے رکھ دیا۔ جب آپ نے باہر آ کر اس کو دیکھا تو دریافت فرمایا ۔۔

من وضع هذا؟ فقالوا ابن عباس فقال اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۶ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۸ و ترمذی ج ۲ ص ۲۲۲)

کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس نے۔ تو آپ نے میرے لئے تفقہ فی الدین اور علم تفسیر قرآن کی دعا فرمائی۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا صاف ثابت ہے کیونکہ اگر آپ کو علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل ہوتا تو یہ دریافت فرمانے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ واقعہ حضور کی زوجہ مطہرہ اور حضرت ابن عباس کی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں پیش آیا تھا۔ (کما فی الکنز ص ۸۲ ج ۴) لہذا یہ واقعہ بھی ۵ھ کے بعد ہی کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۲۲

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-
میں بخار میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پکار کر فرمایا۔

من یحس الفتی الدوسی ثلث مرات فقال رجل یا رسول اللہ ھو ذا یوعک فی جنب المسجد فاقبل یمشی حتی وضع یدہ علی۔ الخ
(سنن ابی داؤد باب ما یکرہ ذکرہ الرجل من اصابۃ امرأتہ کتاب النکاح)

کس نے دوسی جوان (ابوہریرہؓ) کو دیکھا ہے؟ آپ نے یہ تین دفعہ ارشاد فرمایا۔ تو ایک شخص نے عرض کیا حضرت! وہ یہ بخار میں مبتلا ہیں مسجد کے گوشے میں ہیں۔ پس آپ میری طرف تشریف لائے اور قریب آکر دست مبارک میرے اوپر رکھ دیا۔

پس اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی حضور کو علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کا پتہ چلانے کے لئے آپ کو دوسروں سے دریافت کرنے اور دوسروں کو بتلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور یہ واقعہ بھی ۷ھ کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ۷ھ ہی میں حضرت ابوہریرہؓ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۳

جمادی الاول ۸ھ میں غزوہ موتہ پیش آیا اور اس کے واقعات میں سے یہ ہے کہ:-
اہل یمن میں سے قبیلہ حمیر کا ایک شخص اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لیا جس کے پاس

ایک تلوار کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اثنائے راہ میں ہی کسی مسلمان نے ایک اونٹ ذبح کیا تو اس نے اس سے کھال کا ایک ٹکڑا مانگ کر اس کی ڈھال سی بنا لی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو لشکر کفر میں ایک رومی شخص دیکھا گیا۔ جو سرخ رنگ گھوڑے پر سوار تھا۔ اور گھوڑے کی زین پر سونا جڑا ہوا تھا۔ اسی طرح اس کے جو ہتھیار تھے ان پر بھی سونا جڑا ہوا تھا۔ اس رومی شخص نے کئی ایک مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ لیکن اتفاق سے وہ اس یمنی فوجی کی زد میں آ گیا اور اس نے اس کو قتل کر کے اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہو گیا تو حضرت خالد بن ولید نے جو اس وقت اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے اس یمنی شخص کو طلب کیا اور رومی مقتول کا کچھ سامان اس سے لے لیا ــــ عوف بن مالک کو جو اس جنگ میں شریک تھے اور وہ یمنی شخص انہی کے ساتھ آیا تھا جب واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت خالد سے آکر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم تھا کہ میدان جنگ میں دشمن کے جس سپاہی کو جو قتل کرے وہی اس کے ساز و سامان کا مستحق ہے۔ تو پھر آپ نے اس یمنی سے کیوں کچھ سامان لے لیا؟ حضرت خالد نے فرمایا کہ میری نظر میں وہ سامان بہت زیادہ اور بہت قیمتی تھا ــــ عوف بن مالک نے کہا آپ وہ سامان اسی یمنی کو واپس فرما دیجئے۔ ورنہ معاملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے گا اور پھر آپ دیکھ لیں گے کہ کیا فیصلہ ہوتا ہے ــــ حضرت خالد اس کے بعد بھی اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور اس یمنی کو رومی مقتول کا تمام ساز و سامان دینے سے انکار فرما دیا ــــ یہاں تک کہ جب لشکر اسلام مدینہ واپس آیا تو عوف بن مالک نے یہ واقعہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ اس یمنی سے جو کچھ لیا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے ــــ عوف بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:۔

فقلت یا خالد الم اعرف لک ؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم و ما ذالک ؟ فاخبرتہ	میں نے خالد سے کہا لو! دیکھو! میں نے اپنا کہا کیسا پورا کر دکھایا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنا تو دریافت فرمایا

فغضب وقال یا خالد لا ترد علیہ (الحدیث)	کہ یہ کیا قصہ ہے تو میں نے پورا واقعہ بہ تفصیل عرض کیا تو آپ کو سخت غصہ آیا۔ اور آپ نے

حضرت خالد کو حکم دیا کہ کچھ مت واپس کرو اور پھر آپ نے عوف کو تنبیہ فرمائی (ملخصاً)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم غیب کلی یا علم جمیع ماکان و ما یکون حاصل نہ تھا ورنہ آپ کو پوری روداد پہلے سے خود ہی معلوم ہوتی اور اس صورت میں اپنا فیصلہ دینے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی۔

(یہ حدیث صحیح مسلم جلد دوم باب استحقاق القاتل سلب القتیل میں اور سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب الامام یمنع القاتل السلب ان رأی میں اور مسند احمد میں بھی مروی ہے۔ کما فی جمع الفوائد ہم نے واقعہ کی یہ تفصیل ابو داؤد کی روایت کے مطابق نقل کی ہے صحیح مسلم کی روایت میں بہ نسبت اس کے کچھ اختصار ہے۔ مگر روایت کے جس جزء سے ہمارا استدلال ہے وہ ان سب روایات میں مشترک ہے۔)

حدیث نمبر ۱۴۲

ماہ رمضان سنہ ۸ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی آپ مقام مر الظہران ہی میں تھے کہ سردار قریش ابوسفیان بن حرب نے حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو اشارہ فرمایا کہ ابوسفیان کو ساتھ لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو جائیے جہاں سے پورا اسلامی لشکر گزرے چنانچہ وہ ابوسفیان کے ساتھ ایسی ہی جگہ کھڑے ہو گئے لشکر اسلام کے دستے باری باری نکلتے تھے اور ابوسفیان حضرت عباس سے ان کا تعارف حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سعد بن عبادہ انصار کی ایک بڑی فوج کے ساتھ گزرے اور انہوں نے ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"ابوسفیان! آج جنگ اور قتال کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت بھی توڑی جائے گی۔ (یعنی مکہ کے بسنے والے اور کعبہ کے سامنے میں بسنے والے دشمنان اسلام کو بھی بے دریغ پامال کیا جائے گا"۔

اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص رفقاء و مہاجرین کے ساتھ گزرے تو بطور شکایت عرض کیا۔

"المرتعلم ما قال سعد بن عبادہ" — کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سعد نے کیا کہا ہے؟

"قال ما قال" — آپ نے فرمایا: انہوں نے کیا کہا ہے؟

"قال کذا وکذا" — ابوسفیان نے کہا: انہوں نے ایسا ایسا کہا ہے!

"فقال کذب سعد ولکن ھذا یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ و یوم تکسی فیہ الکعبۃ" — حضور نے فرمایا سعد نے بالکل غلط کہا آج تو وہ دن ہے کہ کعبۃ اللہ کی عظمت کا پورا حق ادا کیا جائے گا اور اس پر غلاف چڑھایا جائے گا۔

(صحیح بخاری باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح ص۶۱۲)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ ابوسفیان کے اس کہنے پر کہ ... "الم تعلم ما قال سعد" (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سعد نے کیا کہا ہے؟) آپ کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ "ما قال سعد" (سعد نے کیا کہا ہے؟) بلکہ آپ ابوسفیان کی شکایت کے جواب میں پہلے ہی ان کو مطمئن کر دیتے۔

حدیث نمبر ۱۲۵

اور اسی سفر (غزوۃ الفتح) کی احادیث کے سلسلہ کی ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمن بن الازہر سے مروی ہے کہ:

"قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح وانا غلام شاب یسئل عن منزل خالد بن الولید" (کنز العمال ص۲۷۲) — میں نے فتح مکہ کے سال جب کہ میں جوان لڑکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد بن الولید کے ٹھکانے کا پتہ پوچھتے تھے۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" یا علم جمیع ماکان ومایکون حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۱۲۶

فتح مکہ سے فارغ ہو کر شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولیدؓ کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا وہاں پہنچ کر حضرت خالدؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ صاف لفظوں میں "اسلمنا" کہتے "صبانا صبانا" کہنا شروع کیا جس کے معنی ہیں کہ ہم نے دین تبدیل کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ ازراہ شرارت و استکبار لفظ اسلام سے گریز کرتے ہیں۔ تو انہوں نے ان کی گرفتاری اور قتل کا حکم دے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس دستہ میں بطور ایک فوجی سپاہی کے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور بنی جذیمہ کے جو آدمی ان کے یا ان کے مخصوص رفقاء کے قبضہ میں تھے۔ ان کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب یہ دستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور واقعہ کی رپورٹ آنحضرت سے کی گئی۔

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال اللّٰھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد مرتین۔ (صحیح بخاری باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی جذیمہ)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کے خدا کے حضور میں عرض کیا کہ اے اللہ خالد نے جو حرکت کی ہے اس سے بری اور بیزار ہوں اور یہ آپ نے دو دفعہ فرمایا۔

اور ابن اسحٰق نے امام باقرؒ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علیؓ کو بھیج کر ان تمام مقتولین کی دیت ادا کی۔ (کما فی فتح الباری باب بعث) اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علم غیب کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ حضرت خالدؓ کو بوقت روانگی اس بارہ میں ہدایت فرما دیتے۔ اور پھر تبری اور ادائیگی دیت کی ضرورت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۲۶

فتح مکہ کی تکمیل کے بعد ہی سے آپ نے غزوہ حنین کا قصد فرمایا۔ چلتے چلتے آپ حنین کے قریب ہی ایک منزل پر اترے اور انس بن ابی مرثد غنوی کو آپ نے حکم دیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس پہاڑی کی گھاٹی کی طرف چلے جاؤ اور اس کے بالائی حصہ پر قیام کرو اور ہوشیار رہ کر چوکی دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے دشمن رات کو ہم پر حملہ کر دے۔ اس موقع پر آنحضرت کے الفاظ یہ ہیں "ولا نغرن من قبلك الليلة" یعنی تمہاری غفلت سے دھوکہ میں ہم پر رات میں حملہ نہ ہو جائے۔ حضور کی ہدایت کے مطابق انس چلے گئے اور رات بھر وہیں رہ کر چوکیداری کی۔ صبح کو جب نماز فجر کے لئے حضرت اٹھے تو فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد لوگوں سے آپ نے دریافت فرمایا "هل احسستم فارسكم؟" کیا تم لوگوں نے اپنے سوار انس بن ابی مرثد کو دیکھا؟ صحابہ نے عرض کیا "ما احسسناه" حضرت ہم نے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد اقامت کہی گئی اور حضرت نماز فجر پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لیکن دوران نماز میں بھی آپ بار بار کن انکھیوں سے اس گھاٹی کی طرف دیکھتے تھے۔ اس موقع پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ "فثوب بالصلوٰة فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي وهو يلتفت الى الشعب حتى اذا قضى صلوٰته وسلم قال ابشروا فقد جاء فارسكم" پھر جب نماز ہو گئی اور آپ نے سلام پھیر دیا تو فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارا سوار آگیا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ درختوں کے درمیان سے آرہے ہیں۔

[سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ] میں یہ روایت مفصل ہے ہم نے یہاں اس کا خلاصہ درج کیا ہے۔ اس کے تین جزوں سے ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حضور کا ارشاد "لا نغرن من قبلك الليلة" اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حضور کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ دشمن کے شبخون کے خطرہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بلکہ سرے سے کسی چوکیدار کی چوکی بالی کی ضرورت ہی نہ ہوتی

وہ حضرت صحابہؓ سے آپ کا صبح کو سوال کرنا کہ ھل احس منکم احد جو ہمارے اس مدعا کی واضح دلیل ہے۔ پھر نماز میں تجاوز نظروں سے گھاٹی کی طرف دیکھنا بھی ہمارے اس مدعا کو ثابت کرتا ہے کیونکہ آپ کو جیسا کہ ان کا علم محیط اگر حاصل ہوتا تو نہ آپ کو صحابہؓ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی اور نہ آپ بحالت نماز فکرمندی کے ساتھ گھاٹی کی طرف نظر مبارک دوڑاتے۔

حدیث نمبر ۱۲۸

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی غزوہ حنین کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ

لما استقبلنا وادی حنین انحدرنا من وادٍ من اودیۃ تہامۃ اجوف حطوط انما ننحدر فیہ انحدارًا فی عمایۃ الصبح وکان القوم قد کمنوا لنا فی شعابہ واحنائہ ومضائقہ قد اجمعوا وتہیاؤا واعدّوا فواللہ ما راعنا ونحن منحطون الّا الکتائب قد شدت علینا شدۃ رجل واحد وانھزم الناس راجعین لایلوی احد علی احد وانحاز النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات الیمین ثم قال الیٰ ایہا الناس (الحدیث)

(رواہ ابو یعلی مجمع الزوائد ص ۱۸۳ ج ۶)

جب ہم وادی حنین کی طرف آئے تو تہامہ کی وادیوں میں سے ایک کھلی اور نیچے کی طرف آنے والی وادی میں ہم اترنے لگے۔ اور چونکہ ڈھال بہت زیادہ تھی۔ اور صبح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے ہم گویا اس میں لڑھکتے چلے جاتے تھے۔ اور دشمن فوج اس کی گھاٹیوں اور اس کے پہلوؤں اور تنگ کناروں میں بالکل تیار ہو کر ہماری تاک میں چھپی بیٹھی تھی ہم بالکل بے خطر اترے چلے جا رہے تھے کہ انہی کمینگاہوں سے اچانک دشمن نے ہم پر یک بارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے پیر اکھڑ گئے۔ اور ایک دوسرے سے بے پرواہ ہو کر پیچھے لوٹنے لگے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنی جانب ہٹ گئے۔ پھر آپ نے آواز دی کہ لوگو! میری طرف آؤ ـــــــ (آگے حدیث میں ہے کہ پھر مسلمانوں نے ہمت کر کے شکست کو فتح سے بدل دیا۔ اور دشمن کو شکست دے کر اس کے مال و اسباب وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔)

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا ورنہ آپ کو پہلے سے اس کی اطلاع ہوتی کہ دشمن کمینگاہوں میں چھپا ہوا ہے۔ اور اس صورت میں آپ لشکر کو اس گھاٹی سے نہ اتارتے یا کم از کم پہلے سے ہوشیار کر دیتے کہ دشمن کو اچانک اور بے خبری میں حملے کا موقع نہ ملتا۔

حدیث نمبر ۱۲۹

جب [۱۲۲۵] لشکر اسلام حنین میں ہوازن کو شکست دے کر مال غنیمت میں ان کے اموال و اسباب ان کے مویشی اور جنگی اسیروں کو قبضہ میں کر کے واپس ہوا تو ہوازن کی طرف سے ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ کا جو مال و اسباب اسلامی لشکر نے حاصل کیا ہے وہ واپس کر دیا جائے۔ اور ہمارے جو آدمی گرفتار ہو گئے ہیں وہ آزاد کر دیئے جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دیکھتے ہو کہ یہ میری ذات واحد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ میرے ساتھ یہ سب بھی ہیں۔ اور مال غنیمت حصہ بحصہ تقسیم ہو کر مجاہدین کے قبضہ میں پہنچ چکا ہے۔ اور میں نے تو تمہارے خیال سے تقسیم بھی بہت دیر سے کی۔ کہ شاید تم قبل از تقسیم پہنچ جاؤ اور مال غنیمت تم کو واپس دے دیا جائے۔ مگر افسوس تم بہت دیر سے آئے۔ لہٰذا صاف بات یہ ہے کہ تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو اپنے اموال و اسباب واپس لے لو اور یا اسیروں کو آزاد کرا لو جو قانون جنگ کے مطابق غلام بنائے جا چکے ہیں۔ ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو اسی کے بارہ میں میں مسلمانوں سے سفارش کروں گا ——— چنانچہ انہوں نے عرض کیا تو پھر ہمارے اسیروں کو آزادی دلا دی جائے۔ آپ نے نماز کے بعد مسلمانوں کے سامنے ان لوگوں کا معاملہ پیش فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہی ہیں اب سچے نادم ہو کر آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے اسیروں کو رہائی دے دی جائے۔ اور میں خود بھی اسی کے حق میں ہوں اور سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ بنی ہاشم کے حصہ میں جو اسیر آئے ہیں میں ان کو ان کے حوالہ کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جو لوگ بطیب خاطر اس کے لئے آمادہ ہوں وہ اپنے

حضرت کے غلاموں کو اسی طرح آزاد کر دیں اور جو اس طرح بلا عوض آزاد کرنا چاہیں قرآن کے لئے ہمارا وعدہ ہے کہ آئندہ اولین موقع پر ان کو اس کا بدل دیا جائے گا اس پر مجمع میں سے آوازیں آئیں ۔

قد طیبنا ذالک یا رسول اللہ ! — حضرت ہم بطیب خاطر ہوازن کے اسیروں کو آزاد کرتے ہیں۔

لیکن چونکہ یہ بات ایک عام مجمع کی تھی اور اس طرح متعین طور پر ہر شخص کی مرضی معلوم نہیں ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے فرمایا ہے

انی لا ادری من اذن منکم ممن لم یاذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاؤکم امرکم — مجھے پتہ نہیں چلا کہ آپ لوگوں میں سے کس کی مرضی ہے اور کس کی مرضی نہیں ہے ۔ لہذا اب یہاں سے آپ لوگ چلے جائیں ۔ پھر ہر قبیلے اور ٹولے کے چودھری اور مکھیا آپ کے معاملہ کی رپورٹ پیش کریں ۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب العرفاء للناس)

آگے حدیث میں ہے کہ اس پر مجلس منتشر ہو گئی اور پھر چودھریوں اور مکھیاؤں نے اپنے اپنے قبیلہ اور ٹولے والوں سے بات چیت کر کے حضرت کے سامنے رپورٹ پیش کی کہ حضرت سب لوگ حضور کی تجویز پر رضامند ہیں اور اپنے اپنے غلاموں باندیوں کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں ۔

(یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد جگہ ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصل اور وہ اختلاف تفصیل میں بعض اجزاء ہم نے فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۵۳ سے بھی لئے ہیں ۔)

ہمارا استدلال صحیح بخاری کی روایت کے مذکورہ بالا الفاظ سے ہے جو صاف بتا رہے ہیں کہ عام مجمع میں آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کو یہ تجویز منظور ہے اور کس کو نہیں اور اسی واسطے آپ نے معاملہ کو عرفاء کے حوالہ کر لیا ۔ اور انہوں نے اپنے اپنے حلقہ میں تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کی ۔

حدیث نمبر ۱۳۰

کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکر داہنی جانب بیٹھتے تھے۔

فابصر ابوبکر العباس بن عبد المطلب یوما مقبلا فتنحی له عن مکانه۔ وشعر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لک یا ابابکر فقال هذا عمک یا رسول اللہ فسر بذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی یری ذلک فی وجهه (رواہ ابن عساکر والملا ... کنز العمال ج ۶)

ایک دن ابوبکر نے عباس بن عبد المطلب کو آتا دیکھا تو ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا تو آنحضرت نے ابوبکر سے دریافت کیا کہ کیوں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت یہ آپ کے چچا تشریف لاتے ہیں تو آنحضرت کو ابوبکر کے اس طرز عمل سے بڑی مسرت ہوئی۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابوبکر سے جگہ چھوڑنے کا سبب دریافت فرمانے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی۔

اور یہ واقعہ بھی بظاہر فتح مکہ کے بعد ہی کا ہے۔ کیونکہ حضرت عباس کو اسلام لانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضری کا موقع غزوہ فتح مکہ سے پہلے نہیں ملا جیسا کہ اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱

اور سنہ ۹ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلا کا واقعہ پیش آیا کہ آپ نے بعض ازواج مطہرات کی بعض چیزوں سے ناراض ہو کر کچھ دنوں کے لئے ان سے علیحدگی اختیار فرمائی بلکہ اس علیحدگی پر قسم کھالی۔ قریبا ایک مہینے کے بعد آیت تخییر یا ایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا (الآیہ) نازل ہوئی جس میں آپ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو آپ اختیار دیدیجئے کہ اگر وہ دنیا کا عیش و راحت چاہتی ہوں تو آپ سے آزادی وطلاق

حاصل کر لیں، اور اگر انہیں اللہ اور رسول کی رضامندی اور آخرت کی بہبودی مطلوب ہو تو پھر دنیوی تکالیف اور تنگی پر صبر کریں۔ آپ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لے کر سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس پہنچے اور آپ نے ان سے اس طرح بات چیت شروع کی۔

انی ذاکر لک امرا فلا علیک ان لا تعجلی حتی تستامری ابویک قالت وقد علم ان ابوی لم یکونا لیامرانی بفراقہ قالت ثم قال ان اللہ قال جل ثناؤہ یا ایہا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا الی قولہ اجرا عظیما قالت فقلت ففی ای ھذا استامر ابوی فانی ارید اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ ــــ (الحدیث)

صحیح بخاری کتاب الطلاق باب من خیر نساءہ و صحیح مسلم

میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، پس تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کہ تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ آپ کو یقین تھا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی مجھے آپ سے جدا ہونے کا مشورہ نہ دیں گے۔ پھر اس تمہید کے بعد آنحضرت نے خدا کا وہ حکم ان کو سنایا کہ اگر تم چاہتی ہو تو مجھ سے جدائی حاصل کر لو ورنہ جس حالت میں ہو تکالیف پر صبر و شکر کے ساتھ رہو۔

حضرت عائشہؓ نے سن کر عرض کیا حضرت اس میں ایسی کیا بات ہے کہ میں ماں باپ سے مشورہ کروں۔ میں پوری خوشی دل سے خدا اور رسول اور فلاح آخروی کو اختیار کرتی ہوں۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جمیع ماکان و ما یکون کا علم کلی حاصل نہ تھا ورنہ پیش بندی اور احتیاط کے طور پر حضرت عائشہؓ کو یہ مشورہ دینے کی آپ کو ضرورت نہ ہوتی کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر کوئی عاجلانہ فیصلہ نہ کر لینا بلکہ اس صورت میں آپ کو پہلے سے ہی معلوم ہوتا کہ عائشہؓ خود ہی فیصلہ کر لیں گی۔ کما لا یخفی۔

حدیث نمبر ۱۳۲

اور اسی ایلاء کے واقعہ کے متعلق کنز العمال میں بحوالہ مصنف عبد الرزاق و مسند عبد بن

حمید و ابن سعد و ابن جریر و ابن المنذر وغیرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ :۔

وحلف ان اقسم ان لا یدخل علیہن شہراً من شدۃ موجدتہ علیہن حتی عاتبہ اللہ عزوجل فی ذالک ۔ الحدیث (کنز العمال صفحہ ۲۲۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک اپنی ازواج مطہرات سے کمل علیحدگی کی قسم کھائی تھی۔ کیونکہ ان پر آپ کو سخت غصہ تھا۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں آپ پر حق تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام حق تعالیٰ کو پسند نہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے معلوم ہوتا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر مرضی ہے تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔

حدیث نمبر ۱۲۳

اور اسی سنہ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ جس وقت کہ اس کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں حضرت ابو موسیٰ اشعری اپنے چند اشعری رفیقوں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سواریوں (اونٹوں) کے لئے درخواست کی۔ اتفاق سے اس وقت آپ کسی وجہ سے غضبناک تھے۔ اسی حالت میں آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ واللہ لا احملکم۔ خدا کی قسم میں تم کو سواری نہیں دوں گا۔ کچھ دیر کے بعد کہیں سے اونٹ آگئے۔ آپ نے ان اشعریوں کو خود ہی طلب فرمایا اور ان میں سے پانچ چھ اونٹ ان کو عطا فرمائے۔ اور ارشاد فرمایا:۔

واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیراً منھا الا اتیت الذی ھو خیر وتحللتھا ۔ (صحیح بخاری باب الیمین فی مالایملک و فی المعصیۃ و فی الغضب صحیح مسلم صفحہ ۲۴۸)

قسم خدا کی اگر میں کسی چیز پر قسم کھا لوں پھر مجھے اس کے خلاف کرنے میں بھلائی اور بہتری معلوم ہو تو انشاء اللہ میں وہی کروں گا۔ اور قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ آپ پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے قسم کھا کر انکار نہ فرماتے ۔۔۔۔۔۔ نیز جس کو علم کلی اور علم محیط حاصل ہو اس کے

متعلق یہ ممکن بلکہ متصور ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ پہلے کسی چیز کی قسم کھا لے اور پھر اس کے خلاف میں اس کو بہتری اور بھلائی معلوم ہو ۔ بہرحال تو اسی کا ہوسکتا ہے جس کا علم حوادث کو محیط نہ ہو ۔

حدیث نمبر ۱۳۴

کنز العمال میں بحوالہ ابن عابد و ابن عساکر غزوۂ تبوک ہی کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ۔

فلما ازف خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ای المنافقون الاستیذان فکرا شدۃ الحر وخافوا الفتنۃ ان غزوا ویحلفون باللہ علی الکذب فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاذن لہم لا یدری ما فی انفسہم الحدیث (کنز العمال ص ۱۳۹)

جب تبوک کے لئے آنحضرت کی روانگی کا وقت قریب آیا تو ان منافقوں نے بڑی کثرت سے رخصتیں مانگنی شروع کیں ۔ اور گرمی کی شدت کی شکایتیں کیں اور کہا کہ اگر ہم نے غزوہ میں شرکت کی تو اندیشہ ہے کہ ہم فتنہ میں پڑ جائیں ، اور اس جھوٹ پر خدا کی قسمیں کھائیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دینے لگے ۔ آپ ان کے دلوں کی باتوں کو نہ جانتے تھے ۔

اس روایت کا آخری خط کشیدہ فقرہ اس کی صریح دلیل ہے کہ آپ کو اس وقت علم غیب ، یا جمیع ماکان وما یکون کا علم محیط حاصل نہ تھا ۔

حدیث نمبر ۱۳۵

اسی غزوہ تبوک کی احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ جب آپ تبوک تشریف لے گئے تو قبیلہ جہینہ کے لوگ بھی ایک مقام پر پہنچکر آپ سے مل گئے ۔

فقال لہم من اہل ذی المروۃ فقالوا بنو رفاعۃ من جہینۃ فقال قد اقطعتہا لبنی رفاعۃ الحدیث (سنن ابی داؤد باب فی اقطاع الارضین)

تو آپ نے ان سے اثناء گفتگو میں دریافت کیا کہ ذی المروۃ والے کون ہیں ؟ انہوں نے عرض کیا وہ جہینہ ہی کی ایک شاخ بنو رفاعہ ہیں ، تو آپ نے ذی المروۃ کا علاقہ جاگیر کے طور پر بنی رفاعہ ہی کو عطا فرما دیا ۔

اس حدیث میں جہینہ کے لوگوں سے آپ کا یہ سوال کہ ذی المروہ والے کون ہیں؟ اس کی صریح دلیل ہے کہ حضور کو جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط حاصل نہ تھا۔ ورنہ ان سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۳۵

اور اسی غزوہ تبوک کے واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو چلا اور لوگ بھوک سے پریشان ہونے لگے تو بعض حضرات نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر حضور اجازت دیں تو ہم اونٹوں کو ذبح کریں اور کھائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

افعلوا فجاء عمر فقال یا رسول اللہ ان فعلت قل الظهر ولکن ادعهم بفضل ازوادهم ثم ادع اللہ لهم علیها بالبرکة فقال نعم ... الحدیث

ہاں ایسا ہی کرو۔ اتنے میں حضرت عمر آگئے اور عرض کیا کہ حضرت! اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم رہ جائیں گی اور ہم گھروں سے بہت دور ہیں۔ لہذا بہتر سبب ہوگا کہ حضرت سب لوگوں سے ان کا بچا کچھا کھانے کا سامان منگوائیں۔ اور پھر خدا سے برکت کی دعا فرمائیں۔ آنحضرت نے اس رائے کو قبول فرما لیا۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔ حضور کی دعا سے حق تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ سب لوگوں نے خوب کھایا اور اپنے ساتھ کے تمام برتن بھر لئے۔

(صحیح مسلم جمع الفوائد صفحہ ۲۲)

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ جمیع ماکان و مایکون کا علم محیط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی حاصل نہ تھا ورنہ آپ پہلے ہی اونٹوں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت نہ دیتے اور جو طریقہ آپ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کے بعد اختیار فرمایا شروع میں ہی آپ اس کو اختیار فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۳۶

اسی زمانہ ہی میں جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تیاری فرما رہے تھے۔ قبا میں مسجد ضرار بنانے والے منافقین کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور

عرض کیا کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے نیز بارش اور جاڑے کی راتوں کے لئے اپنے محلہ اور قبیلہ کی ایک مسجد بنائی ہے۔ اور ہماری گزارش ہے کہ ایک دن حضور تشریف لائیں اور اس میں نماز پڑھائیں اور برکت کی دعا فرمائیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"إني على جناح سفر وحال شغل وإذا قدمنا إن شاء الله أتيناكم فصلينا لكم فيه"

"میں اس وقت سفر کے لئے پابرکاب ہوں اور اگر ہم واپس آئے تو انشاء اللہ تمہارے یہاں پہنچ کر اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔"

اس کے بعد جب آنحضرتؐ کی تبوک سے واپسی ہوئی اور مدینہ کے قریب موضع ذی اوان میں آپ نے مقام فرمایا تو یہ لوگ پھر خدمت میں پہنچے اور مسجد کو متبرک فرمانے کی درخواست کی۔

فدعا بقميصه ليلبسه ويأتيهم فنزل عليه القرآن وأخبره الله تعالى خبر مسجد الضرار وما هموا به۔

پس آپ نے اپنا کرتا طلب فرمایا کہ اس کو پہن کر ان کے یہاں جائیں۔ اسی اثنا میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اس مسجد ضرار کی حقیقت اور اس کے بانیوں کی ناپاک غرض و شرارت بیان فرمائی گئی۔

تو آپ نے چند صحابہ کو بلا کر حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو ابھی گرا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی

(حکاہ البغوی فی المعالم[۲۴۱] والخازن فی اللباب[۲۴۲] والعماد ابن کثیر فی تفسیرہ[۲۴۳])

حدیث نمبر ۱۲۸

اور علامہ سیوطیؒ نے در منثور میں ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی تخریج سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ مسجد قبا کے بننے کے بعد کچھ منافقین نے سازش کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرغنہ مجمع سے دریافت کیا کہ اس سے تمہارا کیا مقصد ہے تو اس نے کہا:۔

يا رسول الله[۲۴۴] والله ما أردت إلا الحسنى ——

یا رسول اللہ میرا مقصد اس مسجد کی تعمیر سے سوائے نیکی اور ثواب کے اور کچھ نہیں ہے ——

وهو كان ذنب فصدقه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأراد أن يعذره فأنزل الله والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا (الآية) (ابن منثور ص ۲۶۴ ج ۳)

اور فی الحقیقت وہ اسی قسم میں ہوتا تھا ــــ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو سچا سمجھا اور اس کو معذور قرار دینے کا ارادہ فرمایا تو ان بانیوں کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کے عزائم مشومہ کو بے نقاب کیا گیا۔

حدیث نمبر ۱۳۹

اور حافظ سیوطیؒ نے درمنثور ہی میں اسی مسجد ضرار کے متعلق سعید بن جبیر کی ایک روایت ابن المنذر کی تخریج سے اور نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جب ان بدباطن منافقین نے مسجد قبا کے مقابلہ میں اپنی مسجد تیار کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ حضور یہاں تشریف لا کر اس میں نماز پڑھا دیں۔

فلما جاءه الرسول قام ليأتيهم فأنزل الله والذين اتخذوا مسجدا ضرارا إلى قوله لا يزال بنيانهم الذي بنوا ريبة في قلوبهم (الآية) (درمنثور ص ۲۶۴ ج ۳)

پس جب ان کا قاصد یا نمائندہ یہ پیغام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے یہاں آنے کے لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ یا کہ آپ نے ان کے یہاں جانے کا قصد فرمایا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا (الآیۃ)

ان تینوں روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کی بیماری باطنی اور بدنیتی کا علم نہ تھا اور اسی بنا پر ارادہ ہو گیا تھا کہ ان کی اس مسجد میں بھی نماز پڑھی جائے۔ لیکن بعد میں وحی کے ذریعے آپ کو حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنا ارادہ فسخ فرما دیا۔ اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

حدیث نمبر ۱۴۰ تا ۱۴۲

غزوۂ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار اور مسجد قباء کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں ان میں سے ایک آیت مسجد قباء کے بارہ میں یہ بھی تھی فیہ رجال یحبون أن یتطہروا

اس میں (مسجد قبا میں) ایسے لوگ (نماز پڑھتے) ہیں جو پاکیزگی کو محبوب رکھتے ہیں۔

کنز العمال میں مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ کی تخریج سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اہل قبا سے دریافت فرمایا۔

یا اہل قبا ان اللہ قد اثنیٰ علیکم فی الطہور خیرا فما تصنعون؟ (الحدیث کنز العمال ص۲۴ ج۷)	اے قبا والو! اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے۔ پس مجھے بتلاؤ کہ تمہاری یہ خاص پاکیزگی کیا ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابو امامہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ آنحضرت نے اہل قبا سے فرمایا۔

ما هذا الطهور الذي قد خصصتم به في هذه الآية (کنز العمال ج۷)	یہ کیا خاص پاکیزگی ہے۔ جس کو اس آیت میں تمہاری خصوصیت بتلایا گیا ہے؟

اور اسی مضمون کی ایک حدیث مجمع الفوائد ص۲۴ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بحوالہ رزین مروی ہے۔

نیز مسند احمد اور معجم طبرانی کی تخریج سے حضرت عویم کی روایت سے بھی اہل قبا سے آنحضرت کا یہ دریافت فرمانا مجمع الفوائد ہی میں مروی ہے۔ (مجمع الفوائد ص۲۴ ج۲)

حدیث نمبر ۱۴۴

اور غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذی قعدہ ۹ھ میں عبد اللہ بن ابی بن سلول (مشہور رئیس المنافقین) کا انتقال ہوا اس کے لڑکے عبد اللہ جو مخلص مومن تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضور میرے باپ کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے آپ کو بڑھ کر روکنا چاہا اور عرض کیا کہ حضرت یہ بدبخت تو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن رہا ہے۔ فلاں دن اس نے یہ کہا اور فلاں دن اس نے ہمارے خلاف یہ یہ سازش کی۔ اور وہ تو منافق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حق میں دعائے

مغفرت کرنے سے بھی آپ کو منع فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

انما خیرنی اللہ فقال استغفر لہم او لا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم فقال سازیدہ علی سبعین قال فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلینا معہ ثم انزل علیہ ولا تصل علی احد منہم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ انہم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وہم فاسقون۔

(صحیح بخاری باب قولہ ولا تصل علی احد منہم مات ابداً الخ) تفسیر سورۂ توبہ وصحیح مسلم مصری)

اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اختیار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر دفعہ مغفرت کی دعا کرو گے تو اللہ ان کی مغفرت نہ کرے گا۔ آنحضرتؐ نے اس کے بعد فرمایا کہ تو میں ستر دفعہ سے زیادہ ان کے لئے بخشش مانگوں گا۔ اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی (راوی ابن عمر کہتے ہیں) اور ہم سب نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی پھر آپ پر یہ صاف صریح آیت نازل ہوئی کہ ان منافقوں میں سے جو مر جائے۔ آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور کسی کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں الخ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کے حق میں نہ تھی پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی جمیع ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو آپ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اس راس المنافقین کے جنازہ کی نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کی منشاء جو بعد میں آیت کے نزول کے بعد آپ کو معلوم ہوئی وہ پہلے سے معلوم ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۲۵

سیرت کے مشہور واقعات میں سے ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں جب سورۂ براءۃ میں مشرکین کے متعلق کچھ جدید اور اہم احکام نازل ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باضابطہ اعلان کے لئے اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر اور نیز امیر حج کا منصب عطا فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ لیکن بعد میں آپ کو یا تو از خود خیال ہوا یا جیسا کہ بعض

روایات میں ہے حضرت جبریل نے آپ کو آگاہ کیا کہ اس قسم کے بین الاقوامی معاہدات کے
متعلق کوئی خاص اعلان یا تو آپ بذات خود فرمائیں یا آپ کا کوئی قریبی عزیز۔ چنانچہ
آپ نے بعد میں حضرت علی کو روانہ کیا جو راستہ میں حضرت ابوبکر سے جا ملے۔ اور پھر حضرت
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان خاص احکام کا اعلان حضرت
علیؓ ہی نے کیا۔

(اس واقعہ کے متعلق تفصیلی روایات فتح الباری اوائل تفسیر سورۂ براءۃ میں
ملاحظہ ہوں)

ہمارا مدعا اس واقعہ سے بالکل ظاہر ہے۔ کیوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس وقت تک بھی جمیع ماکان و ما یکون کا علم محیط حاصل ہوتا تو شروع ہی میں آپ یہ
کام حضرت علی کے متعلق فرماتے ———— اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ شروع
ذی الحجہ سنہ ۹ ہجری میں پیش آیا۔ والتفصیل فی الفتح

حدیث نمبر ۱۴۹

سنہ ۱۰ھ کے اواخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار اصحاب کرام کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا اور اپنی قربانی کے جانور مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ پر منکشف ہوا کہ اہل جاہلیت کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے کہ شہر حج میں عمرہ بہت بڑا گناہ ہے۔ انہی دنوں میں پہلے مستقل عمرہ ادا کیا جائے۔ اور اس کے بعد از سر نو حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے۔ لیکن چونکہ احرام حج کے ساتھ آپ قربانی کے جانور بھی ہمراہ لے کر آئے تھے۔ اور ایسی صورت میں حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے آپ بذات خود تو اس تجویز پر عمل کرنے سے مجبور تھے۔ اس واسطے آپ نے اپنے ان اصحاب کو جو اپنی قربانیاں ساتھ نہ لائے تھے حکم دیا کہ وہ پہلے عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر آ جائیں۔ اور پھر حج کے لئے یہیں سے مستقل احرام باندھ لیں۔ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ یہ حج تو کم درجہ کا ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں عمرہ کے اختتام اور حج کے احرام کے درمیان بیویوں سے لطف اندوزی اور دوسرے لذائذ و مرغوبات کے استعمال کا موقع مل جائے گا۔ اور احرام کے استمرار کی صورت میں نفس اور نفسانی خواہشات پر جو پابندیاں رہتیں ان سے اس عرصہ کے لئے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ نیز چونکہ آنحضرت خود ایسا نہیں کر رہے تھے۔ اس واسطے صحابہ کو کچھ تردد تھا کیونکہ ان کی انتہائی آرزو یہی تھی کہ وہ بالکل اسی طرح حج ادا کریں۔ جس طرح آنحضرت ادا فرمائیں۔ اور ہر ہر ادا میں موافقت و یگانگت کا شرف ان کو حاصل ہو۔ بہرحال ان وجوہ سے آنحضرت کی اس نئی تجویز پر عمل کرنے میں بعض لوگوں کو کچھ پس و پیش سا لاحق ہوا۔ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ان خیالات و وساوس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

لو استقبلت من امری ما	دوران حج میں عمرہ کر کے جاہلی خیال کو باطل
استدبرت ما اهديت ولولا	کرنے کے متعلق جو بات اب مجھے معلوم
ان معی الهدی لاحللت	ہوئی اگر وہ پہلے سے معلوم ہوتی تو میں بھی قربانی

نوٹ: [illegible] عمرہ کا احرام باندھا جائے اور عمرہ کر کے احرام [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کو [illegible] قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ [illegible] تفصیل [illegible]

شارحین حدیث کی ان تشریحات سے ہمارا مدعا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یہ سب حضرات بھی اس پر متفق ہیں کہ اہل جاہلیت کی عملی مخالفت کے لیے بعد میں آپ پر جو منکشف ہوا (وحی یا الہام) وہ پہلے سے آپ کو معلوم نہ تھا۔ اور یہ جبھی ہی متصور ہے کہ آپ کو علم غیب اور ما کان و ما یکون کا علم محیط حاصل نہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۴۰

یہ روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہاں اوپر ہم نے ذکر کی جس میں آپ کے ارشاد لو استقبلت الخ کے مخاطب صحابہ کرام ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ لیکن یہی واقعہ صحیحین ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اور اس کی مسلم والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات آپ نے حضرت صدیقہ سے علیحدہ بھی کہی تھی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عائشة انها قالت قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم لاربع مضین من ذی الحجة او خمس فدخل علی وهو غضبان فقلت من اغضبك یا رسول الله ادخله الله النار قال اوما شعرت انی امرت الناس بامر فاذا هم یترددون ..... ولو انی استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الهدی - (صحیح مسلم ص ۳۹۲) (وفی البخاری فی کتاب التمنی عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الهدی)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو مکہ معظمہ وارد ہوئے تو آپ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ غضب ناک تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کو کس کی حرکت نے غضبناک کیا؟ خدا اسے جہنم واصل کرے آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا تھا (یعنی حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کر دینے کا) تو وہ پس و پیش کر رہے ہیں۔ اور اگر پہلے سے مجھے وہ بات معلوم ہوتی جو اب معلوم ہوئی تو میں خود ہدی ساتھ نہ لاتا۔ (اور ایسا ہی کرتا)

حدیث نمبر ۱۴۸

اسی حجۃ الوداع کے واقعات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک یہ حدیث بھی مروی ہے۔

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من عندھا مسرورًا ثم رجع کئیبًا فقال انی دخلت الکعبۃ ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما دخلتھا انی اخاف ان اکون قد شققت علی امتی۔

رواہ الترمذی وابو داؤد جمع الفوائد صفحہ ۱۹۲ ج ۱ ورواہ ایضًا احمد وابن ماجہ والحاکم فی المستدرک کنز العمال صفحہ ۲۶۶ ج ۴

ایک دن (اسی حج کے دوران میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے خوش و خرم باہر نکلے۔ پھر کچھ دیر بعد آپ رنجیدہ ہو کر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں کعبہ کے اندر داخل ہوا تھا اور اگر مجھے پہلے سے وہ خیال ہوتا جو اب بعد میں پیدا ہوا تو میں داخل نہ ہوا ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے اپنے اس فعل سے امت پر بار ڈالدیا ہو۔

اس حدیث سے بھی ہمارا مدعا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں آپ نے داخلۂ کعبہ پر جن الفاظ کے ساتھ اور جس انداز میں اظہارِ تاسف کیا ہے اور اس کی جو وجہ بتلائی ہے۔ وہ صاف اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک علمِ غیب اور جمیع ماکان وما یکون کا علمِ محیط حاصل نہ تھا۔

حدیث نمبر ۱۴۹

اور اسی حجۃ الوداع کے واقعات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ مروی ہے۔

قالت اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینفر فرأی صفیۃ علی باب خبائھا کئیبۃ لانھا حاضت فقال عقری حلقی (لغۃ قریش) انک لحابستنا

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا تو جناب صفیہؓ کو دیکھا کہ اپنے خیمہ کے دروازے پر غمزدہ اور اداس سی کھڑی ہیں کیونکہ ان کے ایام شروع ہوگئے تھے۔

له فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المعالجۃ "

(رواہ ابن جریر کنز العمال صفحہ ۲۲ جلد ۴)

تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور دوا کا اثر کیڑا پختہ کی جگہ پر ہی میں تھا یعنی اس کی تیاری سے پہلے حضور اس دنیا سے رحلت فرما کر آغوش رحمت میں چلے گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس وقت آپ نے مسہل کو دوبارہ ویسا ہی جوڑا تیار کرنے کا حکم دیا تھا، اس وقت آپ کو معلوم نہ تھا کہ میری وفات کا وقت اس قدر قریب آگیا ہے ورنہ آپ ہرگز اس کی تیاری کا حکم نہ دیتے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حکم آپ نے وفات شریف سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے دیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت سہل کا بیان ہے کہ میں نے حسب الارشاد اس کی تیاری شروع کر دی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت واصل بحق ہو گئے۔ تو زیادہ سے زیادہ وفات شریف سے ایک مہینہ دو مہینے پہلے کا یہ واقعہ ہوگا گویا سنہ ۱۰ ہجری محرم یا صفر کے مہینے کا۔ واللہ اعلم۔

نیز وفات شریف سے ایک مہینے پہلے والی حضرت جابر کی حدیث بروایت صحیح مسلم (جس میں حضرت نے وفات مقدسہ سے صرف ایک مہینہ پہلے وقت قیامت کے سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی) اور خاص مرض الوفات کی بعض احادیث صحیحین اور دیگر کتب صحاح کے حوالے اس حصہ کے ابتداء میں ہم درج کر چکے ہیں۔

نمبر ۱ سے یہاں تک جو ستر حدیثیں نقل ہوئی ہیں وہ ہجری سنین کے حساب سے یعنی زمانہ ہجرت کے پہلے سال سے لے کر آنحضرت کی وفات مقدسہ کے سال سنہ ۱۱ ہجری تک کے تمام سالوں کی حدیثیں ہیں۔ جن سے ہر سال کے متعلق یہ ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سال تک بھی علم غیب یا علم جمیع ماکان و ما یکون حاصل نہ تھا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان احادیث کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف ان لوگوں پر مستقل حجت قائم کرنا ہے جو دعوے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا

میں تشریف لانے سے بھی پہلے شکم مادر ہی میں علم غیب یا علم ماکان وما یکون عطا فرما دیا گیا تھا ——— مگر جو چالاک لوگ دلائل کی گرفت سے بچنے کے لئے تمام نزول قرآن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون سے عطا کئے جانے کے قائل ہیں۔ ان پر صرف پہلی اسی حدیثوں سے حجت قائم ہوتی ہے۔ جس کی تقریر و توضیح ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ بہرحال یہاں تک قریباً سو حدیثیں ہو چکی ہیں جنہیں اکثر عبد اللہ صاحب کی ہیں جو صحاح کی ہیں ان میں بھی کوئی ایسی نہیں ہے۔ جس میں تکلفات مذکورہ ہوں۔

حوالے جات کے بارے میں ہمارا اصول یہ رہا ہے کہ صحیحین کی احادیث کو اکثر خود صحیحین ہی سے لیا ہے۔ اور صحیحین ہی کے باب یا صفحہ کا حوالہ دیا ہے۔ ماسوا صحیحین کے جو سنن اربعہ یا موطا یا مسند احمد کے سوا ہیں۔ وہ اکثر جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد وتالیف محمد بن محمد بن سلیمان المغربی المالکی سے لئے گئے ہیں۔ اور اسی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور جہاں کہیں ان اصل کتابوں کا حوالہ ہے وہاں حدیث کو اصل کتاب ہی سے دیا گیا ہے۔ جن کتابوں کی احادیث کے لئے کنز العمال یا در منثور کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں سمجھ لینا چاہئے کہ ان احادیث کو کنز العمال یا در منثور ہی سے لیا گیا ہے۔

بہرحال جس حدیث کے لئے جس کتاب کے باب یا صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حدیث عموماً اسی کتاب سے لی گئی ہے۔ اور حوالہ کا نمبر بھی صرف اسی کتاب پر لگایا گیا ہے۔ ورنہ اگر ہم فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کے اس اصول پر چلتے کہ ایک مخرج جتنی بھی کتب حدیث کا حوالہ دے وہ ان سب کتابوں کو علیحدہ علیحدہ شمار کر کے اپنے حوالوں کی گنتی بڑھاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک ایک حوالہ کو دس دس، بیس بیس حوالے بنا لیتے ہیں پس اگر ہم بھی یہی طرز عمل اختیار کرتے تو یقین ہے کہ حوالہ جات کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچ چکی ہوتی جیسا کہ ناظرین کرام خود بھی حساب لگا سکتے ہیں۔

اب ہم اس حصہ احادیث نبوی کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی اس پر اضافہ کی کافی گنجائش ہے۔ اور قریباً ایک سو حدیثیں میری اس یادداشت میں بھی ابھی باقی ہیں۔ جو اس کتاب کی پہلی ترتیب کے وقت میں نے کنز العمال اور جمع الفوائد کا مطالعہ کر کے تیار کی تھی

تھی لیکن ناظرین کے اکتا جانے کے خیال سے کتاب کو مزید طول نہ دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر ڈیڑھ سو کی تعداد بھی بجائے خود کچھ کم تعداد نہیں ہے۔

جو حدیثیں چھوڑ دی گئی ہیں ان میں ایک کافی تعداد ان روایات کی ہے۔ جن میں غزوات کے موقع پر مخبروں اور جاسوسوں کو بھیجنے اور پھر اطلاعات حاصل کر کے ان کو خدمت نبوی میں پہنچانے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی عالم غیب اور دانائے کل کو ان تدبیروں کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف مضامین کی بہت سی حدیثیں ایسی ابھی باقی ہیں جن سے ہمارا مدعا نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اب بقصداً قصداً انہی ڈیڑھ سو حدیثوں پر اکتفا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث پر نظر رکھنے والوں کے لئے یہ مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ کسی مخلوق کو بھی علم غیب کلی یا علم جمیع ماکان و ما یکون حاصل نہیں اس قدر بدیہی ہے کہ اس کے لئے استدلال کیا معنی کسی تنبیہ اور تذکیر کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن دنیا کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو ان پر قائم رکھنا اور اس کا یقین دلانے کے لئے آج اس پر بھی مستقل تصنیفوں کی ضرورت ہو رہی ہے۔ اور ان کے دین کے تحفظ کی خاطر اس قسم کے مسائل کی طرف توجہ کرنا بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔

صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع (بخاری و مسلم)

کتاب کے اس حصہ کو ختم کرتے ہوئے بھی ہم پھر اس آخری تنبیہ کا اعادہ کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری اس بحث کا تمام تر تعلق صرف اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدۂ علم غیب کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون ہی سے ہے۔ اور خدا شاہد ہے کہ اس سے ہمارا مقصد صرف ان غالیانہ

انا عبداللّٰہ ورسولہ فقولوا عبداللّٰہ ورسولہ۔ (الحدیث) | اور میں اللّٰہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں تو مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

کتاب بوارق الغیب کا حصہ دوم بعونہ اللّٰہ تعالیٰ ختم ہوا۔ اب انشاء اللّٰہ حصہ سوم شروع ہوگا جس میں اسی مسئلۂ علم غیب کے متعلق اہل سنت کے مسلک حق کی تائید میں حضرات صحابہ و تابعین اور امت کے دیگر واجب الاحترام طبقات، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، متکلمین اور علماء و عرفاء کے ارشادات پیش کئے جائیں گے۔

اقصر عباد اللّٰہ محمد منظور النعمانی عفا عنہ مولاہ

دفتر "الفرقان"

بریلی

کتاب	حصہ	پیسے	روپے
تعلیم الاسلام	حصہ اول	۷۵	۰
”	حصہ دوم	۰۰	۱
”	حصہ سوم	۲۵	۲
”	حصہ چہارم	۲۵	۳
بوارق الغیب		۰۰	۳۰
حفظ الایمان		۰۰	۱
عملیات عزیزی		۷۵	۶
نماز مترجم کلاں		۲۵	۲
یوسف زلیخا فارسی		۰۰	۱۸
تحریر سنبث		۰۰	۱۸
سبعہ معلقہ (فارسی)		۰۰	۴
نوادر الوصول (فارسی) شرح فصول اکبری		۰۰	۱۸

حسامی مع شرح ذکی ـــــ ۰۰ ـــــ ۲۷

مناظرہ علم غیب ـــ ـــ ۵۰ ـــــ ۷

اصلاحی نصاب ـــــــ زیر طبع

حمد اللہ نظامی ـــــــ ״

کافیہ ـــ ـــــــ ״

ہدایۃ النحو ـــ ـــ ـــ ״

دیوان متنبی ـــــــ ـــــ ״

حل العویص ترجمہ تلخیص ـــ ـــــ ״

سنن ابن ماجہ عربی ـــ ـــ ״

طحاوی شریف ״ ـــــ ״

عبد الغفور مع تکملہ ״ ـــــ ״

ہدیہ سعیدیہ ״ ـــ ـــــ ״

شرح عقائد عربی ——— - - زیر طبع

تفسیرات احمدیہ عربی ——— ״

کتب خانہ مجیدیہ
بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان